مؤرخ اہل حدیث

مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ

حیات و خدمات

از

مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ
چیف ایڈیٹر ماہنامہ صدائے ہوش لاہور

مکتبہ رحمانیہ
ناصر روڈ سیالکوٹ

حیات وخدمات

از
مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ
چیف ایڈیٹر ماہنامہ صدائے ہوش لاہور

ناشر
مکتبہ رحمانیہ
ناصر روڈ سیالکوٹ

نام کتاب

مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ حیات و خدمات

نام مصنف

مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ
چیف ایڈیٹر ماہنامہ صدائے ہوش لاہور

صفحات ——— 240
[illegible] ——— 150/- روپے
اشاعت ——— فروری 2011ء
باہتمام ——— صاحبزادہ عبدالحنان جانباز حفظہ اللہ
تزئین ——— محمد گرافکس 0321-4162260
طابع ——— قدوسیہ اسلامک پریس

ناشر
ادارہ جامعہ رحمانیہ
ناصر روڈ سیالکوٹ
Mobile: 0300-6161913
0300-7123419

مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان
Tel: +92 - 42 - 37351124 , 37230585
maktaba_quddusia@yahoo.com
www.quddusia.com

انتساب

اپنی پیاری اور عظیم والدہ محترمہ

کے نام

جنہیں میں محبت سے "ماں جی" کہا کرتا ہوں۔ ان کا وجود گرامی ہمارے والد محترم محمد یوسف رحمہ اللہ کی وفات (13دسمبر 1979ئ) کے بعد ہم بہن بھائیوں کے لیے گھنے سایہ دار شجر کی مانند ہے۔ انھوں نے خود عسرت میں رہ کر ہمارے لیے آسانیاں مہیا کیں اور ہماری اچھی طرح تربیت کے ساتھ ساتھ ہمیں توحید و سنت پر سختی سے عمل کرنے، نماز روزے اور دیگر اسلامی شعائر کا پابند بنایا۔ میری تحریری و تصنیفی کاوشوں میں والدہ محترمہ کی حوصلہ افزائی کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ انھوں نے ہمیشہ میری صحت و سلامتی اور ایمان کی استقامت کے لیے پر خلوص، محبت و شفقت بھری دعائیں کی ہیں جو میرے لیے عزت و عظمت اور ترقی کا زینہ ہیں۔

آج تحریر و نگارش کے میدان میں جو کچھ بھی ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل و احسان اور والدہ محترمہ کی دعاؤں کا رہین منت ہے۔

اللہ تعالیٰ والدہ محترمہ کا سایہ تا دیر ہم پر سلامت رکھے، ان کو صحت و عافیت اور ایمان والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور ہم ان کی دعائیں اپنے دامن میں سمیٹتے رہیں۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ آمین رب العالمین۔

محمد رمضان یوسف سلفی

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب ہمارے اخبارات، جرائد اور رسائل بینوں میں معروف اور قابل تعریف شخصیت ہیں۔ ایک عرصہ سے لکھ رہے ہیں اور خوب لکھ رہے ہیں۔ موصوف سے ملاقات سے قبل مجھ سمیت ہر کسی کا یہی خیال ہوتا ہے کہ بڑی بھاری بھرکم جسم وجسہ اور بلند کُلّہ کی مالک شخصیت ہوں گے، اگرچہ ہیں تو ایسے ہی...... مگر...... مطالعہ وقلم کے اعتبار سے نہ کہ جسم کے لحاظ سے!! ان کے قلم کی مہارت کثرت مطالعہ کی غماز ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ محترم المقام جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ایک بہت بڑی علمی شخصیت کا نام ہے کہ جن پر مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب نے لکھا......!! جیسے علامہ اقبال نے کہا تھا: ''ترکھاناں دا منڈا نمبر لے گیا'' واقعی سلفی صاحب نمبر لے گئے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب خود آب رواں کی طرح لکھتے ہیں اور ان کا لکھا ہوا اب سیل رواں بن چکا ہے۔ اس لیے مولانا موصوف پر بہت زیادہ لکھا جانا چاہیے۔ بلکہ موسلا دھار لکھنے کی ضرورت ہے۔ آپ صحافتی میدان میں علم تاریخ وتراجم میں ایسے تن آور درخت ہیں کہ نظر اٹھا کر دیکھنا پڑے...... اور...... ثمر بار ایسے کہ اپنے خوشہ چینوں کے لیے جھک جھک جائیں، بچھ بچھ جائیں بلکہ پھولے نہ سمائیں۔ ایسی باوصف شخصیت کے تذکرہ کا حق ہر کوئی ادا نہیں کرسکتا۔ البتہ اظہار عقیدت کا حق ہر کسی کو حاصل ہے اور قلم وقرطاس سے وابستہ ہر اہل حدیث کو اپنی اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اعتراف عظمت بھی نیکی کی علامت ہے اور اس کے لیے باعظمت ہونا ضروری نہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اوّل دن سے تاحال اپنی نگارشات کو بزرگانِ دین اور علماء اہل حدیث ہی کے تذکرہ کے لیے ''فی سبیل اللہ'' وقف کر رکھا ہے اور اب اس مقام پر ہیں جہاں انہیں جماعت کی حاجت نہیں بلکہ جماعت کو ان کی ضرورت ہر وقت ہے۔ بڑی بدنصیب ہوتی ہیں وہ جماعتیں جو ایسی سونے کی کانوں سے فائدہ نہیں اٹھاتیں

اور نہ ہی اسباب مہیا کرتی ہیں۔ ادارہ جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ مبارک باد کا مستحق ہے کہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی خدمات کے اعتراف کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔ جو بجا طور پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کے لیے بھی صدقہ جاریہ کا سبب ہے۔ جن روایات کی داغ بیل مولانا جانباز رحمہ اللہ نے اپنے ادارہ میں ڈالی تھی ان کی رحلت کے بعد ہم بھی انہی روایات کے امین اور پاسدار ہیں۔ طبع وتالیف سمیت تمام شعبہ جات اسی طرح خدمتِ دین میں مصروف عمل ہیں۔

میرا معاملہ ''پدرم سلطان بود'' والا ہے اور کھیت میں ''جئی بوٹی'' کی طرح ہے۔ میرے میٹرک کی زمانہ میں ہماری انگریزی کی کتاب میں ایک نظم ''ابو بن ادھم'' کے نام سے شامل نصاب تھی جو کہ شاید اب بھی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ موصوف ایک رات اپنے حجرہ میں سوئے ہوئے ہیں کہ اچانک چاندنی کی سی روشنی میں ایک فرشتہ ہاتھ میں ایک سنہری کتاب، جس میں وہ کچھ لکھ رہا ہے...... لے کر حاضر ہوتا ہے۔ ابو بن ادھم اس سے سوال کرتے ہیں کہ کیا لکھ رہے ہو؟ میں ان لوگوں کے نام لکھ رہا ہوں جو اپنے رب سے محبت کرتے ہیں! فرشتہ جواب دیتا ہے!! کیا ان میں میرا نام بھی ہے؟ فرشتہ نفی میں سر ہلاتا ہے...... اچھا...... تو پھر تم میرا نام ان لوگوں میں لکھ دو جو اس کی مخلوق سے محبت رکھتے ہیں۔ فرشتہ غائب ہو جاتا ہے اور اگلے دن دوبارہ حاضر ہو کر اطلاع دیتا ہے کہ آپ کا نام اس فہرست میں سرفہرست ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے صالحین کے ساتھ محبت کرنے والوں میں شامل کر لے۔ (آمین)

فقط

صاحبزادہ عبدالحنان جانباز

16/12/2010ء

10 محرم الحرام 1432ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احوال واقعی

از مرتب

ایک عرصے سے میرے دل میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ میں اپنے مرشد عالی قدر اور ذہبئ دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کے حالات قلم بند کروں اور ان کے حالات زندگی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جماعتی اور تصنیفی خدمات کو بھی احاطہ تحریر میں لانے کی سعی کروں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی اپنی شاہکار تاریخی' ادبی اور تحقیقی کتب کے باعث اردو ادب میں شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ انھیں تاریخی و تحقیقی موضوعات سے جنون کی حد تک عشق ہے اور جب سے انھوں نے تاریخ و تحقیق پر کام شروع کیا ہے ان کا یہ تخلیقی سفر سادگی، سلامت روی اور ثابت قدمی سے جاری ہے۔

تاریخ، تحقیق اور اردو ادب پر ان کے قلم کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں وہ ایک ادبی شاہکار بن جاتا ہے۔ اب تک ان کی جو تاریخی و سوانحی کتب منظر عام پر آئی ہیں انھوں نے قارئین کو بے حد متاثر کیا ہے۔ ان کی غیر معمولی ادبی و علمی صلاحیتوں کا عکس ان کی تحریروں میں نمایاں دکھائی دیتا ہے اور جس نے ایک بار ان کو پڑھا' پھر وہ ان کا مداح ہو گیا۔ اپریل 2007 کے وسط میں، میں نے محترم بھٹی صاحب پر لکھنا شروع کیا تو اس نے ایک ضخیم مسودے کا روپ دھار لیا۔ میں نے اس کتاب میں بھٹی صاحب کے جو حالات اور خدمات حوالہ قرطاس کی ہیں وہ سب محترم بھٹی صاحب کی تصنیفات سے اخذ کردہ ہیں اور میں نے بھٹی صاحب کے متعلق مختلف اہل قلم کے مضامین کو بھی کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس مسودے پر نظر ثانی بھی خود بھٹی صاحب نے کی ہے۔ اس اعتبار سے ان کی یہ ایک مستند سوانح عمری ہے۔ میری یہ کتاب سب سے پہلے اگست 2008 میں پندرہ روزہ ''ترجمان دہلی'' میں قسط وار شائع ہوئی۔ احباب کے پیہم

اصرار پر اسے کتابی صورت میں مزید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

میں شکرگزار ہوں محترم حافظ عبدالرحمٰن سلفی حفظہ اللہ امیر جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان، محترم مولانا محمد یوسف انور صاحب، محترم چودھری یلیین ظفر صاحب اور مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب کا کہ انھوں نے میری اس کتاب پر اپنے تاثرات لکھے۔ اور محترم ضیاء اللہ کھوکھر' مولانا محمد ادریس ہاشمی مرحوم، مولانا عبدالجبار سلفی مدیر صحیفہ اہل حدیث کراچی' مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی' محترم صوبے دار فضل مولیٰ' مولانا سلیم اعظم بلوچ شیخوپوری میاں طاہر اور ڈاکٹر غلام سرور شیخ نے کتاب کی ترتیب و تیاری میں ہر ممکن تعاون فرمایا اور مفید مشوروں سے نوازا نیز ہر آن میری حوصلہ افزائی کرتے رہے اور برادر عزیز محمد امین صاحب نے کمپیوٹر پر اس کتاب کی خوبصورت کمپوزنگ کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا حامی و ناصر ہو۔

برادر مکرم جناب مولانا عبدالحنان جانباز کا ممنونِ احسان ہوں کہ انھوں نے کمال محبت اور فراخ دلی سے پہلے میری کتاب ''عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں علمائے اہل حدیث کی مثالی خدمات'' کو شائع کیا اور اب اس کتاب کو اپنے ادارے جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ کی طرف سے شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالحنان صاحب کی دینی مساعی کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین

میں اپنی والدہ محترمہ کے لیے بھی دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و سلامتی عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر میرے سر پر سلامت رکھے۔ ان کی شفقت و تربیت، محبت اور دعائیں ہی میری علمی و تحریری کاوشوں کا حسن و نکھار ہیں۔

محمد رمضان یوسف سلفی

نمائندہ جماعت غربا اہل حدیث پاکستان

P216 گلی نمبر 4 سنورہ کالونی متصل نثار کالونی فیصل آباد 0333-6584453

یکم جنوری 2011ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی سرگزشت

میرا نام محمد رمضان ؒ والد کا نام محمد یوسف' دادا کا اسم گرامی منشی ہے۔

تاریخ ولادت 4 دسمبر 1967ء 2 رمضان المبارک 1387ھ فیصل آباد کے نواحی گاؤں پکی پنڈوری ہے چھے بہن بھائیوں میں میرا نمبر چوتھا ہے۔ میرے آباؤ اجداد ہندوستان کے ضلع ہوشیار پور کے گاؤں ''میانی پٹھانوں والی'' کے رہنے والے تھے۔ تقسیم ملک کے وقت والد صاحب خاندان کے ہمراہ پاکستان آ گئے اور فیصل آباد کے نواحی گاؤں چک نمبر 268 ر۔ب پکی پنڈوری میں رہائش پذیر ہوئے۔ والد صاحب نہایت شریف النفس اور صوفی منش انسان تھے۔ خدمت خلق اور انسانیت کی بھلائی میں ہمیشہ کوشاں رہے۔

1978ء میں ہم گاؤں سے نقل مکانی کر کے فیصل آباد آ گئے۔ یہاں آ کر 13 دسمبر 1979ء کو والد محترم ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ اس وقت میں اسکول میں پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس کے بعد جب میں نے ہائی سکول میں داخلہ لیا تو حالات بہت بدل چکے تھے۔ ایسے میں میں نے تعلیم چھوڑ دی اور نٹ بولٹ بنانے والے کارخانے میں ملازمت اختیار کر لی اور اٹھارہ سال ''سنت داؤدی'' پر عمل پیرا رہا۔ اس دوران تین سال ایک ہوزری میں اونی مفلر بھی بنائے۔ غم روزگار کی ان مصروفیات کے باوجود میں نے اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ دینی تعلیم کے حصول کے لئے گاؤں کی مسجد میں مولوی عماد الدین مرحوم سے قاعدہ یسرنا القرآن پڑھا تھا۔ فیصل آباد آ کر جامع مسجد محمدی اہل حدیث نثار کالونی میں محترم قاری منیر احمد سعید حفظہ اللہ سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ اس کے بعد مولانا حکیم ثناء اللہ ثاقب صاحب سے محمدی مسجد میں ہی ترجمۃ القرآن کے کچھ پارے پڑھے۔ اور نماز عشاء کے بعد مولانا حکیم ثناء اللہ صاحب کے درس حدیث میں ان سے ترتیب کے ساتھ صحیح بخاری شریف کی مکمل

سماعت کی۔ان دروس کا مجھے علمی وعملی طور پر ازحد فائدہ ہوا۔اس کے علاوہ مجھے مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ' مولانا عبدالرحمٰن سلفی امیر جماعت غرباء اہلحدیث پاکستان' مولانا عبدالجبار سلفی مدیر صحیفہ اہلحدیث کراچی' مولانا محمد ادریس ہاشمی' مولانا ارشاد الحق اثری' مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی' مولانا محمد اشرف سلیم' پروفیسر مسعود الرحمٰن نقیب' مولانا بشیر احمد انصاری' مدیر اعلیٰ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور اور رانا محمد شفیق خاں پسروری صاحب کی مجلسوں میں بیٹھ کر ان سے علمی استفادے کی سعادت حاصل ہوئی۔

زمانہ طالب علمی سے ہی مجھے دینی' علمی' ادبی اور تاریخی کتب پڑھنے کا شوق ہے۔جب ہمارے گھر میں ابھی بجلی کا میٹر نہیں لگا تھا تو اس وقت بھی میں لالٹین کی روشنی میں رات گئے تک کتب ورسائل پڑھا کرتا تھا۔ہمارے خاندان میں میرے بڑے ماموں مولوی محمد شریف رحمتہ اللہ علیہ (وفات 5 جنوری 2005ء) پہلے فرد تھے جنہوں نے مسلک اہل حدیث قبول کیا تھا۔انہوں نے دینی اعتبار سے میری بہت اچھی تربیت کی اور مجھے مسلک اہل حدیث سے آشنا کیا۔انہی کی مہربانی سے میں نے مشکوٰۃ شریف مترجم مکمل پڑھی اور دیگر ابتدائی کتب کا مطالعہ کیا۔

پھر میری والدہ محترمہ کی دعائیں بھی ہمیشہ شامل حال رہی ہیں۔انہوں نے میرے دینی ذوق' مطالعہ کتب کے شوق۔لکھنے پڑھنے اور کتابوں سے محبت کا ہمیشہ خیال رکھا بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر لمحہ میرے لئے دعائیں کیں۔

1988ء میں محمدی مسجد نثار کالونی میں ناظرہ قرآن کے سالانہ امتحان میں میں نے دوسری پوزیشن حاصل کی اور 96 فیصد نمبر حاصل کئے۔اس پر مجھے مسجد میں منعقدہ جلسہ عام میں مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوٰۃ الرسولؐ'' انعام میں دی گئی۔اس کتاب کے مطالعہ نے تو میرے دل کی دنیا بدل کے رکھ دی اور میرے مطالعہ کتب کے شوق کو جلا بخشی۔اس کے بعد استاد گرامی قاری احمد نواز صابر حفظہ اللہ نے راہنمائی فرمائی تو میں جماعتی رسائل رغبت سے پڑھنے لگا۔محقق اہل حدیث حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ اور ان کے رفیق مولانا عبدالحی انصاری حفظہ اللہ نے راقم پر بڑی شفقت فرمائی اور مجھے

ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد کی لائبریری سے مستفید ہونے کا بھرپور موقع دیا۔ اس عاجز پر ان بزرگوں کا یہ بہت بڑا احسان ہے اللہ ان کو اجر عظیم دے آمین۔ 13 مئی 1990ء کو میں نے پہلا مضمون رسالت مآب ﷺ کا عالم شباب" کے عنوان پر اہل حدیث یوتھ فورس قصور کی طرف سے منعقدہ مقابلے کے لئے لکھا اور گیارہویں پوزیشن حاصل کی۔ اس پر مجھے اعزازی سند اور کتابیں انعام کے طور پر ملیں۔ اب حوصلہ بڑھا تو میں نے باقاعدہ مضمون لکھنے شروع کئے۔ "فرضیت نماز اور نصیحت بے نمازاں" کے عنوان پر میں نے دوسرا مضمون لکھا جو صحیفہ اہل حدیث کراچی کی 4 مارچ 1991ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ یہ میرا پہلا مضمون تھا جو کسی رسالے میں شائع ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا اور ایک اندازے کے مطابق اب تک ڈیڑھ سو کے لگ بھگ مضامین لکھ چکا ہوں۔ ان میں چند ایک مضامین تو وہ ہیں جو اسلامی تعلیم و تربیت کے حوالے سے قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھے گئے اور دوسرے مضامین وہ ہیں جن کا تعلق اہل حدیث تاریخ اور شخصیات کے حالات وواقعات سے ہے۔

میرے چند مضامین کے عنوانات یہ ہیں۔

(1) سیرت ابراہیم کے چند پہلو۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت اور دعوت کو بیان کیا گیا' (2) مسئلہ داڑھی' (3) شان صدیق اکبرؓ ' (4) جمال مصطفیٰؐ' (5) سیرت النبیؐ کے چند پہلو' (6) اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی' (7) فضائل عشرہ ذی الحجہ (8) ماہ محرم اور مسلمان' (9) واقعہ معراج النبیؐ' (10) قرآن وحدیث اور فقہ حنفی' جعفری' اس میں فقہ اور قرآن وحدیث کا تقابل پیش کیا گیا ہے' (11) ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں۔ اس مضمون میں مسئلہ طلاق کو بیان کیا گیا ہے اور مروجہ حلالے کی مذمت کی گئی ہے۔' (12) چاہیئے رضا رحمان کی۔ اس مضمون میں صبر کی فضیلت اور اس سے متعلق احکام بیان کئے گئے ہیں' (13) لباس خضر میں راہزن۔ اس مضمون میں جادو وکہانت کی مذمت کی گئی ہے۔' (14) عورت کی ذمہ داریاں اور مثالی کردار' (15) دختر جدید اور پردہ' (16) پسر خلیل کی سیکھ ادا' (17) علماء اہل حدیث کے تبلیغی کارنامے' (18) قادیانیت کے خلاف اہل حدیث

کی اولیات' (19) تربیت اولاد اہم فریضہ' (20) سرمایہ ملت' (21) بارہ ربیع الاول اور مسلمان' (22) فضائل قرآن' (23) فضائل رمضان المبارک' (24) مسلم خواتین اور عید گاہ' (25) برصغیر میں فتنہ انکار حدیث اور اس کے علم بردار' (26) تم کو مدفن کا سماں یاد رہے' (27) ایک ہوں مسلم' (28) ذبیح اللہ کون تھے؟' (29) نماز میں خشوع وخضوع۔

ان مضامین کے علاوہ الحمد للہ اب تک میں 100 کے قریب اہل حدیث علماء کے حالات لکھ چکا ہوں اور میرے تمام مضامین جماعتی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن رسائل میں یہ مضامین شائع ہوئے ان رسائل کے نام یہ ہیں۔

صحیفہ اہل حدیث کراچی' ماہنامہ ترجمان السنہ لاہور' ہفت روزہ الاعتصام لاہور' ہفت روزہ اہلحدیث لاہور' ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور' ماہنامہ صدائے ہوش لاہور' ماہنامہ الاخوہ لاہور' ماہنامہ ترجمان الحدیث فیصل آباد' ماہنامہ دعوت اہلحدیث حیدر آباد' ماہنامہ تفہیم الاسلام احمد پور شرقیہ' پندرہ روزہ المنبر فیصل آباد' ماہنامہ صراط کراچی' روزنامہ پاکستان لاہور کراچی' ماہنامہ الحرمین جہلم' ماہنامہ علم و آگہی فیصل آباد' پندرہ روزہ ترجمان دہلی' ماہنامہ نوائے اسلام دہلی' ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم' ماہنامہ السراج جھنڈا نگر' ہفت روزہ حدیبیہ کراچی' خاتم النبیین ڈسکہ' روزنامہ ایکسپریس لاہور اور ماہنامہ نداء الاحسان لاہور'

علاوہ ازیں جماعت غرباء اہل حدیث کے آرگن پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث کراچی کی مجلس ادارت کا رکن ہوں اور صدائے ہوش لاہور کا عرصہ دراز سے اعزازی ایڈیٹر ہوں۔

تصانیف: اب تک میں نے درج ذیل کتب بھی تصنیف کی ہیں۔

- چار اللہ کے ولی = اس کتاب میں مولانا عبدالوہاب دہلوی' مولانا عبدالستار دہلوی' مولانا عبدالغفار سلفی دہلوی اور مولانا عبدالجلیل خاں جھنگوی کے حالات لکھے گئے ہیں صفحات 64 طبع جون 2004 مکتبہ ایوبیہ برنس روڈ کراچی۔

- مولانا عبدالوہاب دہلوی اور ان کا خاندان = اس کتاب میں مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کی اولاد سے 14 علماء کے حالات زندگی ان کی تبلیغی' تصنیفی اور تدریسی خدمات کو بیان کیا گیا ہے۔ پانچ سو صفحات کی یہ کتاب مکتبہ ایوبیہ محمدی مسجد کراچی نمبر 1 کی

طرف سے جنوری 2010ء میں شائع ہوئی۔

- عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں علمائے اہل حدیث کی مثالی خدمات۔طبع اول مئی 2010ء
- مولانا محمد اسحاق بھٹی' حیات وخدمات = یہ کتاب عصر حاضر کے عظیم مصنف اور مؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کے حالات' تصنیفی خدمات اور علمی کارناموں پر مشتمل ہے جو اس وقت قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔
- مولانا ثناء اللہ امرتسری = اس رسالے میں مولانا امرتسریؒ کے حالات اور کارنامے بیان کئے گئے ہیں۔(زیر طبع)
- سرگذشت علمائے اہل حدیث ۔ یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔(زیر ترتیب)
- مولانا محمد ادریس ہاشمی حیات وخدمات۔(زیر طبع)
- ڈاکٹر عبدالواحد نومسلم = ایک نومسلم کی داستانِ حیات (زیر طبع)
- تذکرہ علمائے جماعت غرباء اہل حدیث (زیر ترتیب)
- مسنون دعائیں۔ یہ کتاب وظائف واوراد پر مشتمل ہے۔(مسودہ غیر مطبوع)

ان کتب کے علاوہ ایک درجن کتب پر حرفے چند اور مقدمات بھی لکھ چکا ہوں۔

یہ ایک ہلکا سا عکس ہے میری تحریری کاوشوں کا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔

اولاد واحفاد۔ الحمد للہ شادی شدہ ہوں 2 اپریل 2000ء کو میری شادی ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے اولاد نرینہ اور زرینہ سے نوازا ہے۔

میرے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں الحمد للہ۔ بڑی بیٹی کا نام حرا ہے۔ ولادت 4 جنوری 2001ء بروز جمعرات۔ اس سے چھوٹے محمد ابوبکر سلفی ہیں۔ ولادت 7 جون 2004ء بروز سوموار۔ ان سے چھوٹی بیٹی طوبیٰ ہے۔ ولادت یکم جون 2006ء بروز جمعرات اور ان سے چھوٹا محمد عبداللہ سلفی ہیں۔ ولادت 23 جنوری 2008ء بروز بدھ۔(صلی اللہ علی النبی)

محمد رمضان یوسف سلفی

چیف ایڈیٹر صدائے ہوش لاہور

یکم دسمبر 2010ء

تاثرات

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ

مؤرخ عصر علامہ محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظہ اللہ وطال عمرہ واطال اللہ بقاءہ بالیمن والایمان والسلامۃ والاسلام عصر حاضر کی یگانہء روزگار و منفرد و ممتاز شخصیت ہیں۔ گزرے زمانے کی یادگار اور عصر حاضر کے قدیم وجدید کے ماہر و معیار ہیں۔ قدیم علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلاف کی روایات واقدار کے حامل ہیں۔ تو دوسری طرف جدید علوم پر گہری نظر اور اس کے تقاضوں کا ادراک اور اس سلسلے میں علی وجہ البصیرہ استفادہ وافادہ کا جوہر آپ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ البتہ جدیدیت اور ماڈرن ازم سے عملاً وسلوکاً دور تر ہیں۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت پر بہتوں نے لکھا ہے۔ خود آپ کی خود نوشت بھی ہے۔ بایں ہمہ اس بھرپور ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے کے لیے جرائد ومجلات کے اوراق ناکافی ہیں۔ فاضل مضمون نگار مولانا رمضان یوسف سلفی نے مؤرخ عصر کی تحریروں کی روشنی میں ان کی زندگی کے بعض گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور کمال فن کاری سے آپ کی شخصیت کے اہم پہلوؤں پر مختصر طور پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے شکریے کے ساتھ ادارہ جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ اسے شائع کر رہا ہے۔

اصغر علی امام مہدی السلفی
مدیر مسئول پندرہ روزہ ''ترجمان دہلی''
وناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث بھارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات تبریک

جناب مولانا حافظ عبدالرحمٰن سلفی حفظہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی ہماری جماعت کے مشہور اور معروف لکھنے والے ہیں۔
انھوں نے کوئی دو عشرے پہلے ''صحیفہ اہل حدیث'' کراچی سے اپنے تحریری و تصنیفی سفر کی ابتدا کی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس میدان میں بہت آگے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تحریر و تصنیف کی صلاحیتوں سے خوب نوازا ہے۔ ان کے علمی، ادبی اور اصلاحی مضامین پاک و ہند کے رسائل و جرائد میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں جو قارئین کے مطالعہ میں آتے رہتے ہیں۔ رمضان یوسف صاحب کی تحریر میں پختگی، شگفتگی، سلاست اور معلومات کی فراوانی کے ساتھ ساتھ عقیدے کی اصلاح اور اردو زبان و ادب کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث اور علمائے اہل حدیث کے حالات و واقعات کو اجاگر کرنا ان کا خاص موضوع ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی اہل حدیث شخصیات کے بارے میں ان کی معلومات اور مطالعہ بہت وسیع ہے۔ اس سلسلے میں اہل حدیث علماء پر ان کے معلوماتی اور تاریخی مضامین بالعموم ''صحیفہ اہل حدیث'' کراچی اور دیگر جماعتی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ بہت اچھے سوانح نگار ہیں اور جماعت غربا اہل حدیث کے بہترین لکھنے والوں میں سے ہیں۔ جماعت سے ان کی وابستگی اور محبت قابل تعریف ہے۔ انھوں نے اپنی تحریری صلاحیتوں کو جماعت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ چند سال پہلے انھوں نے جماعت غرباء اہل حدیث کے اکابرین کے حالات نہایت محنت سے قلم بند کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس ضمن میں جون 2004ء میں ان کی ایک کتاب ''اللہ کے چار ولی'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں جماعت غرباء اہل حدیث کے بانی مولانا عبدالوہاب

دہلویؒ اور دیگر تین اکابر کے حالات زندگی اور خدمات کو بیان کیا گیا ہے۔ حال ہی میں انھوں نے ایک کتاب "مولانا عبدالوہاب دہلوی اور ان کا خاندان" کے نام سے تصنیف کی ہے جو مکتبہ ایوبیہ کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

اور اب مولانا رمضان یوسف سلفی صاحب نے جماعت اہل حدیث کی ایک عظیم بزرگ شخصیت، نامور مصنف وادیب ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے سابق ایڈیٹر اور مولانا سید محمد داود غزنویؒ کے دست راست، مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کے حالات و واقعات، ان کی سیاسی، جماعتی اور تصنیفی خدمات پر مستقل کتاب لکھ دی ہے اور نہایت قرینے اور سلیقے سے بھٹی صاحب کے حالات وخدمات کو اجاگر کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مولانا اسحاق بھٹی صاحب کی حیات وخدمات کا خوبصورت نقش ابھر کر سامنے آتا ہے۔ یہ کتاب جماعتی تاریخ میں ایک نادر اضافہ ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ یہ کتاب علمی وادبی اور جماعتی حلقوں میں ذوق وشوق سے پڑھی جائے گی۔

رمضان یوسف ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے جماعت اہل حدیث کی ایک نامور شخصیت سے متعارف ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ رمضان یوسف سلفی سے اپنے دین کی خدمت کا کام لیتا رہے اور ان کے لیے مزید یہ کہ...

اوصیہ بتقوی اللہ والسمع والطاعة ماستطاع و ان لا یخاف فی اللہ لومة لائم و ان یقول الحق ولو کان مرا و ان یلزم الجماعة۔

اخوہ

(مولانا) عبدالرحمٰن سلفی

(امیر جماعت غربا اہل حدیث پاکستان)

5 ذی الحجہ 1429ھ

4 دسمبر 2008 جمعرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعت اہل حدیث کی مجسم تاریخ!

تحریر جناب مولانا محمد یوسف انور صاحب حفظہ اللہ

اوائل اپریل 1955ء میں دھوبی گھاٹ فیصل آباد کے میدان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کی تیسری سالانہ کانفرنس حضرت مولانا محمد اسماعیل غزنوی کی صدارت میں منعقد ہو رہی تھی۔ راقم میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہو چکا تھا اور یہ امتحانات کے بعد چھٹیوں کے دن تھے۔ مولانا سید داؤد غزنوی علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ کانفرنس سے ایک روز قبل تشریف لے آتے اور مختلف شعبوں کا بغور جائزہ لے کر اصلاح بھی فرماتے۔ چنانچہ جمعرات کے روز عصر کے بعد جب مولانا غزنوی پنڈال میں تشریف لائے تو ان کے ہمراہ ایڈیٹر الاعتصام' مولانا محمد اسحاق بھٹی بھی تھے۔ پنڈال کمیٹی نے ان کا استقبال کیا۔ میں بھی اپنے والد حاجی عبدالرحمٰن پٹوی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ پنڈال میں موجود تھا۔ مولانا غزنوی صاحب کی تو میں قبل ازیں تین چار مرتبہ زیارت کر چکا تھا' لیکن بھٹی صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھنے اور ملنے کا موقع ملا جوان رعنا' سر پر سیاہ قراقلی ٹوپی' داڑھی کے ساتھ بڑی بڑی مونچھیں' سفید کرتا پاجامہ کے اوپر سیاہ واسکٹ میں ملبوس ان کی بانکی شخصیت انتہائی متاثر کن نظر آئی۔ یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جب آتش جوان تھی مگر برسوں سے بھٹی صاحب کی درویشی اور عجز و انکساری کے ساتھ سادہ طرز زندگی کو دیکھ کر ہمیں تو آج کل بڑا رشک آتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس زہد و تقویٰ اور اعمال صالح میں مزید اضافہ فرمائے۔ کانفرنس کے آخری روز اتوار کی صبح جامعہ سلفیہ کی سنگ بنیاد کی تقریب تک ان سے ایک دو مزید ملاقاتیں ہوگئیں جو آئندہ زندگی میں میل جول کے سلسلہ کا آغاز ثابت ہوئیں آخر آہستہ آہستہ باہمی دوستی و محبت اور دینی و مسلکی اخوت میں تبدیل ہوگئیں۔

میرا اگرچہ طالب علمی اور لڑکپن کا دور تھا لیکن والد صاحب کی جماعتی سرگرمیوں

کے اثرات شروع دن سے ہی مجھ پر بھی رہے۔ للہیت اور ہر دلعزیزی کے باعث علماء ان کی بڑی قدر کرتے' وہ بھی علماء و صلحاء کی خدمت کر کے عجب فرحت سے سرشار رہتے' والدہ مرحومہ نے بھی ان حضرات کی مہمان نوازی میں اپنے نیک خاوند کا پورا پورا ساتھ دیا۔

رب ارحمهما كما ربياني صغيرا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب سے میرے دوستانہ مراسم 55 سال سے قائم ہیں 1965ء میں وہ الاعتصام کی ادارت چھوڑ کر ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے تھے اور بالآخر انہوں نے جماعتی معاملات سے الگ ہو کر گوشہ تنہائی کو اختیار کر لیا تھا لیکن وہ جہاں بھی تھے ہمارے ساتھ ان کی کشادہ ظرفی اور دوست نوازی کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ بھٹی صاحب بلا شبہ اپنی ذات میں ایک ادارہ اور انجمن کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا سینہ بے بہا یادوں کا خزینہ ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تو وہ ایک مجسم تاریخ ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے کئی جلدوں پر محیط ''فقہائے ہند'' عظیم علمی شاہکار ہے۔ نقوش عظمت رفتہ' بزم ارجمنداں' کاروان سلف' سیرت و سوانح مولانا صوفی محمد عبداللہ' حالات زندگی میاں فضل حق' قصوری خاندان اور ہفت اقلیم جیسی تصانیف ہمارے نامور اسلاف کی عظمتوں کے شکوہ وجلال اور علم و عمل کے کمال واحوال کا ایسا مجموعہ ہے کہ جن کا شگفتہ اسلوب اور دل آویز نگارشات سے قارئین خوب استفادہ کر رہے ہیں۔ ان تاریخی اور علمی کتب کے مصنف جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے سوانح حیات کو قلم بند کرنے کی سعادت ہمارے عزیز دوست رمضان یوسف سلفی کو حاصل ہو رہی ہے جو اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود بڑی تندہی سے اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ بھٹی صاحب کی زندگی کے درخشاں پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں لے آئے ہیں جن سے خواندگان محترم یقیناً محظوظ و مستفید ہوں گے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگ دوست محترم ومکرم مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو صحت و عافیت والی لمبی زندگی عطا فرمائے تا کہ وہ قلم و قرطاس کا سلسلہ جاری رکھیں اور ہم ان کی علمی وفکری اور تاریخی داستانوں سے فیض یاب ہوتے رہیں بقول کسے

داستانیں لکھ کے رکھ لو چند عنوانوں کے ساتھ
پھر یہ باتیں ختم ہو جائیں گی دیوانوں کے ساتھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ سپاس

مولانا بشیر احمد انصاری مدیر اعلیٰ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور

ہمارے فاضل دوست مولانا محمد رمضان یوسف سلفی' اہل حدیث کے ممتاز اہل قلم' سنجیدہ فکر صحافی' صاحب مطالعہ' اچھے مقالہ نویس اور معروف شخصیت نگار ہیں۔ ایک عرصہ سے ان کے مضامین ملک اور بیرون ملک' مؤثر رسائل و جرائد کی زینت بن رہے ہیں۔ وہ ماہنامہ "صدائے ہوش" لاہور کے مدیر اور پندرہ روزہ "صحیفہ اہل حدیث" کی مجلس ادارت کے رکن ہیں۔ انہوں نے بڑے کٹھن اور مشکل حالات میں تحصیل علم کی منزلیں طے کی ہیں۔ اور اب غم روزگار کے ساتھ ساتھ پرورش لوح وقلم کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

یہی بات ہے کہ وہ اہل علم اور بزرگوں سے رابطہ کے لئے قلم کے ساتھ ساتھ قدم سے بھی کام لینے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔ اس طرح ان کا دائرہ دوست احباب خاصا وسیع ہے۔ مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قصوری خاندان کے شروع سادہ صفحے پر لکھا ہے کہ عزیز القدر مولانا محمد رمضان یوسف سلفی کا شوق مطالعہ' اسلوب نگارش اور بزرگان دین سے پُر خلوص تعلق ان کے وہ اوصاف ہیں جو ان کے بہتر مستقبل کے آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح نامور محقق اور اہل قلم جناب مولانا محمد خالد سیف نے' مولانا محمد رمضان یوسف سلفی کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کے لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے۔ بلکہ سچ پوچھیے تو آپ کے انداز تحریر میں مولانا محمد اسحاق بھٹی کے اسلوب نگارش کی جھلک پائی جاتی ہے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ موصوف کے اسلوب تحریر میں خوبصورتی' سلاست' پختگی اور جاذبیت موجود ہے۔ اس میں ادب کی چاشنی بھی ہے۔ انہیں شخصیات پر لکھنے کا طریقہ اور اس کے لئے مناسب الفاظ کے انتخاب کا سلیقہ بھی آتا ہے۔ سوانح و شخصیات ان کا خاص اور پسندیدہ موضوع ہے۔ بلا شبہ اسلاف کے حالات' ان کی خدمات جلیلہ' مساعی جمیلہ اور کارہائے نمایاں کے تذکرہ سے اخلاف کے فکر و عمل میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ علم و قلم کی صلاحیتوں کو اسلاف کی خدمات اجاگر کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔ اور وہ عصر حاضر میں تصنیف و تالیف کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

حرفِ چند

پروفیسر محمد یٰسین ظفر مدیر التعلیم جامعہ سلفیہ فیصل آباد

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلاة والسلام علی سید المرسلین وبعد:

تاریخ نویسی ہو یا سیرت نگاری یہ ایک مشکل ترین عمل ہے۔اس کے لیے امانت و دیانت اور صداقت کا ہونا از بس ضروری ہے۔مؤرخ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تعصب، حسد، بغض سے کوسوں دور ہو۔تمام حالات کو حقیقت کی نظر سے دیکھنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہو۔ذہین و فطین ہو، اپنے حافظے پر کامل یقین اور اعتماد ہو۔حالات وواقعات کو حوالہ قرطاس کرتے وقت تمام کرداروں کا صحیح تذکرہ کیا گیا ہو۔اس لیے کہ تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے کہ جس کے ذریعے انسان اپنا ماضی دیکھ سکتا ہے۔

اور ہر صاحب شعور مستقبل کی منصوبہ بندی کے لیے تاریخ سے سبق حاصل کرتا ہے۔ یوں تو صدیوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے لیکن ماضی قریب اور موجودہ دور میں جن صاحب فضل وکمال اور مؤرخ نے نام کمایا اور مایہ ناز اور مستند تاریخی کتب تصنیف کیں ان میں لائق صد احترام مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کا نام ہے۔آپ ممتاز عالم دین، بہترین ادیب، ذمہ دار صحافی، دیانت دار مؤرخ، بے نظیر نثر نگار، لاجواب خاکہ نویس اور مثالی داستان گو ہیں۔آپ کے قلم میں کمال روانی ہے۔حالات وواقعات کا تذکرہ کرتے وقت جس خوب صورت پیرائے میں وہاں کی منظر کشی کرتے ہیں، یہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔ان کی تحریروں کو پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ ان گلیوں بازاروں میں گھوم رہا ہے، یا ان کھیتوں کھلیانوں کی سیر کر رہا ہے اور ان مجلسوں اور پاک باز ہستیوں کی محبت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ انتہائی سادہ مگر پروقار شخصیت کے مالک ہیں۔ سنجیدگی اور متانت آپ کے چہرے سے عیاں ہے۔ دکھاوے اور ریاکاری سے آپ کو شدید نفرت ہے۔ عاجزی وانکساری کے پیکر ہیں۔ دوستوں کے دوست ہیں، بے تکلفی سے گفتگو کرتے ہیں، حاضر جواب ہیں، وسیع حلقہ احباب رکھتے ہیں، سب کی بے پناہ قدر کرتے ہیں۔ سبھی یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے زیادہ ان ہی سے محبت کرتے ہیں، بہت مہربان اور مشفق ہیں۔

نوجوانوں سے بڑی محبت کرتے ہیں، ان کے کام کی دل کھول کر داد دیتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اکابر کا تذکرہ کرتے ہوئے ان پر خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بڑے ادب سے ان کا نام لیتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے۔

مولانا بھٹی صاحب نے جن علمائے کرام اور اساتذہ کرام سے استفادہ کیا، آپ میں ان کا عکس نظر آتا ہے۔ اساتذہ کرام کی بلندی اور خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو جہاں علم سے آراستہ کریں وہاں ان میں عملی خوبیاں بھی پیدا کریں اور ایک لائق اور فرمانبردار شاگرد کی پہچان یہ ہے کہ اس میں استاد کی جھلک نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹی صاحب میں جہاں تواضع، حلم، بردباری اور سادگی نظر آتی ہے وہاں وہ علم کی پختگی، معرفت الٰہی، زہد و تقویٰ، امانت و دیانت ایسے اوصاف حمیدہ سے بھی متصف نظر آتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کی شخصیت کا مکمل احاطہ ان سطور میں ممکن نہیں ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسی نابغہ روزگار شخصیت کا مکمل تعارف کرایا جائے۔ ان کی خوبیوں اور کمالات کو یکجا کیا جائے۔ ان کی خدمات جلیلہ کا تفصیل سے تذکرہ مرتب کیا جائے۔ ان کے اسلوب نگارش پر سیر حاصل بحث کی جائے اور آنے والی نسلوں کے لیے اسے محفوظ کر دیا جائے۔ یہ کام محنت طلب بھی ہے اور کار خیر بھی۔

اللہ کا شکر ہے کہ برادر مکرم مولانا محمد رمضان یوسف سلفی نے اس اہم ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا، بلکہ یہ عظیم الشان کام سرانجام بھی دے دیا اور بھٹی صاحب کی سوانح حیات کا نہایت دلنشیں انداز میں تذکرہ مرتب کر دیا، جس سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں۔

مولانا رمضان سلفی صاحب علمی، دینی اور تعلیمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ تحریر و نگارش کا انہوں نے عمدہ ذوق پایا ہے۔ تقریباً تمام قابل ذکر علمی مجلات میں آپ کے مضامین زینت قرطاس ہوتے ہیں۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے بارے میں ان کی کاوش اور محنت لائق تحسین ہے۔ ان کا نہایت عمدہ اور پروقار تعارف کرایا ہے۔ اس پر ہم ان کے شکر گزار بھی ہیں اور دعا گو بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور اس تذکرے کو بھٹی صاحب کے حق میں بطور سچی شہادت قبول فرماتے ہوئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ اور ہم سب کو علمائے حق کی قدر کرنے اور باہمی محبت و الفت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی توفیق دے۔ آمین

محمد یٰسین ظفر
پرنسپل جامعہ سلفیہ فیصل آباد
10 جنوری 2009ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الشکر

اللہ تعالیٰ ایمان وصحت سے مزین لمبی زندگی عطا فرمائے۔ نامور کالم نویس، معروف قلمکار، مؤرخ جماعت غرباء اہل حدیث، برادر عزیز محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ تعالیٰ کو۔ کہ ان کے قلم گوہر بار سے اہل حدیث قارئین مختلف جماعتی رسائل وجرائد میں اکابرین اہل حدیث کی زندگی کے مختلف گوشوں سے روشناس ہوتے رہتے ہیں۔ اب کہ وہ بالکل ایک اچھوتے انداز میں قارئین کیہجوم کو رونق بخشتے ہیں کہ جماعت اہل حدیث کی علمی وعملی اور عظیم محسن شخصیت کی خدمت اقدس میں محبت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے حق دوستی ادا کرتے ہیں۔

کون ہیں وہ.....................؟؟

- محسن اہل حدیث .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- ذہبی دوراں .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- مؤرخ اہل حدیث .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- اکابرین اہل حدیث کے حسن کردار کا پرتو .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- مفسر، مترجم، محشی، مورخ، مصنف، ادیب .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے بانی رکن .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- پاکستان میں اسلامی صحافت کی آبرو .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- اک جہاں جن سے مستنیر .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- اک غیرت مند اہل حدیث .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- بڑوں کے لیے سراپا ادب واحترام .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- چھوٹوں کے لیے مجسمہ شفقت .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- دوستوں کی خوشیوں کی زینت .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- احباب کے غم میں برابر کے شریک .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ
- یاراں دا یار .... علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ

علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کی خدمت میں ہدیہ سلام

اور سلفی صاحب کا تمام "متاثرین" علامہ محمد اسحاق بھٹی کی جانب سے "شکریہ"

از قلم

فاروق الرحمن یزدانی جامعہ سلفیہ فیصل آباد 08-12-2010

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذہبیِ دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹی

حیات و خدمات

مولانا محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر اہل قلم میں سے ہیں۔ انھوں نے تصنیف و تالیف، تاریخ، صحافت اور شخصی خاکہ نگاری میں نام پیدا کیا اور شہرت دوام حاصل کی ہے۔ وہ بلاشرکت غیر عصر حاضر کے عظیم مؤرخ، بلند پایہ مصنف اور خاکہ نویس ہیں۔ 58 سال سے اپنے قلم سے دین اسلام اور اردو زبان و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ مختلف موضوعات پر ان کی کئی دینی، علمی، تاریخی اور سیر و سوانح پر کتب زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آ کر لوگوں سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

شخصیت نگاری بھٹی صاحب کا من پسند موضوع ہے۔ اس پر ان کے گوہر بار قلم نے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ بھٹی صاحب کی تصنیفی خدمات کا دائرہ دور تک پھیلا نظر آتا ہے، جس خوب صورت اور دل کش پیرائے میں انھوں نے مقتدر شخصیات کے ''شخصی خاکے'' تحریر کیے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے انھیں اس فن کا امام کہہ سکتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں حد درجے کی شگفتگی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ ان کا اسلوب نگارش دل نشیں ہے۔ ان کے لکھے ہوئے سوانحی خاکے پڑھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ شخصیات میدان زندگی میں متحرک اور سرگرم عمل ہیں اور ہم ان سے ہم کلام ہیں۔ عظیم ادیب و مصنف محترم مشفق خواجہ (وفات 20 فروری 2005ء) کے الفاظ میں ''شخصیات پر لکھنے والا آپ سے بہتر اس وقت کوئی نہیں ہے۔ آپ لکھتے نہیں، کار مسیحائی فرماتے ہیں۔ جسے مُردوں کو چلتے پھرتے دیکھنا ہو وہ آپ کے مضامین پڑھ لے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ نے کیسی کیسی منتخب روزگار شخصیات کو دیکھا، وہ لوگ بھی کچھ کم خوش نصیب نہیں جو آپ کے توسط سے یعنی آپ کے مضامین پڑھ کر ان شخصیات کو قریب سے دیکھتے ہیں۔ میں بھی ایسے خوش نصیبوں میں شامل ہوں۔''

بلاشبہ اللہ رب العزت نے بھٹی صاحب کو علم و فضل اور عمل و کردار کی بہت سی خوبیوں سے مالا مال کیا ہے۔ ان کا علم پختہ اور حافظہ قوی ہے۔ جو بات پڑھ لی یا کسی سے سن لی وہ ان کے حافظے کی گرفت میں مضبوطی سے آ گئی۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں لوگوں اور جماعتی تاریخ کے بے شمار واقعات ان کی لوحِ ذہن پر نقش ہیں۔ جب وہ ان واقعات کو اپنی تحریروں میں مناسب مواقع پر درج کرتے ہیں تو قاری ان کو پڑھ کر بے اختیار داد دینے لگتا ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ اخلاق و عادات، محبت و خلوص، انسان دوستی، ملنساری، مہمان نوازی، سادگی اور مروت میں مثالی شخصیت ہیں۔ بہت ہی پیارے انسان ہیں۔ ان کی خوش طبعی، بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور باغ و بہار شخصیت دوسرے کو متاثر کرتی ہے۔ ان کی دلآویز شخصیت کا یہی رنگ ان کی تحریروں میں بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

بھٹی صاحب میرے مشفق و مہربان بزرگ دوست ہیں۔ میں ان سے لوجہ اللہ مخلصانہ محبت رکھتا ہوں اور وہ بھی مجھ پر حد درجہ شفقت فرماتے ہیں۔ گزشتہ بیس سال سے میں ان کی تحریریں پڑھتا آ رہا ہوں اور اسی وقت سے ان سے عقیدت کا رشتہ قائم ہے۔ ان کی خدمت عالیہ میں پہلی بار سلام عرض کرنے کی سعادت 23 مارچ 1993ء (29 رمضان المبارک 1414ھ) کو جماعت اہل حدیث کے عظیم عالم دین مولانا محمد اسحاق چیمہ مرحوم کی نماز جنازہ کے موقع پر ہوئی تھی۔ نماز جنازہ سے پہلے انھوں نے اپنے مختصر خطاب میں چیمہ مرحوم سے متعلق فرمایا: ”وہ جماعت کی ایک تاریخ تھی، نہ رہی، وہ جماعت کا روشن دماغ تھے، نہ رہے۔“ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد میں نے بھٹی صاحب کو تلاش کیا تو وہ ڈی گراؤنڈ (پیپلز کالونی فیصل آباد) میں ایک طرف گم صم کھڑے تھے۔ درمیانہ قد، اکہرا بدن، اعتدال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی داڑھی، ذہانت کی غماز روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی، چمکتے دانت، صاف ستھرا لباس زیب تن، پاؤں میں بند جوتا، ہاتھ میں کالے رنگ کا بیگ۔ میں نے محبت و عقیدت سے آگے بڑھ کر ان کو سلام کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ انھوں نے خلوص و محبت سے میرے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کیا۔ میں نے ان

سے پوچھا کہ فلاں عربی کتاب کا ترجمہ آپ نے کیا ہے، تو انھوں نے اثبات میں اس کا جواب دیا۔ چند منٹ ان سے گفتگو ہوئی اور پھر میں اجازت لے کر چلا آیا۔ یہ بھٹی صاحب سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اس ملاقات کا تاثر اب تک قلب وذہن کو شاد کیے ہوئے ہے۔

31 اکتوبر 1995ء کو میں اپنے دوستوں کے ہمراہ جماعت غرباء اہل حدیث پنجاب کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کے لیے مولانا محمد ادریس ہاشمی صاحب کی دعوت پر لاہور گیا۔ شام کو نماز مغرب کے بعد ہم مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے ہاں ان کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ وہ بڑے تپاک سے ملے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ان سے خوب مجلس رہی۔ اس دوران چائے کا دور بھی چلا۔ جب ہم ان سے اجازت لے کر باہر آئے تو میرے دوستوں میں حکیم ثناء اللہ ثاقب صاحب (خطیب جامع مسجد اقصیٰ اہل حدیث نثار کالونی فیصل آباد) عصمت اللہ چیمہ، صاحب زادہ بلال سبحانی اور پروفیسر مسعود الرحمٰن نقیب صاحب نے ایک ہاتھ سے ان سے مصافحہ کیا، جب کہ میں نے عقیدت سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور ان کے دائیں ہاتھ پر بوسہ دیا۔ ازراہ کرم انھوں نے بھی مجھ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد بھٹی صاحب سے ملاقاتوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا جو اللہ کے فضل سے اب تک جاری ہے۔ میں جب لاہور جاتا ہوں ان کے ''آستانہ عالیہ'' پر حاضری کو سعادت سمجھتا ہوں۔ بھٹی صاحب جب بھی فیصل آباد تشریف لاتے ہیں تو مجھے ملاقات کا شرف بخشتے ہیں اور میری غمی خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھٹی صاحب سے چند یادگار ملاقاتوں کا تذکرہ کر دیا جائے۔

بھٹی صاحب سے چند یادگار ملاقاتیں

✿ مولانا محمد اسحاق بھٹی خوش طبع اور شگفتہ مزاج عالم دین ہیں، جس مجلس میں بیٹھ جائیں اپنی شیرینی گفتار سے علمی نکات اور لطیفہ گوئی سے محفل کو کشت زعفران بنا دیتے ہیں۔ وہ بات سے بات نکالنے اور اپنی ذہانت و برجستہ گوئی سے دوسروں کو محظوظ و متاثر کرتے ہیں۔ مجھے ان کی بیسیوں مجالس میں بیٹھ کر ان کی دلچسپ اور معلوماتی گفتگو سننے کا موقع ملا۔ 18 جون 1998ء کی شام میں لاہور پہنچ کر مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور گیا۔

مکتبہ قدوسیہ کے مالک جناب عمر فاروق قدوسی صاحب سے میرے دیرینہ دوستانہ مراسم قائم ہیں۔ لاہور جاؤں تو ان کے مکتبے پر حاضری ضرور دیتا ہوں۔ جب میں مکتبے پر پہنچا تو مولانا اسحاق بھٹی صاحب تشریف فرما تھے۔ محبت سے ملے اور دوستوں کا حال احوال پوچھا۔ پھر پوچھنے لگے چودھری علی ارشد۔ساحب کی رہائش فیصل آباد کے علاقے اقصیٰ ٹاؤن میں ہے۔ یہ کالونی کس طرف ہے؟ ان دنوں میری علی ارشد صاحب سے ملاقات نہ تھی اور نہ میں ان کی رہائش کے متعلق جانتا تھا۔ عرض کیا: یہ کوئی نئی کالونی ہوگی اور شہر سے بہت دور ہوگی۔ میری یہ بات سن کر بھٹی صاحب نے برجستہ کہا: چاہے مسجد اقصیٰ ہو یا کالونی یہ دور ہی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے وہ آیت بھی پڑھ دی جس میں واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے مسجد اقصیٰ کا تذکرہ ہے۔ بھٹی صاحب کی اس بات نے دوستوں کو خوب محظوظ کیا۔

✿ اکتوبر 1998ء میں بھٹی صاحب فیصل آباد تشریف لائے۔ ہمارے ایک بڑے پیارے دوست ہیں شاہد حسین۔ وہ بھی بھٹی صاحب کے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ انھوں نے بھٹی صاحب، علی ارشد صاحب اور مجھے رات کو کھانے پر بلایا۔ رات کو ہم ان کے ہاں پہنچے۔ ان کی لائبریری میں خوب مجلس جمی۔ دوران گفتگو میں میری طرف اشارہ کر کے بھٹی صاحب نے کہا: رمضان اسلام کا پانچواں رکن ہے، اس کے بغیر گزارا نہیں اور نہ بخشش ہوگی۔ ان کی اس بات نے محفل کو کشت زعفران بنادیا۔

✿ مولانا اسحاق بھٹی صاحب میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہیں، وہیں وہ بہت بڑے مہمان نواز بھی ہیں۔ ان سے ملنے والوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ جو بھی ان سے ملنے ان کے گھر گیا وہ بڑھ چڑھ کر اس کی مہمان نوازی کرتے اور اسے کھلا پلا کر خوش ہوتے ہیں۔ مجھے کئی بار اس کا مشاہدہ ہوا۔ 17 ستمبر 1998 کو میں لاہور گیا اور مولانا محمد ادریس ہاشمی صاحب سے ملا۔ وہ فرمانے لگے: ”مکتبہ قدوسیہ پر بھٹی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کا آپ کے نام پیغام ہے کہ لاہور آئیں تو کھانا ان کے ہاں کھائیں۔“ چنانچہ اگلے روز 18 ستمبر کی شام کو میں مولانا ادریس ہاشمی صاحب کے ہمراہ بھٹی صاحب کے دولت خانے پر حاضر ہوا۔ تین ساڑھے تین گھنٹے ان سے مجلس رہی۔ سیاست، ادب، تاریخ اور جماعتی حوالے سے خوب گفتگو ہوئی اور انھوں نے فقط ہم دو بندوں کے لیے پرتکلف ضیافت کا

اہتمام کیا اور انواع واقسام کے کھانوں سے مہمان نوازی کی۔ یہ ان کے حسن اخلاق اور مہمان نواز ہونے کی تابندہ مثال ہے۔

✿ مولانا اسحاق بھٹی صاحب سے میرے نہایت دوستانہ مراسم قائم ہیں اور بے تکلفی بھی۔ 6/اپریل 1999ء کو رات گیارہ بجے کا عمل ہوگا، میں اپنی لائبریری میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ باہر نکل کر دیکھا تو چار حضرات سامنے کھڑے تھے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، چودھری علی ارشد، شاہد حسین اور علی ارشد مرحوم کے ایک دوست۔ ان کی آمد پر نہایت مسرت ہوئی۔ بیٹھک میں ان کو بٹھایا، خیر وعافیت پوچھی، پھر بھاگم بھاگ محلے کے دکان دار کے ہاں پہنچا۔ اس کو نیند سے جگا کر ٹھنڈے مشروب کی بوتلیں لایا اور ان مہمانوں کی خدمت میں پیش کیں۔ رات ایک بجے تک خوب مجلس جمی۔ سارے دوست صاحب علم اور ایک سے بڑھ کر ایک لطیفہ گو اور بذلہ سنج۔ بھٹی صاحب اس مجلس کے "میر مجلس" تھے۔

✿ 31/اکتوبر 1999ء کو رات نو بجے کا وقت ہوگا کہ چودھری علی ارشد صاحب کا فون آیا کہ لاہور سے بھٹی صاحب تشریف لائے ہیں اور وہ یاد فرما رہے ہیں۔ ارشد صاحب کی بات سن کر دل وفور مسرت سے جھوم اٹھا۔ میرے پاس سہراب کی نئی سائیکل تھی، میں اسی وقت نکلا۔ میرا گھر فیصل آباد کے جنوب میں سنورہ کالونی میں ہے اور علی ارشد صاحب فیصل آباد کے شمال میں اقصیٰ ٹاؤن میں رہتے ہیں۔ لہٰذا میں سترہ اٹھارہ کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے پون گھنٹے میں علی ارشد صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔ بھٹی صاحب ملتے ہی کہنے لگے: "رمضان سلفی ساڈا پکا یار اے اپنی دوروں آ گیا اے۔" اس کے بعد ایک بجے تک محفل رہی۔ دوران گفتگو بہت سے موضوعات زیر بحث آئے اور بہت سی شخصیات کا تذکرہ ہوا۔ ان کی تحریر ونگارش کی بات چلی تو فرمانے لگے: 1945ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ میں فیروز پور گیا۔ وہاں دلی دروازے میں ایک اخبار فروش کی دکان تھی، وہاں میں نے "بیسویں صدی" رسالہ دیکھا، اس کی قیمت چار آنے تھی۔ میں نے وہ رسالہ خرید لیا۔ اس رسالے کے ایڈیٹر خوشتر گرامی تھے اور رسالے کا دفتر لاہور میں شب بھر والی مسجد کے قریب شاہ عالمی گیٹ کے باہر سرکلر روڈ پر تھا۔ بھٹی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس

رسالے میں افسانے پڑھے اور پھر ذہن میں جتنے الفاظ تھے ان کو جمع کر کے ایک افسانہ ''ندی کنارے'' لکھا اور خوشتر گرامی کو بھجوا دیا۔ چند روز کے بعد ان کی طرف سے خط آیا کہ الفاظ تو بہت جمع کر دیے ہیں لیکن ابھی مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بھٹی صاحب کہنے لگے اب میں نے مزید مطالعہ کیا اور بہت محنت سے ایک اور افسانہ ''بلندیوں پر'' لکھا اور خوشتر گرامی کو بھیجا۔ انھوں نے الفاظ کے ردو بدل اور تصحیح کر کے اسے ''بیسویں صدی'' میں شائع کر دیا۔ یہ میری پہلی تحریر تھی جو شائع ہوئی۔ اس کے بعد میں نے افسانہ نہیں پڑھا۔ تاریخی ناول پڑھنے بھی چھوڑ دیے کہ ان میں اصل تاریخی حقائق کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

✿ فیصل آباد میں بھٹی صاحب کے بہت سے پرانے دوست رہتے تھے لیکن ان میں سے اکثر سفر آخرت پر روانہ ہو چکے ہیں۔ ان میں مولانا عبداللہ شیخ الحدیث جھال والے، مولانا اسحاق چیمہ، مولانا محمد صدیق، مولانا عبیداللہ احرار اور مولانا عبدالواحد رحمتہ اللہ علیہم کے نام لائق تذکرہ ہیں۔ لاہور میں بھی ان کے پرانے دور کے دوست اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ بھٹی صاحب جب فیصل آباد آتے ہیں تو اپنے ان دوستوں کا تذکرہ بڑی محبت سے کرتے ہیں اور ان کے واقعات پیار غم میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں سناتے ہیں۔

1999ء کے نومبر کی بات ہے کہ بھٹی صاحب فیصل آباد تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں میں نے جماعت مجاہدین کے پرانے بزرگ اور حضرت صوفی عبداللہؒ کے خادم خاص مولانا محمد دین مجاہد کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ وہ میری رہائش کے قریب اپنے صاحب زادے مولانا عبدالعزیز راشد کے ہاں قیام پذیر ہیں اور میں اکثر ان سے ملتا رہتا ہوں۔ بھٹی صاحب مولانا محمد دین مجاہد کا سن کر بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے: ''ان سے ملاقات کی کوئی سبیل نکالیے، وہ میرے پرانے کرم فرما ہیں۔'' چنانچہ میں مولانا عبدالعزیز راشد صاحب سے ملا اور ان سے ان کے والد کی ملاقات کا وقت طے کیا۔ پھر وقت مقررہ پر بھٹی صاحب، علی ارشد اور راقم مولانا محمد دین مجاہد سے ملے۔ مولانا محمد دین مرحوم بھٹی صاحب کو دیکھ کر کہنے لگے: ''توں کوٹ کپورے والا محمد اسحاق ایں، تیری داڑھی اجے کالی اے۔'' (یعنی تم کوٹ کپورے والے محمد اسحاق ہو اور تمھاری داڑھی ابھی کالی ہے)۔ اس موقع پر بھٹی صاحب نے جماعت مجاہدین اور مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی سے متعلق بہت سی

باتیں مولانا محمد دین سے پوچھی تھیں اور اس ملاقات کا تذکرہ بھٹی صاحب نے ''حضرت صوفی عبداللہ کے حالات و واقعات پر مشتمل ضخیم کتاب میں مولانا محمد دین مجاہد سے متعلق مضمون میں تفصیل سے کیا ہے۔'' یہ کتاب ''مکتبہ سلفیہ'' لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

✿ ایک بار مولانا اسحاق بھٹی صاحب فیصل آباد تشریف لائے۔ وہ سردیوں کی یخ بستہ رات تھی۔ ہم علی ارشد صاحب کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے سلفی، کسی اہل علم سے ملاقات کو جی چاہتا ہے۔ میں نے ادب سے عرض کیا مولانا ارشاد الحق اثری صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے، میں ان کی رہائش گاہ بھی جانتا ہوں۔ اب فون کے ذریعے اثری صاحب سے رابطہ کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے میری خوش بختی ہے فوراً تشریف لائیں۔ شدید دھند اور سردی میں لپٹے ہوئے موسم میں علی ارشد صاحب ہمیں اپنی گاڑی میں لے کر اثری صاحب کے ہاں گئے۔ وہاں دو اڑھائی گھنٹے مجلس ہوئی اور ان دونوں اصحابِ علم کی گفتگو سننے کا موقع ملا اور مجھے علمی استفادے کی سعادت حاصل ہوئی۔

✿ اگست 2005ء کے ابتدائی دنوں کی بات ہے کہ میرے ایک نہایت پیارے دوست میاں طاہر صاحب میرے پاس مکتبے پر تشریف لائے۔ وہ اپنے ادارے ''مرکز الحرمین الاسلامی'' میں کسی اہل حدیث بزرگ کے اعزاز میں تقریب کا اہتمام کرنا چاہتے تھے۔ دوران گفتگو میں نے مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی جماعتی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا نام پیش کیا۔ میاں صاحب نے بھٹی صاحب کا فون نمبر لے کر ان سے رابطہ کیا اور 12 / اگست کی تاریخ طے کر لی۔ بھٹی صاحب ان سے کہنے لگے' ٹھیک ہے رات کو رمضان سلفی مجھ سے بات کرے۔ میں نے رات کو بھٹی صاحب سے فون پر بات کی اور کہا کہ بے فکر ہو کر آئیں۔ اپنا ہی پروگرام ہے۔ وہ فرمانے لگے: میں ضرور آؤں گا لہٰذا تم 12 / اگست کا جمعہ امین پور بازار والی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں پڑھو۔ وہاں سے اکٹھے چلیں گے۔ بھٹی صاحب وقت مقررہ پر فیصل آباد تشریف لائے۔ نماز جمعہ ہم نے امین پور بازار والی مرکزی مسجد اہل حدیث میں ادا کی۔ پھر مولانا یوسف انور صاحب سے ملے۔ یہاں سے علی ارشد صاحب کے ہاں گئے۔ کچھ دیر آرام کیا۔ نماز مغرب کے بعد علی ارشد صاحب کی گاڑی سے مرکز الحرمین طرہ ستیانہ روڈ پہنچے۔ وہاں بہت سے علماء اور دانشور بھٹی

صاحب کی دید کے مشتاق تھے۔ بڑا شان دار پروگرام ہوا۔اس تقریب میں مولانا ارشاد الحق اثری، حافظ مسعود عالم صاحب، میاں طاہر صاحب اور مفتی اسحاق صاحب نے بھٹی صاحب کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کی جماعتی، تصنیفی، تالیفی خدمات پر روشنی ڈالی۔ میری معلومات کے مطابق بھٹی صاحب کی ''خدمات'' پر یہ پہلی تقریب تھی جس کا انعقاد فیصل آباد میں کیا گیا، اس کے بعد گجرات، لاہور، جدہ (سعودی عرب) کویت اور ہندوستان کے شہر الہ آباد میں ان کے اعزاز میں تقاریب منعقد ہوئیں کویت کی تقریب میں انھیں ''مؤرخ اہل حدیث'' کے خطاب سے نوازا گیا۔

✿ میرے ایک قابل قدر اور مخلص دوست ہیں مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی۔ وہ جامعہ سلفیہ میں مدرس ہیں اور جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' کے مدیر بھی۔ اس کے علاوہ انھوں نے کئی علمی و تحقیقی کتب لکھی ہیں۔ وہ بھٹی صاحب سے نہایت عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ ایک عرصے سے وہ اس خواہش کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ بھٹی صاحب کو اور مجھے اپنا گاؤں جہاں وہ خطیب ہیں، دکھانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا 17 / مارچ 2006ء کو جمعہ کے روز ہم ان کی پرخلوص دعوت پر میر پور (شاہکوٹ) پہنچے۔ نماز جمعہ بھی ہم نے وہاں یزدانی صاحب کی اقتدا میں ادا کی اور پھر بعض دوستوں سے ملے اور شام کو واپس اپنے اپنے گھروں کو آئے۔

✿ 19 / جنوری 2007ء کو ہمارے دوست چودھری علی ارشد صاحب کے بیٹے کی شادی تھی۔ انھوں نے بہت سے دوستوں کو بلایا۔ بھٹی صاحب کو بھی لاہور سے مدعو کیا۔ وہ جمعرات 18 جنوری کو نماز ظہر کے بعد میرے ہاں مکتبہ پر تشریف لے آئے۔ بہت سے دوستوں کو ملے۔ ماہنامہ علم و عمل کے مدیر اور میرے محسن خاص حکیم خالد اشرف صاحب سے بھی ملے اور باہمی دلچسپی کے امور پر ان سے تبادلہ خیال کیا۔ رات کو میاں طاہر صاحب مدیر مرکز الحرمین الاسلامی نے ایک مقامی ہوٹل میں بھٹی صاحب کے اعزاز میں پر تکلف عشائیہ دیا۔ اس میں پروفیسر یٰسین ظفر، مولانا یونس بٹ، حافظ مسعود عالم، ڈاکٹر زاہد اشرف، ایم انور جاوید اور دیگر کئی اہل علم نے شرکت کی۔ میاں طاہر مدیر مرکز الحرمین الاسلامی جو اس عشائیہ کے میزبان تھے، رات کو بھٹی صاحب کو ان کے عزیز محمد حنیف صاحب کے ہاں

جھنگ روڈ پرتاب کالونی میں مجھے میرے گھر چھوڑ کر گئے۔

اگلے روز میں بھٹی صاحب کی ہمراہی میں علی ارشد صاحب کے بیٹے کی بارات میں شریک ہوا۔ تاندلیاں والا میں بارات گئی تھی۔ بھٹی صاحب نے وہاں نہایت عمدہ خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔ بعد میں یہ خطبہ راقم کے فٹ نوٹ کے ساتھ صحیفہ اہل حدیث کراچی میں 5/اپریل 2007ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

✿ 2003ء میں مکتبہ ایوبیہ کراچی کی طرف سے میرے چند مقالوں کا اشاعت کا پروگرام بنا۔ یہ مقالے جو مولانا عبدالوہاب دہلوی، مولانا عبدالستار دہلوی، مولانا عبدالجلیل خاں اور مولانا عبدالغفار سلفی مرحوم کے کوائف حیات پر مشتمل تھے۔ میں نے اپنے پیرومرشد مولانا اسحاق بھٹی صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ وہ ان پر مقدمہ لکھ دیں۔ بھٹی صاحب نے میری گزارش مان لی اور شان دار مقدمہ تحریر فرمایا۔ میری یہ کتاب ''اللہ کے چار ولی'' کے نام سے جون 2004ء میں جماعت غرباء اہل حدیث کراچی کی طرف سے شائع ہوئی۔

✿ محترم بھٹی صاحب دوستوں سے تعلق قائم کرنا اور پھر انھیں نباہنا خوب جانتے ہیں۔ 2/اپریل 2000ء کو میری شادی کی تاریخ طے ہوئی۔ میری دلی خواہش تھی کہ بھٹی صاحب میری شادی میں ضرور شریک ہوں۔ ان دنوں وہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہو کر واپس آئے ہی تھے۔ میں نے شادی سے تین روز پہلے ان سے رابطہ کیا اور انھیں شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور شادی میں شرکت کا وعدہ فرمالیا۔ حسب وعدہ تشریف لائے اور 3/اپریل کو میری دعوت ولیمہ میں شریک ہوئے اور میری عزت افزائی کی۔ 28/اپریل کو دوبارہ فیصل آباد آئے اور شادی کا گفٹ ''تحفۃ العروس'' عنایت کی اور اس کے شروع میں سادہ صفحے پر یہ عبارت لکھی:

> ''عزیز القدر محمد رمضان سلفی کی نذر جن کی تحریری اور علمی صلاحیتوں سے میں خاص طور سے متاثر ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ ان میں مزید نکھار پیدا کرے۔ محمد اسحٰق بھٹی ۲۸/۴/۲۰۰۰ء۔

✿ ستمبر 2000ء کی بات ہے کہ میں لاہور گیا اور بھٹی صاحب سے ملا۔ انھوں

نے مجھے مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری مرحوم کی آڈیو کیسٹ دی جو صوفی نذیر احمد کاشمیری سے متعلق یادداشتوں پر مشتمل تھی۔ فرمانے لگے اسے کاغذ پر منتقل کر دیں۔ میں نے مبارک پوری صاحب کے اس انٹرویو کو فیصل آباد آ کر کاغذ پر لکھ کر بھیج دیا اور ساتھ خط بھی لکھا۔ 2003ء میں بھٹی کی کتاب ''قافلہ حدیث'' شائع ہوئی تو اس میں وہ تمام مواد بھی شامل تھا اور میرا خط بھی۔ بھٹی صاحب نے صوفی نذیر احمد کاشمیری کے حالات میں شائع کر دیا اور میرے متعلق کچھ ایسے الفاظ لکھے جن سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔

بھٹی صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ بڑا طویل ہے، لازمی نہیں کہ ساری باتیں کاغذ پر لکھ دی جائیں، کچھ باتیں من میں بھی رہنی چاہئیں۔ ملاقاتوں کا سلسلہ یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ خلوص کے پیکر بھٹی صاحب گزرے ہوئے دور کی عظیم یادگار اور ہماری جماعت اہل حدیث کا عظیم سرمایہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے تصنیف و تالیف کے شعبے میں تن تنہا دین اسلام اور جماعت اہل حدیث کی وہ خدمت کی ہے جو بہت سے افراد اور تنظیمیں مل کر سرانجام نہ دے سکیں۔

اللہ رب العزت نے مولانا بھٹی صاحب پر اپنے فضل و رحمت کے دروازے پوری طرح کھول رکھے ہیں۔ ان کا دماغ معلومات کا خزینہ ہے۔ جماعت اہل حدیث کے عظیم عالم دین مولانا عزیز زبیدیؒ وفات 27 مئی 2003ء) کے الفاظ میں بھٹی صاحب دور حاضر کے ''امام ذہبی'' ہیں۔

اب آیئے مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے حالات و واقعات سے مطلع ہونے کی کوشش کریں کہ انھوں نے کن حالات میں دینی تعلیم حاصل کی، کس طرح علم و عرفان کی منزلیں طے کیں، صحافتی و تصنیفی میدان میں کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ لیکن اس تفصیل سے پہلے ان کے خاندانی حالات اور اس کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: محمد اسحاق بن عبدالمجید بن محمد بن دسوندھی بن منصور بن خزانہ بن جیوا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کا خاندانی پس منظر

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظہ اللہ اپنے خودنوشت حالات میں لکھتے ہیں کہ میاں جیوا مشرقی پنجاب کی سابق ریاست پٹیالہ کے ضلع برنالہ کے ایک قصبے ''ہنڈایا'' کے رہنے والے تھے اور اپنے زمانے کے مہاراجہ پٹیالہ کے درباری تھے۔ مہاراجہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ایک دن اس نے میاں جیوا سے کہا کہ آپ اپنے بیٹوں میں سے کسی بیٹے کو دربار میں لایا کریں تاکہ اسے دربار کے طور طریقوں سے واقفیت حاصل ہو اور وہ آپ کے بعد آپ کی جگہ سنبھال سکے۔

میاں جیوا نے اس عزت افزائی پر مہاراجہ کا شکریہ ادا کیا اور مغموم لہجے میں جواب دیا کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوں لیکن اولاد سے محروم ہوں۔ میری بیوی بھی محرومی اولاد کی وجہ سے پریشان رہتی ہے اور خود مجھے بھی اس کا بے حد احساس ہے۔

میاں جیوا کی یہ بات سن کر مہاراجہ بڑا حیران ہوا۔ اسے پہلی دفعہ معلوم ہوا تھا کہ اس کا یہ معزز درباری اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ اس نے ان کو دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا، لیکن وہ رضامند نہ ہوئے۔ بالآخر اصرار کر کے مہاراجہ نے خود ان کی دوسری شادی کر دی، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کے پس وپیش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری بیوی سے میاں جیوا کو ایک بیٹا عطا کیا، جس کا نام انھوں نے خزانہ رکھا۔ اور وہ کثرت اولاد واحفاد کی بنا پر واقعی خزانہ ثابت ہوئے اور ان کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ ہنڈایا کا قصبہ ان کے لیے تنگ ہو گیا اور خاندان کے مختلف افراد طلب معاش کے لیے مشرقی پنجاب کے مختلف علاقوں میں چلے گئے۔

خزانہ کے بیٹے منصور تھے اور منصور کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام دوست محمد تھا (جو ''دسوندھی'' کے عرف سے معروف تھے) اور چھوٹے کا امام الدین۔ منصور کے رشتے داروں کی اچھی خاصی تعداد کوٹ کپورہ (سابق ریاست فرید کوٹ مشرقی پنجاب) میں فروکش تھی۔ میاں امام الدین بھی ان کے پاس کوٹ کپورہ چلے گئے تھے۔ وہ نہایت متقی اور

پاکیزہ اطوار بزرگ تھے۔ حضرت مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی (متوفی 1313ھ) سے بیعت تھے۔ تقریباً 1900ء میں بمقام کوٹ کپورہ فوت ہوئے۔ بے شمار لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا اور دینی تعلیم سے آراستہ کیا۔ مشہور ہے کہ جنات بھی ان کے حلقہ شاگردی میں شامل تھے۔

میاں امام الدین کے چار بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بیٹوں کے نام علی الترتیب یہ تھے: (1) محمد (2) محمد صادق (3) محمد اسماعیل اور (4) محمد یعقوب۔ بیٹی کا نام مریم بی بی تھا۔ میں نے ان سب کو دیکھا ہے اور ان کی باتیں سنی ہیں۔ صالح لوگ تھے۔ ان کی آل اولاد کا سلسلہ ماشاءاللہ بہت پھیلا ہوا ہے۔

میاں منصور کے بڑے بیٹے میاں دوست محمد (عرف دسوندھی) تھے جو اپنے دور کے مشہور طبیب تھے۔ خوش اخلاق اور ملنسار معاشی اور معاشرتی اعتبار سے اپنے علاقے اور برادری میں معزز گردانے جاتے تھے۔ اس دور کے مطابق گھر میں لوگوں کو تعلیم دینے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ 1875ء کے لگ بھگ اپنے آبائی مسکن ہنڈایا (ریاست پٹیالہ) میں ان کا انتقال ہوا۔

دوست محمد کے بھی میاں امام الدین کی طرح چار بیٹے تھے، جن کے بہ ترتیب ولادت نام یہ ہیں: (1) میاں محمد (2) محمد شریف (3) حافظ محمد کریم (4) محمد رمضان۔ تیسرے بیٹے حافظ محمد کریم پیدائشی نابینا تھے اور بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ بہت ذہین اور تیز فہم تھے۔ عالم جوانی میں مالیر کوٹلہ چلے گئے تھے جو پنجاب میں مسلمانوں کی واحد ریاست تھی۔ وہاں بازار میں ان کی برتنوں کی دکان تھی۔ مالیر کوٹلہ میں شادی کی اور صاحب اولاد ہوئے۔ میرے والد ایک یا دو مرتبہ انھیں ملنے مالیر کوٹلہ گئے تھے۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ آج کل مالیر کوٹلہ ضلع جیند (مشرقی پنجاب) میں شامل ہے۔

اس سے آگے محترم محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں: میاں دوست محمد کے بڑے بیٹے میاں محمد میرے دادا تھے۔ انھوں نے بہت سے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور دینی مسائل پر مشتمل اردو اور پنجابی نظم و نثر کی کتابیں پڑھائیں۔ اس زمانے میں حافظ محمد لکھوی (متوفی 1311ھ) کی پنجابی نظم کی کتابیں: "احوال الآخرت" "انواع محمدی"

"تفسیر محمدی" اور "زینت الاسلام" وغیرہ، پنجاب میں بہت مقبول تھیں اور بہ کثرت گھروں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں۔ میاں محمد مرحوم نے یہ کتابیں بہت سے لوگوں کو پڑھائیں۔ نیز مولانا عبدالرحیم کی "اسلام کی کتاب" کو بھی قبول عام حاصل تھا۔ یہ کتاب پہلی جلد سے چودھویں جلد تک پھیلی ہوئی تھی۔ میاں محمد نے یہ کتاب بھی بہت سے لوگوں کو پڑھائی۔

میاں محمد کے ایک ہی بیٹے تھے جن کا نام عبدالمجید تھا۔ وہ 18 ستمبر 1988 کو تقریباً 90 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ یہ میرے والد تھے۔ انھوں نے میرے دادا یعنی اپنے والد سے قرآن مجید بھی پڑھا اور دینیات کے موضوع کی بعض اردو کتابیں بھی پڑھیں۔

میاں محمد کے چھوٹے بھائی حکیم محمد شریف تھے جو میاں محمد سے چھ سات سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ وہ بھی طبیب تھے۔ خوش کلام اور خوش لباس بزرگ تھے۔ سب سے چھوٹے حکیم محمد رمضان تھے۔ یہ میرے نانا تھے۔ 1954ء میں جڑاں والا (ضلع فیصل آباد) میں راہی ملک بقا ہوئے۔

میاں جیوا کی آل اولاد جو طلب روزگار کے لیے مختلف مقامات میں چلی گئی تھی، آہستہ آہستہ ان کے تمام افراد تقسیم ملک سے بہت پہلے کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) میں آ گئے تھے۔ وہاں پہلے سے ان کی برادری کے لوگ آباد تھے۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق انھوں نے زمینیں جائدادیں بنالی تھیں اور مختلف کاروبار کرنے لگے تھے اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرتے تھے۔ میاں جیوے کی اولاد کا سلسلہ ماشاء اللہ بہت وسیع ہے۔ انھیں برادری میں "جیوے کے" کہا جاتا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد اس برادری کے زیادہ تر لوگ ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کی تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

- جڑاں والہ سے فیصل آباد کو جائیں تو تین میل کے آگے بائیں جانب یہ گاؤں دو فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ عرف عام میں اسے چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور بھی کہا جاتا ہے اور "ڈھیسیاں بھی"۔ منصور پور اس لیے کہ 1900ء کے پس و پیش ضلع لائل

پور کی چک بندی کے بعد اس گاؤں میں ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں منصور پور کے سکھ آکر آباد ہوئے تھے، اسی بنا پر اسے چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور کہا جانے لگا۔ لیکن اس کے بعد بہ طور آباد کار ضلع جالندھر کے ایک گاؤں ''ڈھیسیاں'' کے سکھ آئے جو منصور پور کے سکھ آباد کاروں سے زیادہ تعداد میں تھے' تو ان کی وجہ سے اسے چک نمبر 53 گ۔ب ڈھیسیاں کہا جانے لگا۔ محکمہ مال کے کاغذات میں دونوں نام درج ہیں۔ ہماری برادری کے بعض لوگ تقسیم ملک کے بعد بورے والا (ضلع وہاڑی) اور اوکاڑہ کے علاقے میں چلے گئے تھے، اب بھی وہیں ہیں۔ مگر زیادہ تر لوگ چک نمبر 53 گ۔ب اور جڑانوالہ شہر میں مقیم ہیں۔ ملازمت اور کاروبار وغیرہ کے سلسلے میں البتہ متعدد گھرانے فیصل آباد، اسلام آباد، لاہور اور دیگر مقامات پر سکونت پذیر ہیں، لیکن ان میں بعض کی تھوڑی زرعی زمینیں اور مکانات وغیرہ چک نمبر 53 گ۔ب میں ہیں۔ یہ ہیں مختصر الفاظ میں میرا خاندانی پس منظر۔ ❶

ابتدائی حالات

مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ 15 مارچ 1925ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی کا نام میاں عبدالمجید اور دادا کا اسم گرامی میاں محمد تھا۔ میاں محمد نہایت نیک اور متورع انسان تھے۔ دین داری، تقویٰ وصالحیت اور ورع و عفاف کے زیور سے آراستہ تھے۔ ان کے قلب وذہن پر اسلامی تعلیمات کے گہرے نقوش ثبت تھے۔ وہ اپنے دل میں اسلام کی سچی محبت اور جذبہ رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس پوتے محمد اسحاق کو شروع دن سے ہی علم وعمل کی راہ پر ڈال دیا اور اسلامی تقاضوں کے مطابق اس کی تربیت کرنا شروع کر دی تھی۔ نماز کے لیے وہ انھیں ساتھ لے کر مسجد جاتے، آٹھ سال کے تھے کہ دادا نے گھر میں ہی ان کو قرآن مجید پڑھانا شروع کر دیا۔ تیسویں پارے کی دس بارہ سورتیں حفظ کروائیں اور اردو کی چند کتب بھی پڑھا دیں۔ مولوی رحیم بخش کی

---

❶ برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن صفحہ 24,23,22

''اسلام کی کتاب'' اول تا چہارم بھی پڑھا دی اور حافظ محمد لکھوی مرحوم کی پنجابی شعروں پر مشتمل منظوم کتب انواع محمدی، زینت الاسلام اور احوال الآخرت بھی پڑھا دی تھیں۔

1933ء میں محمد اسحاق جب چوتھی جماعت کے طالب علم تھے' ایک دن ان کے دادا محترم انھیں لے کر مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ازراہ کرم اسے قرآن مجید کا ترجمہ اور تاریخ اسلام کے علاوہ اس کے فہم کے مطابق دینی مسائل کی کتب پڑھا دیا کریں۔

مولانا عطاء اللہ حنیف اس وقت کوٹ کپورہ کی جامع مسجد کے خطیب تھے اور انھوں نے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب مولانا عطاء اللہ حنیفؒ سے ترجمۃ القرآن اور قاضی محمد سلیمان منصورپوریؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''رحمۃ للعالمین'' پڑھنے لگے اور انھوں نے اڑھائی تین ماہ میں رحمۃ للعالمین کو پڑھ لیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے دینیات کی بعض دوسری کتب بھی پڑھنا شروع کر دی تھیں۔ آپ ذہین طباع طالب علم تھے، حافظہ قوی تھا، جو سبق پڑھتے مستحضر ہو جاتا۔ ان کے استاد گرامی مولانا عطاء اللہ مرحوم اپنے اس ہونہار اور لائق شاگرد سے بہت خوش تھے۔ مولانا عطاء اللہؒ کی خدمت عالیہ میں رہ کر بھٹی صاحب نے مروجہ علوم وفنون اور تفاسیر واحادیث کی کتب پڑھیں۔

تحصیل علم کے لیے وہ مرکز الاسلام ''لکھوکے'' میں بھی مولانا عطاء اللہ مرحوم کی خدمت میں رہے اور دو سال جامع مسجد گنبد والی فیروز پور میں بھی زیر تعلیم رہے۔ 1940ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے حکم پر گوجراں والا کا رخ کیا اور دو سال مولانا حافظ محمد گوندلویؒ اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کی خدمت میں رہ کر بخاری و مسلم اور بعض دوسری کتب پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔

اساتذہ کرام

مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے اپنے تعلیمی سفر میں جن اساتذہ کرام سے اکتساب علم کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی: اپنے دور کے فقید المثال عالم دین تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ واصول اور دیگر اسلامی علوم وفنون میں انھیں کامل دست گاہ حاصل تھی۔ کتاب دوستی میں مثالی تھے۔ کتابیں جمع کرنا اور پڑھنا ان کا مشغلہ تھا۔ ہفت روزہ الاعتصام اور دارالدعوۃ السلفیہ لائبریری لاہور مرحوم کی باقیات الصالحات اور عظیم یادگار ہیں۔ مولانا 1908ء میں پیدا ہوئے اور اکتوبر 1987ء میں لاہور میں وفات پائی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے ان سے مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

ترجمۃ القرآن، رحمۃ للعالمین، نسائی شریف، قدوری، نور الانوار، شرح نخبۃ الفکر، مقامات حریری، فصول اکبری، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، مرقات۔

مذکورہ کتب کے کچھ اسباق کوٹ کپورہ میں پڑھے اور باقی مرکز الاسلام میں۔ فیروز میں جو کتب پڑھیں وہ یہ ہیں: سنن ابوداود، جامع ترمذی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، تفسیر جامع البیان، تفسیر جلالین کا کچھ حصہ، کنز الدقائق، شرح وقایہ، توضیح تلویح، مختصر معانی، مطول کافیہ، شرح جامی، شافیہ، شرح تہذیب، قطبی، ہدیہ سعیدیہ، مقدمہ ابن الصلاح، رشیدیہ، سبعہ معلقہ، متنبی، محیط الدائرہ وغیرہ۔ ان کتب کے علاوہ علم الصرف ونحو کی علم الصیغہ، مراح الارواح، زنجانی، حاشیہ شرح جامی (عبدالغفور لاری)۔ منطق کی رسالہ میر زاہد، میر قطبی، سلم العلوم اور سراجی وغیرہ حدیث کی تمام کتابیں بلوغ المرام سے صحیح بخاری تک مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے پڑھیں۔ مولانا محمد شفیع ہوشیار پوری اور مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری سے بھی بعض فنون کی چند کتابیں پڑھیں۔
مولانا اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں: مولانا عطاء اللہ صاحب کو علم رجال' تاریخ اسلامی، سیاسیات وغیرہ موضوعات سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس سلسلے کی عربی اور اردو کتابوں کا بھی میں نے ان کی راہنمائی میں مطالعہ کیا۔ فارسی کی گلستان، بوستان اور بعض دوسری کتابیں انھوں نے پڑھائیں۔ ابتدا ہی سے انھوں نے میری علمی تربیت کے لیے بے حد کوشش فرمائی۔

میں بعض امور میں ان سے متاثر ہوا اور بعض میں بدقسمتی سے متاثر نہ ہو سکا۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ بلاشبہ وہ میرے مشفق استاد تھے اور مجھے جو کچھ اللہ نے عطا فرمایا وہ انہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ [1]

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص 287,286,285,283

② حافظ محمد گوندلوی: علم وعمل کا بحر زخار تھے۔ انھوں نے کم وبیش 70 سال حدیث کا درس دیا اور ہزاروں شاگردوں کو حدیث کی تعلیم دی۔ وہ 1897ء کو گوندلاں والا (ضلع گوجرانوالا) میں پیدا ہوئے اور 4 جون 1985ء کو گوجرانوالا میں وفات پائی۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے 1940-41 میں دو سال گوجرانوالا ان کی خدمت میں رہ کر صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا مالک، تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین دوبارہ پڑھنا شروع کیں۔

③ شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد اسماعیل سلفی: مولانا مرحوم جماعت اہل حدیث کے ان روشن دماغ اور عالی مرتبت علماء میں سے تھے، جنھوں نے 47 سال گوجرانوالا کے چوک نیائیں میں مسندِ حدیث پر جلوہ افروز ہو کر شائقین علم کو مستفید فرمایا اور پاکستان میں جماعت اہل حدیث کی شیرازہ بندی میں اہم کردار ادا کر کے جماعت کی تعمیر وترقی کا باعث بنے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب اپنے اس عظیم استاد گرامی سے متعلق لکھتے ہیں: مولانا عطاء اللہ صاحب نے مجھے مولانا اسماعیل صاحب کے نام خط دیا اور میں نے گوجرانوالا جا کر وہ خط ان کی خدمت میں پیش کیا اور انھوں نے مجھے اپنے مدرسے میں داخل کر لیا۔ ان کے مدرسے کا نام مدرسہ محمدیہ تھا۔۔۔ حضرت مولانا اسماعیل صاحب سے میں نے تفسیر بیضاوی، حماسہ، متنبی، ہدایہ، میر قطبی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ مولانا مرحوم کو عربی ادب سے بڑی دلچسپی تھی اور انتہائی ذوق وشوق سے ادب کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ بعض اوقات دوران درس ہلکے پھلکے لطیفے بھی ہو جاتے تھے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ مسجدوں میں سبعہ معلقہ، متنبی اور مقامات حریری وغیرہ کتابیں تو بڑے التزام سے پڑھائی جاتی ہیں مگر ہیر وارث شاہ یا اس قسم کی دوسری کتابیں کوئی شخص مسجد میں لے آئے تو برا مانا جاتا ہے، حالانکہ وہ بھی ادب کی کتابیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک عربی ادب ہے اور دوسرا پنجابی ادب۔ پھر ہیر وارث شاہ میں بعض باتیں اس قدر کھل کر نہیں بیان کی گئیں جس طرح عربی ادب کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ فرمایا: تمھیں پنجابی ادب کی کتابوں سے کون روکتا ہے، شوق سے لاؤ اور شوق سے پڑھو۔ [1]

---

[1] نقوش عظمت رفتہ، ص: 157

درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا اسحاق بھٹی صاحب کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ ایک سال وہ محکمہ انہار ہیڈ سلیمان کی میں کلرک رہے۔ پھر مارچ 1943ء تک وہاں مدرسہ مرکز الاسلام میں فریضہ تدریس انجام دیتے رہے۔ اس دوران انھوں نے آزادی کی تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا اور فرید کوٹ جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ 1946ء سے 1947ء تک ریاست فرید کوٹ کی پرجا منڈل کے سیکریٹری رہے۔ ریاستی پرجا منڈل پنجاب ریاستوں میں کانگرس کی بدل تھی۔ اس کے صدر گیانی ذیل سنگھ تھے جو بعد میں بھارت کے صدر بنے۔ وہ بھٹی صاحب کے مخلص دوستوں سے تھے۔ گیانی ذیل سنگھ سے مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ مولانا اسحاق بھٹی نے اپنے اس جگری دوست کے بہت سے واقعات اپنے اس مضمون میں لکھے ہیں جو انھوں نے گیانی جی کے حالات و واقعات پر تحریر فرمایا ہے۔ ایک جگہ مولانا بھٹی صاحب لکھتے ہیں: ''گیانی جی نے جیل میں مولوی محمد سلیمان سے قرآن مجید بھی پڑھنا شروع کیا تھا۔ چند سپارے پڑھ بھی لیے تھے۔ اردو قاضی عبیداللہ سے پڑھی۔ جیل سے باہر آ کر مجھ سے بھی قرآن مجید پڑھتے رہے۔ بہت ہی ادب و احترام کے ساتھ منہ ہاتھ دھو کر قرآن مجید پڑھتے تھے۔ مجھ سے قرآن کا تھوڑا سا ترجمہ بھی پڑھا تھا۔ وہ ہمیشہ قرآن شریف کہا کرتے تھے۔ انھوں نے کئی دفعہ یہ الفاظ کہے: قرآن شریف واقعی اللہ کا کلام ہے، اس نے جو تعلیمات انسان کو دی ہیں، وہ بلاشبہ صحیح ہیں لیکن افسوس کہ لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ اگر قرآن شریف پر عمل کریں تو نہ اللہ کے سوا کسی کی محکومی قبول کریں اور نہ دنیا میں دنگا فساد بپا ہو۔ چاروں طرف امن ہی امن ہو جائے اور لوگ سکھ چین کی زندگی بسر کرنے لگیں۔''

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں: قرآن مجید سے ان کو پیار اور لگاؤ تھا۔ ایک مرتبہ ریاست فرید کوٹ کی گونیانہ منڈی میں ہم نے پرجا منڈل کا جلسہ منعقد کیا جس میں تقریر کے لیے اس دور کے مشہور سکھ لیڈر گورمکھ سنگھ مسافر کو بلایا گیا تھا۔ میں تقریر کے لیے کھڑا ہونے لگا تو گیانی جی نے آہستہ سے میرے کان میں کہا: ''بسم اللہ پڑھ کر اور قرآن شریف کی کوئی آیت تلاوت کر کے تقریر کرنا۔''

ایک دفعہ فرید کوٹ کے گھنٹہ گھر چوک میں عشاء کے بعد پر جا منڈل کا جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ اس میں لاہور سے سردول سنگھ کویشر کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ کویشر جی کو دعوت دینے کے لیے میں اور چنن سنگھ ڈوڈ لاہور آئے تھے۔۔۔ بہت بڑا مجمع سردول سنگھ کویشر کی تقریر سننے آیا تھا۔ انھوں نے تقریر کے آغاز میں سورہ عصر پڑھی اور پھر اردو میں اس کا ترجمہ کیا۔ ترجمہ صحیح تھا، لیکن قرآن مجید کے الفاظ غلط پڑھے تھے۔ گیانی جی نے مجھ سے پوچھا: ''کویشر جی نے قرآن شریف کے الفاظ صحیح نہیں پڑھے؟'' میں نے جواب دیا: ''الفاظ غلط پڑھے ہیں البتہ ترجمہ صحیح کیا ہے۔ اس کے بعد وہ سردول سنگھ کویشر کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ قرآن شریف کی کوئی آیت تقریر میں پڑھنی ہو تو پہلے اسے اچھی طرح یاد کر لینا چاہیے، میں نے سنا ہے کہ زیر زبر کی غلطی سے معنوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ لیکن لوگ خوش تھے کہ ایک سکھ مقرر نے قرآن کی آیات پڑھی ہیں اور ان کا ترجمہ کیا ہے۔'' [1]

سیاست کی وادیٔ پرخار میں آبلہ پائی

مولانا اسحاق بھٹی صاحب 15,14 سال کی عمر میں ہی سیاسی اور مذہبی جلسوں میں شریک ہونے لگے تھے۔ 1939ء میں پہلی دفعہ انھیں فیروز پور میں جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ اور جب ان کا شعور پختہ ہوا تو انھوں نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے علاقے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ پر جا منڈل کی جانب سے ریاست فرید کوٹ میں سیاسی جلسوں کے انعقاد اور تحریک کو فعال بنانے میں بھٹی صاحب کی اپنے رفقاء سے مشاورت اور پھر عملی طور پر اس میں شرکت نے بھٹی صاحب کو اس تحریک کا سرگرم کارکن بنا دیا تھا۔ وہ ہمیشہ عزم واستقلال سے پر جا منڈل کی تحریک کو آگے بڑھانے میں سرگرم عمل رہے اور مشکل اور ناگفتہ بہ حالات بھی ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔

ایک بار ریاست فرید کوٹ کی پر جا منڈل نے فیصلہ کیا کہ معروف سوشلسٹ لیڈر جے پرکاش نارائن کی تقریر فرید کوٹ میں کرائی جائے۔ جب وہ پنجاب کے دورے پر آئے اور ضلع فیروز پور کے شہر ''موگا'' پہنچے تو پر جا منڈل کے چند ارکان وہاں پہنچ کر ان سے ملے

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص: 549-562

اوران کوتقریر کی دعوت دی۔ وہ مان گئے اور اپنے پروگرام میں کچھ تبدیلی کر کے اپنی اہلیہ کے ساتھ دوسرے دن چار بجے فرید کوٹ پہنچ گئے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں: ''گرمیوں کا موسم تھا اور رمضان کا مہینا۔ فرید کوٹ شہر کی غلہ منڈی میں نماز عشاء اور تراویح کے بعد دس بجے ان کی تقریر کا اعلان کیا گیا۔ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی اس زمانے میں ہر سال فرید کوٹ کی مسجد اہل حدیث میں نماز تراویح پڑھاتے اور قرآن سناتے تھے۔ ہم نے ان سے جلسے کی صدارت کے لیے عرض کیا۔ ازراہ کرم انھوں نے ہماری گزارش منظور فرمائی اور جلسے کی صدارت کی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض میرے ذمے تھے۔ تلاوت قرآن مجید اور نظم کے بعد جے پرکاش نارائن نے تقریر شروع کی۔ نہایت شستہ اور عام فہم اردو میں انھوں نے اظہار خیال کیا۔ تقریر میں انگریز کی مخالفت کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں کی۔ کسی جماعت یا کسی رہنما کا کسی بھی انداز میں نام نہیں لیا۔

بہت بڑا مجمع ہمہ تن گوش تھا۔ جلسے کے دوران خیر خواہانہ رنگ میں ایک شخص نے میرے کان میں کہا کہ کچھ افراد نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ تم لوگ رات کو جلسے سے فارغ ہو کر کوٹ کپورے جاؤ گے تو تمھیں راستے میں پکڑا جائے گا اور سب کی پٹائی کی جائے گی۔ جوانی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ڈر، خوف اور گھبراہٹ کا کبھی تصور بھی ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں نے نہایت بے باکی سے جواب دیا: جلسہ ختم کر کے ہم یہاں سے جائیں گے اور دیکھیں گے کون ہمارا راستہ روکتا ہے۔ میرے ایک عزیز عبدالشکور کا ریس کا گھوڑا تھا جو بہت دوڑتا تھا۔ میں نے ان سے تانگہ لے کر آنے کے لیے کہہ رکھا تھا، کیونکہ جلسے کے بعد واپس اپنے گھر پہنچنا تھا۔ رات کے ایک بجے جلسہ ختم ہوا اور ساتھ ہی آسمان پر بادل چھا گئے اور ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔ میں، گیانی ذیل سنگھ، بھائی دیال سنگھ اور قاضی عبیداللہ تانگے پر سوار ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ راستے میں حملے کا خطرہ ہے، اس لیے چوکس رہنا اور ادھر ادھر دھیان رکھنا ضروری ہے۔ ذیل سنگھ نے یہ الفاظ سن کر گھبراہٹ کا اظہار کیا تو عبدالشکور نے کہا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم چلیں گے تو کوئی پکڑ نہیں سکے گا۔ بس دعا کیجیے کہ درخت گرا کر راستہ نہ بند کر دیا گیا ہو۔ فرید کوٹ سے کوٹ کپورہ بجانب مشرق سات میل کے فاصلے پر ہے اور گیانی ذیل سنگھ کا گاؤں ''سندھواں'' جو راستے میں پڑتا ہے، وہاں

سے پانچ میل ہے۔ ان دنوں فرید کوٹ اور سندھواں کے درمیان کوئی آبادی نہ تھی، راستے میں لب سڑک صرف ایک گوردوارہ تھا جو بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ سے گھرا ہوا تھا۔ وہاں ایک نلکا تھا، جس کے ساتھ ایک پختہ چوبچا سا بنا ہوا تھا اور تانگے والے وہاں گھوڑوں کو پانی پلاتے تھے۔ اس کے اردگرد کافی دور تک پھیلا ہوا چھوٹے بڑے درختوں کا ایک ذخیرہ تھا۔ میں اور گیانی ذیل سنگھ تانگے کی اگلی سیٹ پر اور قاضی عبیداللہ اور بھائی دیال سنگھ تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اندھیری رات تھی، رات کے سناٹے میں گھوڑا دوڑنے لگا تو اس کے ٹاپوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور اس کے زوردار قدموں سے تارکول کے سیاہ کمبل میں لپٹی ہوئی سڑک کے تن بدن سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ ہم "بابا فریدی مال" سے تین فرلانگ آگے نکلے ہوں گے کہ سڑک کے دونوں طرف جھاڑیوں میں کھٹکھٹاہٹ سی ہوئی اور ایک دم چار لاٹھیاں اوپر کو اٹھ گئیں، لیکن ہم نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ موقع کی نزاکت کو بھانپ کر شکور نے خاموشی کا قفل توڑا اور چھانٹا لہراتے ہوئے گھوڑے کو للکارا۔ گھوڑے نے جب خطرہ محسوس کیا اور مالک کی آواز سنی تو اور تیز ہو گیا۔

ادھر بھائی دیال سنگھ نے مجھ سے مخاطب ہو کر ذرا اونچی آواز میں کہا: "ساک مدا چلا دے پستول۔" ہم بالکل خالی ہاتھ تھے اور پستول چلانے کی آواز محض "پھوکا ڈراوا تھا" اتنے میں برق رفتار گھوڑا جو تیزی سے سفر کو نکل رہا تھا، ایک میل آگے نکل کر گوردوارے تک جا پہنچا۔ ہم چاروں تو خطرے میں تھے ہی اور خطرناک بھی تھے۔ ہمارے ساتھ پانچواں عبدالشکور بھی خطرے کی زد میں تھا۔ مگر اللہ نے سب کو محفوظ رکھا اور چند منٹ میں ہم سندھواں پہنچ گئے۔ گیانی ذیل سنگھ کو ان کے گھر پہنچایا، پھر کوٹ کپورے پہنچے، بھائی دیال سنگھ اور قاضی عبیداللہ کو ان کے گھر چھوڑا اور ہم اپنے گھر پہنچے۔ اتنے میں سحری کی اذان ہونے لگی اور ہم سحری کھانے میں مشغول ہو گئے۔ تمام رات بھاگ دوڑ میں گزر گئی۔

دوسرے دن آٹھ نو بجے پرجا منڈل کے دفتر پہنچے، کچھ دیر بعد گیانی جی اور دوسرے دوست بھی آ گئے۔ رات کی باتیں ہونے لگیں۔ میں نے ہنس کر کہا: سیاست کے عشق نے دلوں سے خوف و ہراس نکال دیا ہے۔ اگر خدانخواستہ رات کسی کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو پنجابی کی یہ بولی ہم پر صادق آتی

''کندھاں ٹپ کے بھنالے گوڈے۔۔نی پٹے عشق دیئے'' [1]

جیل یاترا

بھٹی صاحب نے اپنی ''جیل یاترا'' کا تذکرہ بھی بڑے دلچسپ پیرائے میں کیا ہے اور کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ وہ اپنے اسلوب خاص میں لکھتے ہیں:

دوسری جنگ عظیم کے بعد1945ء کے آخر میں پنجاب کی ریاستوں میں پھر تحریک آزادی شروع ہوئی۔ یہ تحریک بہت زور دار تھی اور 1946ء میں اس نے شدت اختیار کر لی تھی۔ ہماری ریاست فرید کوٹ بھی اس تحریک کی زد میں آ چکی تھی۔ ریاست میں دفعہ 144 نافذ تھی اور جلسے جلوس کی قطعی ممانعت۔ ان حالات میں طے کیا گیا کہ دفعہ 144 توڑی جائے، سول نافرمانی شروع کر دی جائے اور پانچ پانچ آدمی گرفتاریاں پیش کریں۔ اس کے لیے پہلے تو ہم فیروز پور گئے۔ وہاں گھو کھلے ہال میں سائبان نصب کیے اور ڈیرہ لگا لیا۔ پھر فرید کوٹ شہر کے ریلوے اسٹیشن کو مرکز بنایا گیا جو کہ انگریزی علاقے ہونے کی وجہ سے ریاستی حکومت کی دسترس سے باہر تھا۔ اسٹیشن سے چند قدم دور ہٹ کر ہم درختوں کے نیچے بیٹھ گئے۔ جون1946ء کے پہلے ہفتے میں پانچ پانچ آدمیوں کا جتھا بنا کر گرفتاریاں دینے کا پروگرام بنایا گیا۔ جون کا مہینا گرمی کی شدت سے تپ رہا تھا کہ دن کے گیارہ بجے پانچ آدمیوں کا پہلا جتھا نعرے لگاتا ہوا آیا اور ریلوے لائن عبور کر کے ریاست کی حد میں داخل ہو گیا۔ اس جتھے میں دو مسلمان: میں (محمد اسحاق بھٹی) اور قاضی عبید اللہ، دو سکھ بھائی دیال سنگھ اور لہنا سنگھ اور ایک ہندو چیتن دیو شامل تھے۔۔ بے شمار لوگ وہاں جمع تھے جو ریاستی حکومت کے خلاف اور گرفتاری دینے والوں کے حق میں زور دار نعرے لگا رہے تھے۔ ہم لوگ جتھے کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے ریاست کی حد میں داخل ہوئے تو پولیس کی بہت بڑی جمعیت نے چاروں طرف سے گھیرا ڈال کر ہمیں گرفتار کر لیا اور اپنی گاڑی میں بٹھا کر تھانے لے گئی۔ وہاں ضروری کارروائی کے بعد جیل پہنچا دیا۔ شام تک ڈھائی سو آدمیوں کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔ پہلی رات تو سب کو ایک ہی بارک میں

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص 572 تا 574

رکھا گیا جسے بارک نمبر 14 کہا جاتا تھا۔ دوسرے دن صبح صبح جیل کے حکام آئے۔ ہمارے ایک ساتھی لہنا سنگھ نے کہا: ”جیل کے حکام سے ہمارے کچھ مطالبات ہیں جن کو ماننا ضروری ہے۔“ انھوں نے پنجابی میں کہا تھا۔ جیل دے افسراں توں ساڈیاں کجھ منگاں نیں“ ایک افسر نے کہا: ”ابھی تمھارے مطالبات سنیں اور مانیں گے، ذرا صبر کرو۔“ اتنے میں انھوں نے ایک کاغذ نکالا اور باری باری تیرہ آدمیوں کے نام پکار کر انھیں علیحدہ کر دیا اور اسی وقت وہاں سے نکال کر چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں میں بند کر دیا، جنھیں ”سنگین کوٹھڑیاں“ کہا جاتا تھا۔ ایک ایک تپڑ، ایک ایک کمبل اور ایک ایک لوہے کی باٹی ان کے حوالے کر دی۔ ان تیرہ میں سے سات سکھ، چار مسلمان۔ میں، صوفی خوشی محمد، قاضی عبیداللہ اور دوست محمد خاں اور دو ہندو تھے۔“

ہمارے آنے سے پہلے ان کوٹھڑیوں میں مرچیں بھری ہوئی تھیں اور یہ ہمارے لیے رات کو صاف کرائی گئی تھیں۔ لیکن ابھی تک مرچوں کا اثر باقی تھا، جس سے ناک اور حلق میں خارش سی ہونے لگی تھی۔ اس اثر سے کئی دن سب کو چھینکیں آتی رہیں۔ ہماری کوٹھڑیوں کے بالکل سامنے تین پھانسیاں نصب تھیں۔ ہم ذرا گردن اونچی کر کے ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر دیکھتے تو ساتھ ساتھ تین پھانسیاں صاف نظر آتی تھیں۔ ایک دفعہ ہماری موجودگی میں تین حقیقی بھائیوں کو جو سکھ تھے، ایک ساتھ پھانسی دیا گیا تھا۔

میری کوٹھڑی کے ساتھ دائیں جانب دوست محمد خاں اور ان کے ساتھ آخر میں بھائی دیال سنگھ کی کوٹھڑی تھی۔ بائیں جانب قاضی عبیداللہ ان کے ساتھ، صوفی خوشی محمد اور آخر ایک ہندو نوجوان تھے۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ لیکن اپنے اپنے دروازے میں بیٹھ کر باتیں کر لیتے تھے۔ ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے سب کی آواز ایک دوسرے کو صاف سنائی دیتی تھی۔“ بھائی دیال سنگھ بہت بھلے مانس تھے۔ وہ اپنی کوٹھڑی سے رات یا دن کے وقت مجھے آواز دیتے: ”ساک ممدا! حجرت جوسب دی گل سنا۔“ (یعنی محمد اسحاق، حضرت یوسف کا واقعہ سنا) کبھی کہتے: ”کران وچ جو کاف والیاں دی بابت لکھیا اے اوہ سنا۔“ (یعنی قرآن مجید میں اصحاب کہف کے بارے میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ سناؤ) اس قسم کے واقعات میں انھیں سناتا رہتا تھا، وہ نہایت دلچسپی سے سنتے اور ان کے

کلام میں کسی کو بولنے نہ دیتے۔ جو بول پڑتا، اس کو خوب ڈانٹ پلاتے اور کہتے: ''تم قرآن کی بات نہیں سنتے اور اپنی ہانکے چلے جا رہے ہو، کچھ شرم کرو، اللہ سے ڈرو۔''

ہم تیرہ آدمیوں پر جو فرید کوٹ جیل میں محبوس تھے، جیل میں مقدمہ چلایا گیا۔ ہندو مجسٹریٹ پولیس کی بھاری نفری اور دیگر اہل کاروں کے ساتھ مقدمے کے سلسلے میں پہلے دن جیل آئے تو ہمیں ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ملزم نیچے زمین پر بیٹھ گئے، مجسٹریٹ نے حکم دیا ''ملزم کھڑے ہو جائیں۔'' لیکن کوئی ملزم کھڑا نہ ہوا۔ بھائی دیال سنگھ نے کہا: بیٹھ کر بھی بات کی جا سکتی ہے اور سنی جا سکتی ہے۔ اس پر مجسٹریٹ نے غصے سے بھرپور نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔ پھر کھڑے ہونے کا حکم بھی نہیں دیا۔''

اس سے آگے محترم بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

مجسٹریٹ نے کرسی پر بیٹھنے کے بعد تمام ملزموں کو غور سے دیکھا، سب کی حاضری لگائی اور پھر ایک ایک کا نام لے کر ان پر جو الزامات عائد کیے گئے تھے اور تعزیرات ہند کی جو دفعات لگائی گئی تھیں، اس کی تفصیل بیان کی اور ہر دفعہ کے تحت جو سزا دی جا سکتی تھی، اس کا ذکر کیا۔ مجموعی طور پر یہ کل سزا ساٹھ ساٹھ سال بنتی تھی۔ یعنی ہر ملزم کو ساٹھ سال جیل میں بند رہنا تھا۔ مگر کسی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس زمانے میں سیاسی لوگوں پر اسی طرح دفعات لگائی جاتی تھیں اور اسی طرح سزائیں سنائی جاتی تھیں۔ سزا سن کر ایک ملزم نے کہا: ''بچیاں والیا ایک عرض کرنا چاہتا ہوں'': کہا: ''کرو''۔ بولا: ''مہربانی کر کے اس میں چالیس چالیس سال اور جمع کر دیجیے تاکہ ایک ایک سینچری پوری ہو جائے۔'' حکم ہوا: ''خاموش رہو۔'' اس کے بعد میں نے بھولی بھالی سی شکل بنا کر عرض کیا: ''کیا ہمارے اور ہمارے بال بچوں کے بیاہ شادی یہیں ہوں گے؟'' اس پر مجسٹریٹ صاحب تھوڑا سا مسکرائے مگر جواب کچھ نہیں دیا۔

جیل میں کھانا تقسیم کرنے والے نمبردار قیدی متعین تھے۔ وہ ہمارا بڑا خیال رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ لوگ تو سیاسی قیدی ہیں۔ آپ کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے، جتنا چاہے کھائیں۔ ہم تو یہی کر سکتے ہیں اور آپ کی خدمت کو نیکی سمجھتے ہیں۔ جیل میں کھانے پینے کی کمی نہ تھی۔ ہر سوموار کو چار بجے بعد دوپہر تمام قیدیوں کو آدھ سیر حلوہ ملتا تھا جسے وہ ''کڑاہ پرشاد''

کہا کرتے تھے۔ روزانہ تین اور چار بجے کے دوران آدھ آدھ پاؤ بھنے ہوئے چنے اور آدھ آدھ پاؤ ہر قیدی کو گڑ ملتا تھا۔ اتوار کو کپڑے دھونے کے لیے پاؤ بھر صابن دیا جاتا تھا۔ [1]

پھوٹ ڈالو اور سیاست کرو کی روش بہت پرانی ہے۔ ہر دور میں حکمران طبقہ اس پر عامل رہا ہے۔ جن دنوں مولانا اسحاق بھٹی صاحب فرید کوٹ کی جیل میں قید تھے انھیں بھی کئی طرح کے سبز باغ دکھا کر ان قیدیوں میں سیاسی پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ بھٹی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے دشمن کی اس سازش کو ناکام کیا، بلکہ وہ سختی سے اپنے سیاسی موقف پر ثابت قدم رہے۔ جیل کے اس اہم واقعہ کو مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے گیانی ذیل سنگھ سے متعلق مضمون میں اپنی کتاب نقوش عظمت رفتہ میں اس طرح لکھا ہے:

پولیس انسپکٹر عجائب سنگھ بڑا سخت مزاج اور بدتمیز تھا لیکن اپنے مطلب کے لیے بہت میٹھا بھی تھا، ہم فرید کوٹ جیل میں تھے کہ ایک رات سخت آندھی آئی۔ وہ ''روہی'' کا علاقہ تھا اور جیل کے پچھلی جانب ریت کے ٹیلے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام ٹیلوں کی ریت نے ہماری کوٹھڑیوں پر دھاوا بول دیا ہے۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ قاضی عبیداللہ کی کوٹھڑی سے مجھے کھسر پھسر سنائی دینے لگی۔ میں منہ سر لپیٹ کر لیٹا ہوا تھا۔ منہ سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو تین چار آدمی لوہے کی سلاخوں کے ساتھ باہر کھڑے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ میں سخت حیران ہوا، سمجھنے کی کوشش کی، لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اس وقت یہ کون لوگ یہاں آئے ہیں۔ چند منٹ بعد وہی لوگ میری کوٹھڑی کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور میرا نام لے کر آواز دی۔ میں نے لیٹے لیٹے دیکھا تو ان کو پہچان نہ سکا۔ انھوں نے خود ہی اپنا تعارف کرایا۔ بولے: ''میں عجائب سنگھ پولیس انسپکٹر ہوں۔'' اس نے مجھے نرمی سے کہا: ''تم پرجامنڈل کو چھوڑ دو اور ریاست کی مسلم لیگ میں شامل ہو کر اس کو مضبوط بناؤ۔'' میں نے کہا: ''آپ کو مسلم لیگ سے کیا تعلق؟'' بولے: ''مہاراجہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی جماعت مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں، اس کو مستحکم بنائیں اور پھر اس کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے مطالبات پیش کریں، حکومت ان کی پوری مدد کرے گی

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص 550 تا 555

اور سکھوں اور ہندوؤں کے مقابلے میں ان کو ترجیح دے گی۔"

اس نے یہ بھی کہا کہ تم مسلم لیگ میں شامل ہونے اور ریاست میں اس کو مستحکم کرنے کا وعدہ کرو تو ابھی تمھیں رہا کر دیا جائے گا۔ کافی دیر اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں نہیں مانا تو اس نے دھمکی دی کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمھاری جائداد ضبط کر لی جائے گی۔ میں نے کہا: جاؤ جو جائداد میرے نام ہے اسے ضبط کر لو۔ میرے نام کچھ بھی نہیں تھا، جو کچھ تھا وہ میرے والد (میاں عبدالمجید) کے نام تھا۔

وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ میری بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ مسلم لیگ میں شامل ہو جانے کی صورت میں تمھیں بہت سی مراعات دی جائیں گی۔ اس کے بعد پتا چلا کہ قاضی عبیداللہ سے بھی اسی قسم کی باتیں کی تھیں۔"

جیل میں تو یہ صورت حال تھی جب کہ جیل سے باہر عوام میں قیدیوں سے متعلق مختلف قسم کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ انھیں جیل میں زہر دے کر مار دیا جائے گا۔ کوئی کہتا تھا کہ انھیں کسی دوسرے شہر بھیج دیا جائے گا اور ایک خبر یہ بھی تھی کہ انھیں دلی روانہ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ قیدی مہاراجہ کی دلی کی کوٹھی میں بند ہیں۔ ادھر کانگرس ہائی کمان نے پنجاب کانگرس کے صدر ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو جو انھی دنوں میں مولانا داود غزنوی کی جگہ پنجاب کانگریس کے صدر منتخب ہوئے تھے' حالات کا جائزہ لینے فرید کوٹ جیل بھیجا) ڈاکٹر صاحب جیل میں قیدیوں سے ملے اور علیحدگی میں ان کو بتایا کہ باہر تحریک بہت زور سے چل رہی ہے۔ آپ لوگ بالکل نہ گھبرائیں، دو ایک روز میں پنڈت جواہر لال نہرو یہاں آ رہے ہیں، وہ مہاراجہ سے گفتگو کریں گے۔ پرجا منڈل کے مطالبات مان لیے جائیں گے اور آپ لوگوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ریاستی حکومت تحریک کی شدت سے انتہائی پریشان ہے اور وہ جلد از جلد کوئی آبرومندانہ سمجھوتہ کرنا چاہتی ہے۔

ڈاکٹر کچلو کے دورہ جیل کے بعد وہی کچھ ہوا جس طرح وہ کہہ کر گئے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو فرید کوٹ آئے اور انھوں نے دفعہ 144 کی خلاف ورزی کر کے غلہ منڈی میں جلسہ کر کے پر جوش تقریر کی۔ راجہ فرید کوٹ ہراندر سنگھ نے اپنی کار بھیج کر پنڈت جی کو

اپنے محل میں آنے کی دعوت دی۔ وہ وہاں گئے اور دونوں نے باہم بات چیت کی اور اس کے نتیجے میں پرجا منڈل کے قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی اپنی رہائی سے متعلق نقوش عظمت رفتہ کے صفحہ 557 پر لکھتے ہیں:

رہائی اگرچہ خفیہ طریقے سے عمل میں آئی تھی، تاہم لوگوں کو اس کا پتا چل گیا تھا۔ ضروری کارروائی کے بعد جیل حکام نے ہمیں ڈیوڑھی سے باہر نکالا تو ہم نے دیکھا کہ بے شمار لوگ نعرے لگاتے ہوئے ہمارے استقبال کے لیے جیل کی طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ اس میں گیانی ذیل سنگھ بھی تھے جو سب سے بغل گیر ہو کر ملے اور ہماری رہائی اور مطالبات تسلیم کیے جانے پر مبارک باد دی۔ میں ان سب سے کم سن تھا۔ گیانی جی نے مجھ سے کہا: ''میں دو وجہ سے تمھارے متعلق فکر مند تھا، ایک اس لیے کہ تم پہلی مرتبہ جیل گئے تھے دوسرے اس لیے کہ تم باقی سب ساتھیوں سے کم عمر ہو۔ یہ لوگ تو پہلے کئی مرتبہ جیل جا چکے ہیں اور کافی عمر کے بھی ہیں۔''

رہائی کے بعد ہمارا ایک گروپ فوٹو لیا گیا' جس میں گیانی جی بھی شامل تھے اور میرے ساتھ کھڑے تھے۔ فوٹو کے بعد چیتن دیوی کی بہن سچیتا دیوی نے سب کے ماتھے پر تلک لگانا شروع کیا۔ میری باری آئی تو میں نے انکار کر دیا اور کہا: ''میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا۔'' وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئیں۔

گیانی جی نے میرے اس جواب پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ مشترکہ زندگی میں اپنے مذہب کے رسوم و رواج کو محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جہاں مذہب کا معاملہ ہو اگرچہ لوگ اسے چھوٹا ہی قرار دیں، اس کی حفاظت بہر صورت کرنی چاہیے۔''

چندر شیکھر آزاد نے ''فرید کوٹ تحریک 1946'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو 1966 میں مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر سے شائع ہوئی۔ اس کے صفحہ 64 پر قیدیوں کے نام درج ہیں۔ معنف نے محمد اسحاق بھٹی کی بجائے میرا نام محمد اسحاق اللہ لکھا ہے۔ مولانا محترم سب سے کم عمر قیدی تھے۔

1947ء کا سال اس خطے کے لوگوں کے لیے جہاں آزادی کا پیغام لایا وہیں خیر کے اس پہلو میں بہت سے لوگ بلا امتیاز مذہب و قوم شر میں بھی مبتلا ہوئے اور انھوں

نے تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر لوٹ مار اور قتل وغارت گری سے بھی گریز نہ کیا، جب کہ ریاستوں کے والی بھی عوام سے کیے ہوئے وعدوں سے منحرف ہو گئے۔ ان حالات میں مولانا محمد اسحاق بھٹی، قاضی عبیداللہ، مولانا معین الدین لکھوی صاحب ریاست فرید کوٹ کے وفد کی حیثیت سے دہلی پہنچے۔ وہاں ان کے ساتھ مشہور اہل حدیث عالم و مدرس مولانا محمد عبدہ مرحوم بھی شامل ہو گئے، جو اس وقت مدرسہ رحمانیہ دہلی میں پڑھاتے تھے۔ یہ حضرات 22 جون 1947ء کی صبح پانچ بج کر دس منٹ پر مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو ریاست فرید کوٹ کے سیاسی و مذہبی حالات سے آگاہ کیا اور ریاست کے راجہ ہرا ندر سنگھ کی وعدہ خلافیوں کی روئداد بیان کی۔ مارچ کے مہینے میں پرجا منڈل کی طرف سے مولانا آزاد کی خدمت میں ایک میمورنڈم بھی بھیجا گیا تھا۔ مولانا آزاد مرحوم نے اس ریاسی وفد سے 45 منٹ تفصیلی گفتگو کی اور مؤثر اقدامات کرنے کا وعدہ کیا اور کہا کہ۔۔۔ میں جواہر لال سے بات کروں گا اور اگر موقع ملا تو آپ کے راجا کے سامنے بھی مسئلے کی صحیح تصویر پیش کروں گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے تعلق خاطر

بھٹی صاحب مولانا آزاد مرحوم کے بہت بڑے مداح اور عقیدت مند ہیں۔ دوران گفتگو یا اثنائے میں تحریر مولانا آزاد کا تذکرہ آجائے تو بہت سے واقعات بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ انھوں نے مولانا آزاد سے متعلق ایک طویل مضمون اپنی کتاب ''بزم ارجمنداں'' میں لکھا ہے اور یہ کتاب مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اسی کتاب کا مضمون ''خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کی طرف سے ''مولانا ابوالکلام آزاد ایک نابغہ روزگار شخصیت'' کے عنوان سے 132 صفحات پر مشتمل کتابی صورت میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اس کتاب میں محترم بھٹی صاحب مولانا آزاد سے اپنی اس ملاقات کے متعلق لکھتے ہیں: ''یہ مولانا سے پہلی باقاعدہ نشہ آور ملاقات تھی۔ اس کا نشہ اب بھی اس طرح ہے جس طرح پچاس سال پہلے تھا۔''

اگست 1947ء میں جب آزادی اور تقسیم کا زمانہ قریب آیا تو خطہ ہند میں

ہنگامے اور بلوے شروع ہو چکے تھے اور پورا ہندوستان فساد کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ ایسے میں ریاست فرید کوٹ کے مسلمان بھی خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے۔ ان حالات میں ایک بار پھر مولانا اسحاق بھٹی اپنے رفقاء کے ساتھ میدان کارزار میں آئے اور سیاسی اور مذہبی لوگوں سے مل کر اپنی صورت حال سے آگاہ کر کے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ مولانا اسحاق بھٹی ان ناگفتہ بہ حالات سے متعلق لکھتے ہیں:

1947ء کے اگست میں جب ملکی حالات بہت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئے اور راولپنڈی وغیرہ علاقوں سے اروڑے سکھ ہماری ریاست میں آنا شروع ہو گئے تو گیانی ذیل سنگھ، بھائی دیال سنگھ اور ایک ہندو دوست نے جس کا نام رام لال یا رام داس تھا اور بہت مخلص اور ہمدرد آدمی تھا، راز داری کے انداز میں جھجکتے اور ڈرتے ڈرتے مجھے اور قاضی عبیداللہ سے کہا کہ فرقہ وارانہ صورت حال بدلتی جا رہی ہے، آپ دہلی جا کر مولانا ابوالکلام آزاد سے ملیں اور ریاست فرید کوٹ کے مسلمانوں کے بارے میں ان سے بات کریں۔ پھر انہی دنوں منظر عالم صاحب نے جو گوالیار کے رہنے والے اور ریاستوں کی مسلم لیگ کے صدر تھے، دہلی کے عربک کالج میں گیارہ اگست کو ریاستی مسلم لیگ کا اجلاس طلب کیا تھا، جس میں مجھے اور قاضی عبیداللہ کو دعوت شرکت دی گئی تھی۔ یہ وہی منظر عالم ہیں جو پاکستان آ گئے تھے اور کراچی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، پھر ایک زمانے میں پاکستان مسلم لیگ کے صدر بنا لیے گئے تھے۔

بہر حال میں اور قاضی عبیداللہ دہلی پہنچے اور ریاستی مسلم لیگ کے جلسے میں شامل ہوئے۔ اس اجلاس میں پورے ملک کی ریاستوں کے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں نہ کوئی فیصلہ ہو سکتا تھا، اور نہ ہوا۔ مختلف قسم کی باتیں کر کے سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

13ر اگست 1947ء کو میں اور قاضی عبیداللہ مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ ان دنوں 21 پرتھوی روڈ نئی دہلی میں رہتے تھے۔ مولانا سے ہم نے عرض کیا کہ ریاست فرید کوٹ کے مسلمان اپنے آپ کو سخت خطرے میں گھرے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ آپ اس اہم مسئلے میں ذاتی دلچسپی لیں اور ان کو خطرات سے بچانے کی

کوشش کریں۔ مولانا نے فرمایا 12 اگست کو راجا فرید کوٹ میرے پاس آئے تھے اور وہ یہیں ہیں، میں ان سے بات کرتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے ٹیلی فون پر ان سے رابطہ کیا اور فرمایا کہ ریاست فرید کوٹ کے چند مسلمان میرے پاس آئے ہیں اور اس وقت یہاں موجود ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی ریاست میں فرقہ وارایت کے خطرناک موڑ میں داخل ہو رہی ہے اور کسی بھی وقت فساد تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو آپ کی ریاست میں کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ مہاراجہ نے جواب دیا کہ میرا ریاست فرید کوٹ کے اہل کاروں سے رابطہ قائم ہے۔ میں آج واپس فرید کوٹ جا رہا ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو ریاست فرید کوٹ میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" مولانا اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں: مشرقی پنجاب کی تمام سکھ ریاستوں میں مسلمانوں کو بے پناہ جانی نقصان پہنچا، لیکن فرید کوٹ کی حدود میں کسی مسلمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور وہ سب امن وامان کے ساتھ وہاں سے نکلے۔"

پاکستان کی طرف مہاجرت

فرید کوٹ سے پاکستان ہجرت کی داستان بیان کرتے ہوئے بھٹی صاحب لکھتے ہیں: 21 اگست کو کوٹ کپورہ کی غلہ منڈی میں امن کمیٹی کا جلسہ گیانی ذیل سنگھ کے زیر صدارت ہوا۔ جلسے میں ہندو، مسلمان اور سکھ اچھی خاصی تعداد میں شریک ہوئے، سب کے چہروں پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ مقررین میں میرا اور قاضی عبیداللہ کا نام بھی شامل تھا۔ رات گیارہ بجے جلسہ ختم ہوا تو میں نے گیانی ذیل سنگھ اور دوسرے دوستوں سے کہا میں کل قصور جا رہا ہوں۔ معلوم نہیں آئندہ ملاقات ہو یا نہ ہو۔ بھائی دیال سنگھ اس وقت 65 سال کے لگ بھگ ہوں گے، مجھ سے چمٹ گئے اور بچوں کی طرح رونے لگے۔ گیانی ذیل سنگھ بھی غم میں ڈوب گئے اور بغل گیر ہوئے۔ سب کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں (گیانی اور دیال سنگھ) نے کہا۔ اگر کسی موقع پر ہماری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو ہم اس پر شرمندہ ہیں اور آپ سے معافی چاہتے ہیں۔ یہ میری ان سے آخری گفتگو اور آخری ملاقات تھی۔

دوسرے دن 21 اگست 1947ء کو میں چھوٹے بڑے ایک سو تیس افراد کے

ساتھ اپنے آبائی گھر سے صبح پانچ بجے بذریعہ ٹرک روانہ اور شام کے آٹھ بجے قصور پہنچا۔ پنتالیس میل کا یہ سفر ہم نے ٹرک کے ذریعے پندرہ گھنٹے میں طے کیا۔ میرے والد اور دوسرے بہت سے رشتے دار وہیں رہ گئے تھے۔ وہ تمام حضرات بہت بڑے قافلے کے ساتھ ہم سے ٹھیک ایک ماہ بعد 20 ستمبر 1947ء کو کوٹ کپورہ سے روانہ ہوئے (اور مختلف مصائب میں مبتلا ہو کر) 30 ستمبر کو گنڈا سنگھ والا پاکستان پہنچے۔ ❶

یہاں بھٹی صاحب کی سیاسی زندگی کا دور ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے۔

پاکستان میں اولین مسکن

اکتوبر 1947ء میں مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب اپنے خاندان کے ہمراہ چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور (تحصیل جڑاں والا، ضلع فیصل آباد) آگئے اور انھوں نے اس گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ ریاست فرید کوٹ میں یہ خاندان دینی و دنیوی لحاظ سے خوش حال تھا۔ ان کے خاندان کے بہت سے افراد وہاں ٹرانسپورٹ کا کام کرتے تھے اور ان کی ذاتی بسیں اور ٹرک چلتے تھے۔ تقسیم ملک کے وقت انھیں سب کچھ وہیں چھوڑ کر آنا پڑا۔ یہاں آ کر وہ ابتداء میں کٹھن حالات سے دوچار ہوئے۔ وہ دور ہی کچھ ایسا تھا کہ ہندوستان سے پاکستان آنے والا ہر شخص مصائب و آلام اور مشکلات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہمارے ممدوح بھٹی صاحب اور ان کے خاندان کے عالی قدر افراد صبر واستقامت کے ساتھ اس مرحلے سے گزرے اور انھوں نے حوصلے اور ہمت سے اس مشکل وقت کو گزارا۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب ان ایام اور حالات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اکتوبر 1947ء کے پہلے ہفتے میں ہم لوگ جڑاں والا (ضلع فیصل آباد) کے قریب ایک گاؤں (چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور) میں جا کر آباد ہو گئے۔ اس زمانے میں ''آباد کاری'' کو عارضی مستقل آباد کاری'' کہا جاتا تھا اور الاٹ منٹ کا نام ''عارضی مستقل الاٹ منٹ'' تھا۔ ان دنوں ہمارے گھر میں صرف ایک چارپائی تھی جو کہیں سے

❶ نقوش عظمت رفتہ، ص 581

ہمیں مل گئی تھی۔ ایک لحاف تھا جو گاؤں کے بیت المال سے ہمارے گھر پہنچا دیا گیا تھا اور غالباً سوت کے بنے ہوئے دو پرانے "کھیس" تھے۔ دو یا تین گلاس تھے اور ایک چھوٹا سا دیگچہ۔ گلاس اور دیگچہ کوٹ کپورہ سے ہمارے ساتھ آئے تھے۔ نیچے ہم "پرالی" بچھا کر سوتے تھے۔ مکان کچا تھا لیکن نیا تھا۔ اس کے باہر کے دروازے پر لال رنگ کا بڑا سا "گانا" لٹک رہا تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ یہ مکان نیا بنا ہے۔

ایک دن شام کے بعد پوری شان سے ہم اپنے گھر میں پرالی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ مولانا عطاء اللہ صاحب تشریف لائے۔ ان کے ساتھ ایک نوجوان تھے۔ تعارف کرانے پر پتا چلا کہ ان کا نام محمد یحییٰ حصاری ہے اور یہ ضلع حصار (موجودہ صوبہ ہریانہ) کے کسی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ یہ وہی محمد یحییٰ حصاری تھے جو بعد میں مولانا یحییٰ شرق پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمارے گاؤں میں ہمارے علاقے اور شہر کے لوگ ہی آباد ہیں۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کا پہلے سے ان سے تعلق تھا۔ وہ ان سب سے ملے اور پرالی کے اس بستر پر ہمارے گھر میں سوئے، جس پر ہم سوتے تھے۔ وہ دو دن ہمارے ہاں رہے [1]

نقوش عظمت رفتہ میں بھٹی صاحب نے لکھا ہے: "مولانا (عطاء اللہ) ہمارے گاؤں کے لوگوں سے ملے تو لوگ نہایت خوش ہوئے لیکن اس خوشی میں بعض لوگ رو پڑے اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، سب کا دکھ ایک تھا۔"

مارچ 1948ء میں مولانا اسحاق بھٹی کے خاندان کو حکومت کی طرف سے زرعی اراضی الاٹ ہوئی تو بھٹی صاحب نے کھیتی باڑی شروع کر دی۔ اس سے متعلق محترم بھٹی صاحب ہفت روزہ الاعتصام کی اشاعت خاص بیاد مولانا عطاء اللہ بھوجیانی میں لکھتے ہیں:

"بالآخر ہم نے یہ کیا کہ 1948ء کے مارچ میں اپنی زمین میں جو ہمارے نام الاٹ ہوئی تھی، سرکنڈے کی ایک کٹیا بنالی، جسے "جھگی" کہا جاتا ہے اور اس میں ڈیرہ لگا لیا۔ اس زمانے میں جو بہترین چارپائی اور بستر ہمیں میسر آ سکتا تھا، اسے جھگی کی زینت بنا

[1] الاعتصام اشاعت خاص بیاد مولانا عطاء اللہ بھوجیانی ص 182

دیا گیا۔ گاؤں میں جس مکان پر ہم نے قبضہ کیا، اس میں تین چیزیں پڑی تھیں۔ ایک گڑ بنانے والا بیلنا، دوسرا لوہے کا بڑا سا کڑاہا، یہ بھی گڑ بنانے کے لیے استعمال میں لایا جاتا تھا۔ تیسری چیز لکڑی کی دو بڑی بڑی کھرلیاں تھیں، جن کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ لوہے کے کڑاہے میں دو کتابیں پڑی تھیں۔ ایک جپ جی اور سکھ منی صاحب۔ یہ کتاب ہندی نظم میں تھی اور اس کے ساتھ خواجہ دل محمد کا اردو نظم میں ترجمہ تھا۔

دوسری کتاب تھی ہیر وارث شاہ۔ ان کتابوں سے اندازہ ہوا کہ اس مکان کا مالک کوئی پڑھا لکھا باذوق شخص تھا۔ یہ دونوں کتابیں اب بھی میرے پاس موجود ہیں۔

میں یہ کتابیں اپنی ''جھگی'' میں لے گیا تھا اور ایک قرآن مجید جڑاں والا سے خرید لایا تھا، وہ بھی جھگی میں رکھ لیا تھا۔ میرے پڑھنے اور مطالعے کی یہی تین چیزیں تھیں اور میرے خیال میں اس دور میں یہ بہت تھیں۔ میرے گاؤں سے جڑاں والا شہر تین میل کے فاصلے پر ہے۔ اخبار میں ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن شہر سے منگواتا تھا۔ اس زمانے میں چھ پیسے کا اخبار ملتا تھا' لیکن روزانہ چھ پیسے میں نہیں خرچ کر سکتا تھا۔ خود بھی اخبار پڑھتا تھا اور میرے پاس آنے والے لوگ بھی پڑھتے یا مجھ سے سنتے تھے۔ میری جھگی جڑاں والا کو جانے والے راستے پر تھی' اس لیے اس میں دن رات لوگوں کا میلہ سا لگا رہتا تھا۔ لوگ مجھ سے ہر طرح کی باتیں کرتے تھے۔'' سیاسی زیادہ غیر سیاسی کم۔

تجارت

1948ء کے مئی میں جب گندم کی کٹائی ختم ہوئی تو مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اپنے تین دوستوں حاجی عمر دین، کرامت علی اور عبدالشکور نمبردار سے مل کر کاروبار کرنے کا پروگرام بنایا۔ کاروبار انھوں نے یہ کیا کہ آٹھ سو من ''بھوسا'' خریدا جسے پنجابی میں ''توڑی'' کہا جاتا ہے۔ انھوں نے سن رکھا تھا کہ لاہور میں توڑی کا بھاؤ بہت تیز ہے اور یہ بے حد منافع بخش سودا ہے۔ بھٹی صاحب بزم ارجمنداں میں قاضی عبدالعزیز منصور پوری سے متعلق مضمون کے آغاز میں لکھتے ہیں ''ہم نے سوچا کہ جس بھوک ننگ کے دور سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں، لاہور کے دو تین چکروں میں اس کا خاتمہ ہو جائے گا

ور ہمارا شمار اس علاقے کے بڑے کاروباری اور امیر لوگوں میں ہونے لگے گا۔ اب ہم چار آدمیوں نے کسی طرح سو روپے کی رقم اکٹھی کی اور اپنے گاؤں کے کھلیانوں میں توڑی خریدنے چل پڑے۔ گاؤں کے سب لوگ ہمیں جانتے تھے اور ہم سب مشرقی پنجاب کے ایک ہی شہر (کوٹ کپورہ) کے رہنے والے تھے۔

انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ چند روز میں ہم بہت بڑے امیر بننے والے ہیں۔۔۔ ہم جس کھلیان اور کھیت میں جاتے ہماری بے حد آؤ بھگت کی جاتی۔ سیاسی اور سرکاری زبان میں کہنا چاہیے کہ ہمیں مکمل پروٹوکول دیا جاتا۔ ہمیں دیکھتے ہی بیٹھے ہوئے لوگ کھڑے ہو جاتے اور کام کرنے والے کام بند کر دیتے اور اچھی طرح کھیس جھاڑ کر ہمارے بیٹھنے کے لیے درخت کے سائے میں بچھا دیا جاتا اور پینے کے لیے پانی یا لسی کے گلاس خوب دھو کر ہمیں پیش کیے جاتے۔ ہم نے چھ آنے من کے حساب سے توڑی خریدنا شروع کی۔ جب خریداری بڑھ گئی تو کچھ توڑی آٹھ آنے من کے حساب سے بھی خریدی۔ اس طرح ہم نے آٹھ سو من توڑی خریدی۔۔۔ گاؤں کے کھلیانوں میں چاروں طرف ہماری توڑی کے لمبے چوڑے ڈھیر دکھائی دیتے تھے۔ اب آگے ملاحظہ فرمائیے۔ جب بھٹی صاحب توڑی لے کر لاہور کے بادامی باغ ریلوے اسٹیشن پر آئے تو یہاں کا بھاؤ مختلف تھا۔ ان حالات میں انھیں چار سو من توڑی بیچ کر 20 روپے گھاٹا پڑا۔ یعنی لینے کے بجائے دینے پڑ گئے۔ اب بقیہ چار سو من توڑی کو انھوں نے بعض لوگوں کے مشورے سے ریل کے ڈبوں میں بھرا اور راولپنڈی لے گئے۔ وہاں ریلوے اسٹیشن پر توڑی کے ایک آڑھتی سے بھٹی صاحب نے بات کی اور اس نے توڑی ریل کے دو ڈبوں سے اتروا کر اپنی تحویل میں لے لی اور وصولی کی رسید انھیں دے دی۔ رسید پر اس نے نام لکھا "محمد اسحاق خان" جڑاں والا۔ راولپنڈی ریلوے اسٹیشن پر کسی وجہ سے توڑی کے ڈھیروں کو آگ لگ گئی لیکن مولانا اسحاق صاحب کی چار سو من توڑی محفوظ رہی۔ بہت بڑی مقدار میں توڑی جل جانے سے بقیہ توڑی کا بھاؤ مہنگا ہو گیا۔ بھٹی صاحب لکھتے ہیں: مجھے تمام اخراجات نکال کر اور لاہور کا بیس روپے کا خسارہ پورا کرنے کے بعد پچپن روپے کا منافع ہوا۔ اب میں اپنی اس تجارت پر نہایت خوش تھا۔ لیکن ہماری یہ آخری تجارت تھی۔

جماعتی وابستگی اور مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کا قیام

جولائی 1948ء میں مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔اس دور میں انھیں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان سے وابستگی کا شرف حاصل ہوا۔اور مولانا سید داود غزنوی ؒ کی زیر قیادت جماعتی کام کرنے کا موقع ملا۔ ''الاعتصام'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے صحافتی میدان میں خدمات سرانجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی اور جماعت کے سیکڑوں اکابر علماء سے میل ملاقات کے مواقع میسر آئے۔مولانا اسحاق بھٹی صاحب کا شمار مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے بانی ارکان میں ہوتا ہے۔

وہ الاعتصام کی اشاعت خاص بیاد مولانا عطاء اللہ بھوجیانی میں لکھتے ہیں:

جولائی 1948ء کی پندرہ سولہ تاریخ تھی اور میں تین چار آدمیوں کے ساتھ اپنی جھگی میں بیٹھا ہوا تھا کہ چٹھی رساں آیا اور اس نے مجھے ایک پوسٹ کارڈ دیا، جس میں اس قسم کے الفاظ مرقوم تھے کہ 24 جولائی 1948ء کو علماء و زعمائے اہل حدیث کا ایک اجلاس دارالعلوم تقویۃ الاسلام (شیش محل روڈ، لاہور) میں منعقد ہو رہا ہے، جس میں جماعت اہل حدیث کی تنظیم کے مسئلے پر غور کیا جائے گا، اس اجلاس میں آپ کی شرکت نہایت ضروری ہے۔

میں تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچا تو بہت سے حضرات کی زیارت کا موقع ملا۔وہاں جا کر پتا چلا کہ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کی خدمات مولانا داود غزنوی صاحب نے حاصل کر لی ہیں اور وہ دارالعلوم میں ان کو شیخ الحدیث کی حیثیت سے لے آئے ہیں۔اس موقع پر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے نام سے جماعت کی ایک تنظیم قائم کی گئی تھی۔اس سے قبل مشرقی پاکستان میں جماعت کی تنظیم قائم ہو چکی تھی جس کے صدر مولانا عبداللہ الکافی تھے۔مغربی پاکستان میں جماعت کے نظم و نسق کی تجویز مولانا داود غزنوی کو جن حضرات نے دی تھی، ان میں پروفیسر عبدالقیوم بھی تھے اور انھی کو اس کا پہلا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا تھا۔لیکن علماء اور زعمائے اہل حدیث سے زیادہ متعارف مولانا عطاء اللہ

صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب تھے۔ اس لیے خط و کتابت اور بعد میں پیش آنے والے تنظیمی معاملات میں بنیادی حصہ انھی حضرات کا تھا بلکہ ایک لحاظ سے مولانا عطاء اللہ صاحب کا حصہ مولانا اسماعیل صاحب سے بھی زیادہ تھا۔

میں اگرچہ اہل حدیث کا نہ "علماء" تھا اور نہ "زعما" تاہم اجلاس میں شامل ہوا اور متعدد علماء و زعماء کو سلام کرنے کا شرف حاصل کیا۔

دسمبر 1948ء کو مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو مرکزی جمعیت اہل حدیث کا ناظم دفتر بنا دیا گیا تھا اور انھیں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب ان کے گاؤں سے لائے تھے۔ اس سلسلے کی باتیں بھٹی صاحب نے اپنے مختلف مضامین اور کتابوں میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ "نقوش عظمت رفتہ" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"بہر حال میں نے اپنے کھیت میں چھوٹی سی جھگی بنالی تھی اور وہیں اپنی چارپائی لے گیا تھا۔ نہری پانی وہاں عام تھا، کھیت میں دو نلکے (ہینڈ پمپ) تھے۔ روٹی صبح و شام گھر سے آجاتی تھی اور میں وہیں رہتا تھا۔" آگے لکھتے ہیں: "تین بجے کے قریب میں اپنے کھیت کی جھگی میں ہیر وارث شاہ پڑھ کر بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ تھوڑی دیر کماد میں گوڈی دے لوں کہ اتنے میں حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف تشریف لے آئے۔ پہلے وہ ہمارے گھر گئے۔ وہاں سے پتا چلا کہ میں تو "بن باس" یا "کھیت باس" ہو گیا ہوں۔ انھوں نے فرمایا، مجھے ابھی اس کے پاس پہنچاؤ۔ لیکن میرے والد اور والدہ نے ان کو روکھا سوکھا کھانا کھلائے اور موسم کے مطابق لسی پانی پلائے بغیر آنے نہیں دیا۔ وہ آئے تو میں انھیں دیکھ کر حیران ہوا اور وہ مجھے اس حال میں دیکھ کر متعجب ہوئے۔ انھوں نے فرمایا کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کل لاہور آئے تھے۔ مولانا محمد داود غزنوی اور مجھ سے مشورہ ہوا کہ جمعیت کے دفتر میں آفس سیکریٹری کا تعین نہایت ضروری ہے تاکہ لوگوں سے روزانہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہے، نیز دفتر ہر روز آٹھ دس گھنٹے کھلا رہے۔ پھر فرمایا کہ مولانا اسماعیل صاحب نے مجھ سے پوچھا: اسحاق کہاں ہے؟ میں نے بتایا تو مولانا محمد داود غزنوی اور مولانا اسماعیل صاحب دونوں نے فرمایا کہ آپ ابھی اس کے گاؤں جائیے اور جس حالت میں وہ ہے، اسے پکڑ کر یہاں لے آئیے۔ اس لیے تم ابھی تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ لیکن میں اس وقت نہیں جا سکتا تھا۔ دوسرے دن

جانے کے لیے عرض کیا۔ وہ تو میرے اصرار کے باوجود وہاں نہیں رکے، اسی وقت لاہور کو روانہ ہو گئے، لیکن میں دوسرے دن شام کے بعد جڑاں والا سے اپنے ایک عزیز محمد زکریا کے ساتھ ٹرک میں سوار ہوا اور رات بارہ بجے کے قریب شیش محل روڈ پہنچ گیا۔ دوسرے دن مولانا عطاء اللہ صاحب نے مجھے مولانا محمد داود غزنوی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انھوں نے چند باتیں پوچھیں: مولانا نے فرمایا: آزادی سے پہلے آپ کا تعلق پنجاب کے کس علاقے سے تھا؟ عرض کیا، کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ سے۔ ارشاد ہوا: ''کوٹ کپورہ کی انجمن اصلاح المسلمین کے سالانہ جلسے منعقد ہوا کرتے تھے اور وہاں ہمارے کچھ مرید بھی تھے۔ ان جلسوں میں میں اور میرے چچازاد بھائی حافظ محمد زکریا غزنوی شرکت کرتے رہے ہیں۔ میں نہایت ادب سے عرض گزار ہوا کہ سنا ہے آپ ان جلسوں میں تشریف لے جاتے رہے ہیں، لیکن یہ میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے کی بات ہے۔ سوال ہوا، ''آپ کبھی کسی ادارے کے سیکریٹری رہے ہیں اور اس کا تھوڑا بہت تجربہ ہے؟'' جواب دیا: ''جی ہاں میں ایک سال 1946ء سے اگست 1947ء تک انجمن اصلاح المسلمین کا اور دو سال ریاست فرید کوٹ کی پرجامنڈل کا جنرل سیکریٹری رہا ہوں۔

پرجامنڈل کے لفظ پر مولانا نے غور سے میری طرف دیکھا اور تعجب سے فرمایا: پرجامنڈل کے جنرل سیکریٹری؟ عرض کیا: جی ہاں! پرجامنڈل پنجاب کی ریاستوں میں آزادیٔ تحریر و تقریر کے لیے کوشاں تھی اور کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ مولانا اس پر مسکرائے اور میں نے ان کی مسکراہٹ کو اپنی حوصلہ افزائی پر محمول کیا۔ ریاستی پرجامنڈل دراصل پنجاب کی ریاستوں میں کانگرس کی بدل تھی۔ مولانا نے اس لیے اس پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ میں اس کا جنرل سیکریٹری رہا ہوں۔

فرمایا: آپ کو معلوم ہے پروفیسر عبدالقیوم صاحب مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ ہیں، جن کی ہدایات کے مطابق آپ کو کام کرنا ہے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کے ساتھ جا کر ان سے مل لیں اور کام کی نوعیت سمجھ لیں۔''

میں نے کہا: ٹھیک ہے جناب، میں اس کام کی نوعیت اور تفصیلات سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ مولانا نے اس وقت نوے (90) روپے میری تنخواہ مقرر کر دی۔ میں اجازت

لے کر کمرے سے باہر نکلنے لگا تو میرے کان میں یہ الفاظ پڑے جو انھوں نے مولانا عطاء اللہ حنیف سے فرمائے: "یہ معقول نوجوان ہے، اسے دفتر میں رکھ لینا چاہیے، محنت سے کام کرے گا۔" یہ "معقول نوجوان ہے" کے الفاظ میرے لیے بڑے مسرت انگیز تھے۔ ❶

(مولانا غزنوی) کے فرمان کے مطابق مولانا عطاء اللہ صاحب مجھے جمعیت کے ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کے مکان پر لے گئے اور ان سے تعارف ہوا۔ اس طرح مجھے جمعیت کا ناظم دفتر بنا دیا گیا۔ پھر میں لاہور آ گیا اور اس وقت سے یہاں ہوں۔ بہت کتابیں پڑھیں، بہت کتابیں خریدیں، بہت کتابیں لوگوں کو مفت دیں، بہت مضامین لکھے اور بہت سے رسائل و جرائد میں لکھے، کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ❷

لاہور گہوارہ علم اور کتابوں کا شہر ہے۔ اس بلد علم و ادب میں بے شمار اصحاب علم دوسرے شہروں سے آ کر اقامت پذیر ہوئے اور انھوں نے یہاں رہ کر علمی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

جب بھٹی صاحب لاہور تشریف لائے تو اس مرکز علمی میں بہت سی نامور شخصیات فروکش تھیں۔ یہی وہ دور تھا جب محترم بھٹی صاحب کو ان حضرات سے تعلقات استوار کرنے کے مواقع میسر آئے، تحریر و تصنیف کی رغبت ہوئی اور علمی میدان میں آگے بڑھنے کا موقع ملا۔

مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ سے تعلق خاطر

مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے 8 دسمبر 1948ء سے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم دفتر کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا تھا۔ وہ پندرہ سال مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کی وفات 16 دسمبر 1963ء تک ان کی خدمت میں رہے۔ مولانا غزنوی مرحوم کے ساتھ مل کر انھوں نے جماعت کی تعمیر و ترقی کے لیے بہت کام کیا۔ 1949ء میں جماعت اہل حدیث کے نوجوانوں کی تنظیم "جمعیت طلباء اہل حدیث" کا قیام عمل میں آیا تو اس سلسلے میں اسحاق بھٹی صاحب نے اپنے رفقاء مولانا حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی رحمہ اللہ (متوفی 4 نومبر 2008ء)، مولانا ابوبکر صدیق اور خلیل اثری (وفات 18 نومبر 2008ء) کے

❶ نقوش عظمت رفتہ ص 19 ❷ نقوش عظمت رفتہ ص 296

ہمراہ پنجاب کے بعض علاقوں کے طوفانی دورے کیے اور جماعت اہل حدیث کے نوجوانوں کو جماعتی کاموں میں متحرک کیا اور ان کی تنظیم سازی کی۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے گوناگوں اوصاف اور صلاحیتوں کی وجہ سے مولانا داود غزنویؒ ان پر بے حد اعتماد کرتے تھے، جماعتی معاملے میں ان سے مشورہ کرتے، جہاں جاتے ساتھ لے کر جاتے، جہاں خود نہیں جاسکتے تھے، وہاں بھٹی صاحب کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب مولانا غزنوی سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ اب بھی دوران گفتگو جہاں مولانا غزنوی مرحوم کا ذکر خیر آجائے تو عقیدت سے ان کی آنکھیں جھک جاتی ہیں اور وہ حضرت غزنوی صاحب کے واقعات سنانا شروع کر دیتے ہیں سناتے چلے جاتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ''نقوش عظمت رفتہ'' میں لکھتے ہیں:

مجھے بہت سے ارباب علم اور اصحاب کمال سے ملنے، ان سے باتیں کرنے اور تھوڑا یا زیادہ وقت ان کی صحبت و رفاقت میں رہنے کے مواقع میسر آئے ہیں لیکن میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مولانا داود غزنوی متعدد معاملات میں بہت سے علماء و زعماء سے فائق تر تھے اور اپنی منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ وہ با جماعت نماز پڑھتے تھے مگر خود امامت کرانے سے گریز کرتے تھے، نماز میں انتہائی خشوع و خضوع کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی تھی۔ ہر نماز کے بعد بالخصوص وظائف کا سلسلہ بہت طویل ہوتا تھا۔ ننگے سر نماز پڑھنا اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگنا ان کے نزدیک ناپسندیدہ فعل تھا۔ بھٹی صاحب مزید لکھتے ہیں:

رات کے وقت مولانا اگرچہ کتنی دیر سے سوتے، مگر نماز تہجد بالالتزام پڑھتے۔ وہ تخت ابھی ان کے گھر میں موجود ہے جس پر وہ تہجد ادا کرتے اور وظیفہ پڑھتے تھے۔ لیکن اب وہ تخت نشیں کہیں نظر نہیں آتا۔ تہجد کے بعد اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتے تھے۔ فجر کی نماز کے لیے نیچے ہال میں تشریف لاتے وقت سیڑھیوں پر ان کے جوتوں کی کھٹکھناہٹ کی آواز آتی اور جب اترتے ہوئے طلبا کو آواز دیتے: ''لڑکو اٹھ جاؤ'' تو سب طلبا آواز سنتے ہی چارپائیوں سے جلدی سے اٹھ جاتے۔ اہل علم کی بہت قدر کرتے تھے اور تمام مکاتب فقہ کے علماء کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ خانوادہ تصوف کے چشم و چراغ تھے، اس لیے

بنیادی طور پر صحیح معنوں میں صوفی تھے۔ حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی کے فرزند ارجمند اور مولانا سید عبداللہ غزنوی کے پوتے تھے۔ عالی قدر باپ اور بلند مرتبت دادے کا زہد و تقویٰ اور فضل و کمال ان کی ذات میں سمٹ آیا تھا اور اس اعتبار سے وہ ان کے صحیح جانشین تھے۔ ❶

ہفت روزہ الاعتصام کی ادارت

19 اگست 1949ء کو گوجراں والا سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کا اجرا ہوا۔ مولانا محمد حنیف ندوی اس کے مدیر بنائے گئے۔ کچھ عرصے بعد مولانا اسحاق بھٹی صاحب کو ان کا معاون مدیر بنا کر گوجراں والا بھیج دیا گیا۔ ان دنوں عارضی طور پر جمعیت کا دفتر بھی گوجراں والا میں منتقل کیا گیا تھا۔ اس کے ناظم دفتر اور الاعتصام کے معاون مدیر کی ذمہ داری بھٹی صاحب پر تھی۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بھٹی صاحب اپنی کتاب میاں فضل حق اور ان کی خدمات کے صفحہ 163 پر لکھتے ہیں:

اخبار اور جمعیت کے دفتر ایک ہی جگہ تھے اور دونوں میں، میں اکیلا کام کرتا تھا۔ نہ کوئی چپڑاسی تھا، نہ خاکروب، نہ کلرک، دن رات کام میں مصروف رہتا۔ اخبار لاہور سے چھپتا تھا، اخبار چھپوانے کے لیے بھی ہر ہفتے گوجراں والا سے لاہور آتا۔ اخبار میں مضامین اور ادارتی شذرات بھی لکھتا تھا۔ میں اخبار کے کام بالخصوص بہت شوق اور لگن سے کرتا تھا، اس لیے کہ کام سیکھنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ کام محنت اور شوق کے بغیر سیکھا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا محنت اور شوق دونوں ضروری تھے، جن پر یہ فقیر عامل تھا۔

پھر ناظم اعلیٰ (مولانا اسماعیل سلفی) صاحب کے ساتھ جمعیت کے سلسلے میں دورے پر بھی جاتا تھا۔ مولانا حنیف ندوی صاحب بھی بعض دفعہ باہر جاتے تھے۔ ''الاعتصام'' کی توسیع اشاعت کے لیے بھی گوجراں والا سے باہر جانا پڑتا تھا۔ میں اپنے متعلق بات کرنے کا عادی نہیں، اس لیے اسے یہیں رہنے دیتا ہوں۔ صرف یہ سوال البتہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اب جماعت کے ہر اخبار اور جمعیت کے دفتر میں کتنے

❶ نقوش عظمت رفتہ ص 23,22

لوگ کام کرتے ہیں اور کام کی رفتار کیا ہے؟ اور اخبارات کی حالت بحیثیت معیار و مضامین کس درجہ تسلی بخش ہے؟ کام کرنے سے ہوتا ہے، ملازموں کی کثرت اور ان کی گنتی سے نہیں ہوتا۔ جمعیت اور اخبار میں جتنا کام اس فقیر نے کیا ہے اتنا نہ کسی اور نے کیا، نہ کر سکتا ہے۔ میں بزم اہل حدیث کا نیا فرد نہیں ہوں، اللہ کے فضل سے اس جماعت کی تاریخ کے ایک ایک موڑ اور اسی طویل سفر کی راہ کے ذرہ ذرہ سے آگاہ ہوں۔

تازہ نہیں نشہ فکر سخن مجھے
تریاکئی قدیم ہوں دودِ چراغ کا

بھٹی صاحب نے معاون ایڈیٹر کی تشریح اپنے اسلوب خاص میں ایک مضمون میں کچھ اس طرح کی ہے:

معاون ایڈیٹر کا لفظ تو میں نے لکھ دیا ہے لیکن بات یہ ہے کہ میں اس اخبار میں خاکروب بھی تھا، چپڑاسی بھی تھا، کلرک بھی تھا، منیجر بھی تھا۔ اس سے آگے عرض کروں کہ بعض دفعہ اداریے اور شذرات بھی لکھا کرتا تھا، کتنے ہی شماروں میں ایسا ہوتا کہ مولانا حنیف ندوی "وزیر بے محکمہ" کی طرح پورے پرچے میں "مدیر بے تحریر" ہوتے اور ہر سطر، ہر پیرے اور ہر صفحے پر ہمارا سکہ چلتا تھا۔

بھٹی صاحب لکھتے ہیں: فروری 1950ء کے ابتدائی ہفتے میں جب مرکزی جمعیت اہل حدیث کا دفتر لاہور سے گوجراں والا عارضی طور پر منتقل ہوا تو وہ بھی گوجراں والا پہنچ گئے۔ وہاں چوک نیائیں میں جمعیت کے دفتر میں مولانا اسماعیل سلفی اور مولانا حنیف ندوی صاحب تشریف فرما تھے۔ کھلانے پلانے اور خیر و عافیت پوچھنے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ کل صبح کی نماز کے بعد کاتب کے گھر جاؤ اور اخبار کے مضامین کی پروف ریڈنگ کرو۔ بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

میں سوچنے لگا کہ ریڈنگ کے معنی ہیں پڑھنا اور پروف کہتے ہیں، دلیل، ثبوت اور گواہی کو ——! یہ اخبار کے مضامین کے پروف ریڈنگ کا کیا مطلب ہوا——؟ مضامین کو، گواہی، دلیل اور ثبوت کے لیے پڑھنا، یہ کیا بات بنی——؟ ساری رات ہم اس چکر میں رہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے—— دوسرے لفظوں میں یوں کہیے

کہ معاون ایڈیٹر صاحب پروف ریڈنگ کے لفظی معنی سے باخبر لیکن عمل سے بے خبر تھے۔ صبح کو ہم گائیڈ کے ساتھ پریشانی کے عالم میں کاتب صاحب کے گھر پہنچے۔۔۔انھوں نے ہم سے پوچھا: ''پروف ریڈنگ آپ کریں گے؟'' عرض کیا: جی ہاں۔! میں ہی کروں گا۔ یہ صرف ''ظاہر کی ہاں'' تھی، اندر سے ہل چکا تھا اور خوف طاری تھا کہ پتا نہیں پروف ریڈنگ کیا بلا ہے۔ اس زمانے میں لتھو کی طباعت چلتی تھی۔ کاتب صاحب نے پیلے رنگ کے کاغذ پر لکھے ہوئے 20x30/4 سائز کے چار پانچ صفحے مجھے دیے، ان کا مسودہ بھی دیا اور کچی پنسل بھی عنایت فرمائی۔ بولے: ان صفحات کی پروف ریڈنگ کرو۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا: اس میں کوئی غلطی ہوئی تو کہاں لگاؤں؟ انھوں نے بتایا کہ صفحے کے اس طرف لگا دو۔ اب میں ساری بات سمجھ گیا تھا اور رات سے جو پرابلم درپیش تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور یہ نکتہ حل ہو گیا تھا کہ پروف ریڈنگ عملاً کیا شَے ہے۔'' [1]

1950ء سے 1952ء تک دو ڈھائی سال بھٹی صاحب گوجرانوالہ میں رہے۔ اس سے پہلے 1940ء سے 1941ء میں بہ طور طالب علم یہاں مقیم رہے تھے۔ یہ ایک فطرتی بات ہے کہ جہاں اچھے دن گزرے ہوں وہ جگہ زندگی بھر یاد رہتی ہے۔ بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''گوجراں والا سے مجھے پیار ہے اور وہاں کے طریق گفتگو سے بھی محبت ہے۔ میں نے اس شہر میں تعلیم بھی حاصل کی اور قلم پکڑنے کا طریقہ بھی وہیں سیکھا۔''

15 مئی 1951ء کو مولانا حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے تو مرکزی جمعیت کی طرف سے ''الاعتصام'' کی تمام تر ادارتی ذمہ داری مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے سپرد کر دی گئی۔ 14 دسمبر 1952ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی طرف سے فیصلہ کیا گیا کہ جمعیت اور الاعتصام کے دفاتر گوجرانوالہ سے لاہور منتقل کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس پر فوری عمل کیا گیا اور جمعیت اور الاعتصام کے دفاتر لاہور آ گئے۔ بھٹی صاحب نے یہاں بھی اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو حسن و خوبی سے نبایا۔

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص 173

سہ روزہ منہاج کا اجراء

جنوری 1958ء کو بھٹی صاحب نے الاعتصام کی ادارت سے علیحدہ ہو کر چند مخلص دوستوں کے تعاون سے لاہور سے سہ روزہ "منہاج" جاری کیا۔ اس کا دفتر شیش محل روڈ پر تھا۔ یہ اخبار چودہ مہینے جاری رہا۔ اس کے مضامین بڑے معیاری، علمی اور تحقیقی ہوتے تھے۔ موقع کی مناسبت سے حالات حاضرہ پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی جاتی تھی۔ اپنے دور کا یہ ایک معیاری اخبار تھا۔ اس اخبار کو جماعت اہل حدیث کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی لیکن بعض ناگزیر حالات اور مالی مشکلات کے باعث کافی خسارہ اٹھانے کے بعد بالآخر اپریل 1959ء میں اس اخبار کو بند کر دیا گیا اور بھٹی صاحب نے اخبار نکالنے کے شوق سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔

مولانا داؤد غزنویؒ کے کہنے سے سوا سال کے بعد پھر الاعتصام میں واپس آ گئے۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے قیام 24 جولائی 1948ء سے 30 مئی 1965ء تک باقاعدہ مرکزی جمعیت سے وابستہ رہے۔ ابتدا میں ناظم دفتر اور پھر الاعتصام کے معاون مدیر اور پھر ایڈیٹر کی حیثیت سے۔ اس طویل عرصے میں انھیں اکابرین جماعت کے ساتھ مل کر جماعتی کام کرنے کا خوب موقع ملا۔ جمعیت کے صدر مولانا سید داود غزنوی مرحوم ان پر بے پناہ اعتماد رکھتے تھے اور جمعیت کے ناظم اعلیٰ مولانا اسماعیل سلفی مرحوم کو بھی اپنے اس شاگرد رشید پر ناز تھا۔ مولانا محمد حنیف ندوی بھی ان کی علمی وادبی صلاحیتوں سے بہت خوش تھے اور مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم بھی اپنے اس لائق شاگرد کی تحقیقی کارکردگی پر فخر کرتے تھے۔

بھٹی صاحب نے ان عالی قدر بزرگوں کے سایہ شفقت میں رہ کر ان سے علمی و عملی طور پر مستفید ہونے کی سعادت حاصل کی۔ ہماری جماعتی تاریخ کا بہت سا حصہ ایسا ہے جس کے عینی شاہد فقط بھٹی صاحب ہیں۔ جماعت اہل حدیث کی تاریخ اور بزرگوں کے بہت سے واقعات ان کی لوح ذہن پر نقش ہیں اور ان میں سے اکثر واقعات کو انھوں نے اپنی مختلف تحریروں میں صفحہ قرطاس پر مرتسم کیا ہے۔ یہ بہت بڑی خدمت ہے جو انھوں نے

اکابرین جماعت کے حالات وواقعات کوتحریری صورت میں لاکرانجام دی ہے۔

مولانا سید محمد داود غزنوی نے 16 دسمبر 1963ء کو وفات پائی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کوان کی خدمت میں 15 سال اور آٹھ دن رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولانا غزنوی مرحوم کی وفات کے کچھ عرصے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم نشر واشاعت کی طرف سے بھٹی صاحب کو خط موصول ہوا کہ آپ اخبار میں جو کچھ شائع کرنا چاہیں، وہ اداریہ ہو، ادارتی شذرات ہوں، مضامین ہوں یا چھوٹی بڑی جماعتی خبریں ہوں، کاتب کو دینے سے پہلے انھیں دکھائے جائیں، وہ اس پر دستخط کریں تو اسے شائع کیا جائے۔

بھٹی صاحب اس خط کو پڑھ کر سخت متعجب ہوئے، کیونکہ موصوف ان کے گہرے دوست تھے۔ اوران سے روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ اب خط ہی کے ذریعے بھٹی صاحب نے ان کو جواب دیا، میں سنسر شپ کا قائل نہیں۔ میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ قابل اشاعت مواد پہلے آپ سے سنسر کراؤں اور پھر اسے کاتب کو دوں۔ تمام مواد ایک ہی دفعہ کاتب کو نہیں دیا جاتا، مختلف اوقات میں دیا جاتا ہے اور ہر دفعہ کاغذ لے کر منظوری کے لیے میرا آپ کے پاس آنا یا کسی کو بھیجنا نہایت مشکل ہے۔

انھوں نے دوبارہ بھٹی صاحب کو خط لکھا کہ میں بحیثیت ناظم نشر واشاعت حکم دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ اخبار میں چھاپنا چاہیں وہ کاتب کو دینے سے پہلے مجھے ضرور دکھائیں۔

بھٹی صاحب نے ان کو جواب دیا کہ میں بحیثیت ایڈیٹر اس حکم کو ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں پندرہ سال سے خدمت ادارت انجام دے رہا ہوں۔ جماعت اور اخبار کی پالیسی کو خوب سمجھتا ہوں، آج تک اس سلسلے میں مجھ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ میں یہ ناروا پابندی قبول نہیں کرسکتا۔

ناظم نشر واشاعت صاحب کی طرف سے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اگر آپ میری بات نہیں مانیں گے تو میں آپ کی تنخواہ روک لوں گا۔ محترم بھٹی صاحب نے اس کے جواب میں ان کو لکھا:۔۔ آپ کی یہ بات ماننے کے لائق نہیں۔ تنخواہ روکنے کو جی چاہتا ہے تو بے شک روک لیجیے۔ چنانچہ "بھٹی صاحب لکھتے ہیں" کہ دس مہینے مجھے تنخواہ نہیں دی گئی اور

میں بدستور کام کرتا رہا' اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو احتجاج کرتا، کسی سے شکایت کرتا لیکن بھٹی صاحب نے اپنے اخباری صحافیوں اور مخلص دوستوں کے مشورے کے باوجود اپنی جماعت کی انتظامیہ کے خلاف کوئی بات کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان سے کہا: ''یہ میرا اور میری جماعت کا مسئلہ ہے، میں اسے کسی میٹنگ میں نہیں لانا چاہتا۔ اس سے میری جماعت کے معزز ارکان کا احترام مجروح ہوگا اور میرے اخبار کی انتظامیہ کے وقار پر زد پڑے گی۔ ان حضرات میں سے بعض میرے دوست اور بعض کرم فرما میرے بزرگ ہیں، جن کی میں عزت کرتا ہوں اور عزت کرتا رہوں گا۔ ان کے بارے میں کسی سے کیوں ایسی باتیں کہلواؤں، جنھیں میں خود پسند نہیں کرتا۔''

ان نازک حالات میں بھٹی صاحب نے نہایت صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور تنخواہ کی بندش کے باوجود الاعتصام کی ادارتی ذمہ داریوں کو نباہتے رہے۔ بلکہ انھوں نے دو نئی شیروانیاں سلوالیں، روزانہ نیا سوٹ پہن کر دفتر تشریف لاتے، اپنے کمرے سے اونچی آواز میں ''بولیاں'' گاتے کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ تنخواہ نہ ملنے سے بھٹی پریشان ہوگیا ہے۔ آخر 30/ مئی 1965ء کو بھٹی صاحب ''الاعتصام'' کی ادارت سے مستعفی ہوگئے۔

الاعتصام اور جماعت کے لیے اپنی خدمات اور پھر استعفا کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب اپنی کتاب ''نقوش عظمت رفتہ'' کے صفحہ 220 پر لکھتے ہیں: اس دن میرے کمرے سے ملحق کمرے میں حضرت مولانا (محمد اسماعیل سلفی) کے زیر صدارت مرکزی جمعیت کی مجلس عاملہ کی میٹنگ ہونے والی تھی۔ تقریباً گیارہ بجے کا وقت تھا۔ مولانا تشریف لائے اور میٹنگ کے کمرے میں جانے کے لیے میرے کمرے کے سامنے سے گزرے تو میری طرف دیکھا اور میں نے اٹھ کر نہایت احترام کے ساتھ سر جھکا کر انھیں سلام کیا۔ انھوں نے خیر و عافیت پوچھی اور آگے نکل گئے۔ ان کے بعد تین چار حضرات میرے سامنے سے گزرے، کمرے کا دروازہ کھلا تھا، نہ کسی نے مجھے السلام علیکم کہا اور نہ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر میں نے دروازہ بند کر دیا اور مندرجہ ذیل الفاظ میں استعفا لکھ کر چپراسی کے ہاتھ مولانا کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اس وقت

مجلس عاملہ کی میٹنگ شروع ہو چکی تھی۔

بخدمت جناب حضرت امیر صاحب مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزارش ہے کہ میں گزشتہ پندرہ سال سے ''الاعتصام'' کی ادارت سے وابستہ ہوں۔ میں نے اس عرصے میں کوشش کی ہے کہ اخبار میں مندرجہ ذیل خصوصیات کو اجاگر کروں۔

1- اسے ادبی و معیاری اسلوب اظہار سے بہرہ مند کروں۔
2- اس کی دینی سطح کو مناظرات سے اونچا رکھوں۔
3- اہل حدیث کے تصورات اور دعوت کو اس انداز سے پیش کروں کہ ملک کا پڑھا لکھا طبقہ اس سے متاثر ہو۔
4- سب سے بڑھ کر یہ کہ صحافت و قلم کی توقیر و احترام کو مجروح نہ ہونے دوں۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں ان چاروں مقاصد میں کامیاب رہا۔ اس کا اعتراف وقتاً فوقتاً نہ صرف جماعت کے ذی علم افراد نے کیا، بلکہ ملک اور بیرون ملک کے علمی رسائل و جرائد نے بھی کیا۔

اور جب تک مجھے آزادی سے کام کرنے کا موقع میسر رہا ''الاعتصام'' کے حلقہ اشاعت میں اتنی وسعت پیدا ہوئی کہ جماعت کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ ہے میری خدمات کا سمٹا ہوا اور مختصر تعارف۔

جب تک حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی نور اللہ مرقدہ زندہ رہے، مجھے ان مقاصد کی تکمیل کے سلسلے میں کبھی کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا، لیکن ان کی وفات کے بعد حالات بالکل بدل گئے اور بعض حضرات نے خلفشار کی مہم اس انداز سے چلائی کہ قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہونے لگیں۔ اس صورت حال کا منطقی ردعمل یہ ہوا کہ کام کی رفتار یکسر بدل گئی۔ اب کام کے معنی یہ ٹھہرے کہ اصول اور نصب العین پر کاربند رہنے کی بجائے بعض حضرات کے سامنے جھکو اور ان کے کوچہ و در کا طواف کرو۔ میں چونکہ اس خو بو کو اپنا نہیں سکا، اس لیے معتوب ٹھہرا، میری تنخواہ روکی گئی، کئی کئی ماہ تنخواہ سے محروم رکھ کر میرے صبر و ضبط کا

امتحان لیا گیا اور ایسی پابندیاں عائد کی گئیں، جن کو کوئی پڑھا لکھا، خوددار اور محبّ مسلک اہل حدیث برداشت نہیں کر سکتا۔

حالات کی اس ناسازگاری کے باوجود میں محض آپ کے حکم سے کام کرتا رہا، لیکن آپ کی مجبوریاں جانتا ہوں، اس لیے احتجاجاً ''الاعتصام'' کی ادارت سے استعفا پیش کرتا ہوں۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ پندرہ سال کے اس تعلق کو یوں ختم کروں، مگر دیکھ رہا ہوں کہ مزاج اس حد تک بدل چکا ہے کہ اس میں بددیانتوں کو گوارا کر لیا جاتا ہے، چغل خوروں اور حسابات میں خورد برد کرنے والوں سے محبت و شفقت کا سلوک روا رکھا جاتا ہے لیکن اس میں کسی خوددار اور پڑھے لکھے دیانت دار آدمی کے لیے گنجائش نہیں۔ کیا یہ اس لیے اور محض اس لیے نہیں کہ میں بعض حضرات کی خوش نودی اور رضا کے لیے طواف و زیارت کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔

میں آج 30 مئی 1965ء کو یہ استعفا پیش کر رہا ہوں، میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ استعفا آج ہی منظور فرما لیا جائے۔ 4 جون 1965ء کا اخبار چھپ چکا ہے جو میں نے مرتب کیا ہے اور بحیثیت مدیر اس کی پیشانی پر میرا نام لکھا ہوا ہے۔ اب 11 جون 1965ء کے شمارے کی لوح پر بحیثیت مدیر میرا نام نہ لکھا جائے۔ میں الاعتصام کی ادارت سے مستعفی ہوتا ہوں' مگر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا قلم مسلک اہل حدیث کی خدمت کے لیے ہمیشہ متحرک رہے گا۔

محمد اسحاق

۳۰ مئی ۱۹۶۵ء

حضرت مولانا نے میرا استعفا مجلس عاملہ میں پیش کیا اور ازراہ کرم اسی وقت منظور فرما لیا گیا۔ اب میں ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں ٹھہرا، دامن جھاڑ کر فوراً باہر آ گیا۔ حاضرینِ دفتر میں سے نہ کسی نے مجھے سلام کیا اور نہ میں نے کسی کو سلام کہنے کی ضرورت محسوس کی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے بہت بڑا بوجھ سر سے اتر گیا ہو۔

یہ تو میں عرض کر چکا ہوں کہ کئی مہینوں سے میری تنخواہ رکی ہوئی تھی۔ لیکن سوال یہ

ہے کہ میری گزر اوقات کی کیا صورت تھی؟ جواب یہ ہے کہ میں روزنامہ ''امروز'' میں جمعے اور اتوار کو (ہفتے میں دو مضمون) لکھتا تھا۔ ''الاعتصام'' سے مجھے دو سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اور اس زمانے میں یہ معقول تنخواہ تھی۔ لیکن ''امروز'' کے مضامین سے مجھے اس سے دوگنا آمدنی ہو جاتی تھی۔ امروز کا اس زمانے میں جمعے کے دن 20x30/4 سائز کے آٹھ صفحات پر مشتمل اسلامی ایڈیشن شائع ہوتا تھا۔ مجھے تین سو روپے ماہانہ پر اس کی ادارت کی پیش کش ہوئی۔ لیکن میں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ''میں مسلک اہل حدیث ہی کی خدمت کروں گا۔''

ہفت روزہ توحید کی ادارت

الاعتصام سے علیحدگی کے بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی کی مشاورت مولانا سید داود غزنویؒ کے صاحب زادے سید ابوبکر غزنوی سے ہوئی اور طے پایا کہ ہفت روزہ ''توحید'' جاری کیا جائے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا محمد اسحاق بھٹی ہوں گے جب کہ ابوبکر غزنوی اس کے تمام اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور اس کے پبلشر ہوں گے مولانا داؤد غزنوی بڑے صاحب زادے سید عمر فاروق غزنوی اصل میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے امرتسر سے ہفت روزہ ''توحید'' جاری کیا تھا، جس کا پہلا شمارہ یکم اپریل 1927ء کو شائع ہوا تھا اور آخری شمارہ یکم مئی 1929ء کو چھپا تھا۔ اس طرح یہ اخبار صرف دو سال اور ایک مہینا جاری رہ سکا تھا۔ اب اسے دوبارہ جاری کرنے کا عزم کیا گیا۔ جولائی 1965ء میں ''توحید'' میدان صحافت میں آ گیا۔ 20x30/4 کے بیس صفحات پر پرچہ نہایت شان سے چھپا۔ پہلا صفحہ رنگین گیٹ اپ، کاغذ، مضامین، ہر اعتبار سے دیدہ زیب اور دلکش ۔۔۔! لیکن کچھ عرصے بعد بھٹی صاحب اخبار توحید سے الگ ہو گئے اور ان کے علیحدہ ہونے کے تھوڑے عرصے بعد ''توحید'' اپنی اشاعت کے چار پانچ ماہ پورے کر کے بند ہو گیا۔ سید ابوبکر غزنوی مرحوم نے بھٹی صاحب سے ''توحید'' سے علیحدگی کی وجہ پوچھی تو بھٹی صاحب نے جواب میں خاموشی کو ترجیح دی۔ یہ 18 ستمبر 1965ء کی بات ہے جب پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہو رہی تھی۔ سید ابوبکر غزنوی صاحب نے کہا کہ جنگ کا زمانہ ہے اور مستقبل تاریک

ہے۔ بھٹی صاحب نے جواب دیا: مستقبل میرے اور آپ کے تاریک کہنے سے روشن نہیں ہوسکتا اور روشن کہنے سے تاریک نہیں ہوسکتا، یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب بڑے حوصلہ مند اور قناعت پسند آدمی ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ حالات کیسے بھی حوصلہ شکن ہوں، قلم کے مزدور کو کیا فرق پڑتا ہے، محنت کش کے لیے دو وقت کی روٹی کوئی مسئلہ نہیں۔ گھبراتے تو حریص ہیں۔

اب مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے سفر حیات کا ایک نیا موڑ شروع ہوتا ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی

ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ ختم ہوئی تو مولانا بھٹی صاحب اپنی بیوی کو لے کر اپنے گاؤں (چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور) چلے گئے۔ یہ گاؤں جڑاں والا سے تین میل آگے فیصل آباد روڈ پر واقع ہے۔ بھٹی صاحب نے بیوی کو گاؤں چھوڑا اور خود لاہور واپس آگئے۔ ان دنوں ان کی رہائش لوہاری دروازے کے اندر کرائے کے مکان میں تھی۔ سعید احمد بھٹی ان کے چھوٹے بھائی ان کے پاس تھے۔ 20 /اکتوبر 1965ء کی شام کو بھٹی صاحب اپنے ایک دوست کے ہاں کرشن نگر گئے۔ جاتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی سعید احمد کو کہہ گئے کہ میں کچھ دیر ٹھہر کر آؤں گا، اگر کوئی صاحب آئیں تو انھیں چائے وغیرہ پلانا۔ دو گھنٹے بعد بھٹی صاحب واپس آئے تو پتا چلا کہ تین صاحبان آئے تھے۔ مولانا محمد حنیف ندوی، رئیس احمد جعفری اور (گوجراں والا سے) اسماعیل ضیا۔ انھوں نے کھڑے کھڑے بھٹی صاحب کے متعلق پوچھا اور رئیس صاحب نے پیغام دیا کہ (اسحاق صاحب) کل سے ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازم ہوگئے ہیں۔ صبح نو بجے مجھے گھر آ کر ملیں۔

بھٹی صاحب یہ پیغام سن کر حیران ہوئے اور انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی سعید سے کہا تمھیں بات سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ میں ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازم کیسے ہو گیا۔ نہ میں نے درخواست دی اور نہ کسی سے اس موضوع پر بات کی۔

خیر اگلے روز بھٹی صاحب صبح 9 بجے رئیس احمد جعفری صاحب کے مکان پر پہنچے وہ ٹیگور پارک میں کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ ان کی بیگم آفتاب بیگم سے ملاقات

ہوئی۔ انھوں نے بتایا کل رئیس صاحب آپ کو ملازمت کی خوش خبری دینے گئے تھے' آپ گھر پر نہیں تھے۔ اتنے میں رئیس صاحب آ گئے۔ وہ عام طور پر بھٹی صاحب کو "میری جان" کہا کرتے تھے۔ وہ بولے میری جان کل میں اور حنیف صاحب اور اسماعیل ضیا آپ کے گھر گئے اور آپ نہیں تھے۔ آج سے آپ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازم ہو گئے ہیں، اب میرے ساتھ چائے پی جیئے اور پھر دفتر پہنچیے۔ میں تھوڑی دیر تک آ رہا ہوں۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب دفتر پہنچے، تھوڑی دیر بعد رئیس صاحب آ گئے۔ اس وقت ادارہ ثقافت اسلامیہ کے اکیڈمک ڈائریکٹر ایم ایم شریف تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی وہ نہایت احترام سے پیش آئے اور کہنے لگے: اسحاق صاحب ہم فی الحال آپ کو تین سو ماہانہ دے سکیں گے۔" اس طرح بھٹی صاحب 21 اکتوبر 1965ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہو گئے اور ان کے بقول ادارہ ثقافت اسلامیہ ان کے لیے علاقہ غیر نہ تھا۔ مولانا حنیف ندوی، شاہ محمد جعفر پھلواروی، رئیس احمد جعفری اور شاہد حسین رزاقی جو پہلے سے ادارے سے منسلک تھے' ان سب سے ان کے دوستانہ مراسم تھے' اور بھٹی صاحب اکثر ادارے میں آتے رہتے تھے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ 1950ء میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے قائم کیا تھا۔ انھوں نے ادارے کے لیے تھوڑے عرصے میں ہی بہت سی علمی اور نابغہ عصر شخصیات کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ خلیفہ صاحب نے 1959ء میں وفات پائی۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے اکتوبر 1965ء سے 16 مارچ 1996ء تک ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔ بائیس سال ادارے کے ماہنامہ "المعارف" کے ایڈیٹر رہے۔ یہ خالص علمی اور تحقیقی مجلہ تھا' جس میں بے شمار مضامین و مقالات لکھے۔ ادارے کی طرف سے شائع ہونے والے مجلّہ "ثقافت" میں (جو بعد میں المعارف کے نام سے موسوم کر دیا گیا) بھٹی صاحب لکھتے رہے۔ المعارف میں ان کے لکھے ہوئے اداریے اور علمی و تحقیقی مضامین اہل علم دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ بھٹی صاحب تیس سال ادارے سے وابستہ رہے۔

ادارے کی طرف سے شائع ہونے والی ان کی کتب اہل علم اور تحقیقی ذوق رکھنے والوں کے ہاں سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ اپنے موضوع پر وہ انوکھے انداز کی کتابیں

ہیں۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں رہ کر بھٹی صاحب نے جو تصنیفی خدمات سرانجام دیں اس کی تفصیل یہ ہے:

تصانیف وتراجم

الفہرست ابن الندیم

محمد بن اسحاق ابن الندیم بغدادی چوتھی صدی ہجری کے نامور محقق اور مؤرخ تھے۔ انھوں نے اپنی اس کتاب "الفہرست" میں چوتھی صدی ہجری تک' تمام علوم وفنون سے متعلق معلومات جمع کر دی ہیں۔ یہ ضخیم کتاب معلومات کا بحر زخار ہے اور تاریخ ورجال کے فن اور دیگر علوم وفنون کے بارے یہ مستند بنیادی حوالے کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ بھٹی صاحب نے اس اہم کتاب کو عربی سے اردو کے قالب میں ڈھالا اور اس کے بہت سے مقامات پر مفید حواشی لکھے۔ ترجمہ رواں، شگفتہ اور سلیس ہے۔ 914 صفحات پر پھیلا ہوا یہ ترجمہ تحشیہ بلاشبہ بھٹی صاحب کا عظیم کارنامہ اور مطالعہ کے شائقین کے لیے انمول تحفہ ہے۔ یہ ترجمہ 1969ء میں پہلی بار طبع ہوا اور کسی بھی زبان میں کیا جانے والا الفہرست کا یہ اولین ترجمہ ہے جو عربی سے اردو میں ہوا۔

برصغیر پاک وہند میں علم فقہ

اپنے موضوع کی یہ پہلی کتاب ہے جو اردو زبان میں تحریر ہوئی۔ اس میں سلطان غیاث الدین بلبن (686ھ) کے عہد سے لے کر سلطان اورنگ زیب عالم گیر (1118ھ) تک کے دور تک کی فقہی کاوشوں کو ضبط کتابت میں لایا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ برصغیر، علم فقہ سے کیسے آشنا ہوا۔ نیز اس کتاب میں اس خطہ ارض میں تالیف کی جانے والی فقہی کتب، فتاویٰ غیاثیہ، فتاویٰ قراخانی، فوائد فیروز شاہی، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ حمادیہ، فتاویٰ ابراہیم شاہی (حصہ فارسی) فتاویٰ امینیہ، فتاویٰ بابری اور فتاویٰ عالم گیری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے مؤلفین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ بھٹی صاحب نے کتاب کے مقدمے میں فقہ کی تعریف، اس کی ضرورت واہمیت

اور قرآن وحدیث سے اس کے بنیادی تعلق کو بھی بیان کیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ بڑا وقیع اور معلومات کا خزینہ ہے جس میں علم فقہ سے متعلق بہت سی باتیں آ گئی ہیں۔ یہ کتاب چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی بار جون 1973ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔

فقہائے ہند

یہ کتاب دس جلدوں میں ہے۔ اس میں پہلی صدی سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے برصغیر کے ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور شیعہ علمائے کرام اور فقہائے عظام کے حالات و واقعات نہایت ادب واحترام سے حیطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔

ہر بزرگ کے تذکرے میں بتایا گیا ہے کہ وہ کس مسلک، فقہ اور عقیدے کے حامل تھے اور علمی و عملی طور پر انھوں نے کیا کارنامے سرانجام دیے۔ یہ اپنے موضوع کی ایک نہایت تحقیقی کتاب ہے جو سینکڑوں فقہا کی زندگی کے علمی کارناموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے بہت سے فقہاء کے حالات بھٹی صاحب نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے صفحہ قرطاس پر مرتسم کیے ہیں۔ ہر جلد کے شروع میں لائق مصنف نے ایک جامع مقدمہ لکھا ہے جو اس دور کی علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ اس عظیم کتاب کے مقدمات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ فقہائے ہند کی دس جلدوں کی تفصیل یہ ہے:

فقہائے ہند جلد اول: پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک صفحات 328 طبع 1974ء

فقہائے ہند جلد دوم: نویں صدی ہجری صفحات 264 طبع 1975ء

فقہائے ہند جلد سوم: دسویں صدی ہجری صفحات 400 طبع 1976ء

فقہائے ہند جلد چہارم حصہ اول: گیارھویں صدی ہجری صفحات 280 طبع 1977ء

فقہائے ہند جلد چہارم حصہ دوم: گیارھویں صدی ہجری صفحات 416 طبع 1978ء
فقہائے ہند جلد پنجم حصہ اول: بارھویں صدی ہجری صفحات 352 طبع 1979ء
فقہائے ہند جلد پنجم حصہ دوم: بارھویں صدی ہجری صفحات 428 طبع 1981ء
فقہائے پاک و ہند جلد اول: تیرھویں صدی ہجری صفحات 344 طبع 1982ء
فقہائے پاک و ہند جلد دوم: تیرھویں صدی ہجری صفحات 270 طبع 1984ء
فقہائے پاک و ہند جلد سوم: تیرھویں صدی ہجری صفحات 452 طبع 1989ء

برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش

اس کتاب میں ان پچیس (25) صحابہ کرام، 42 تابعین اور 18 تبع تابعین کے حالات شرح و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں جو اشاعت اسلام یا کسی دوسرے سلسلے میں برصغیر میں وارد ہوئے۔ کتاب کے شروع میں ایک جامع مقدمہ ہے جس میں عرب ہند کے باہمی تعلقات اور بعض ہندوستانی قوموں کے عرب علاقوں میں جا کر آباد ہونے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی تعداد 224 ہے۔ طبع 1989ء لاہور۔

ارمغان حنیف

مولانا محمد حنیف ندوی رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑی علمی شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی علمی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ مصنف و محقق، فلسفہ اسلامی کے اونچے درجے کے اسکالر اور قرآن حکیم کے بلند پایہ مفسر تھے۔ قدیم و جدید اسلامی علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس کتاب میں مولانا حنیف ندوی کی علمی خدمات اور حالات زندگی کو خوبصورت اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 371 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک باب ندوی صاحب کے لطائف و واقعات پر مشتمل ہے جو بھٹی صاحب کے بلند ادبی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ طبع 1989ء

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ان کتب کی تالیف و تصنیف اور تراجم کے علاوہ بھٹی صاحب نے جن کتب کو ایڈٹ کیا ان میں (1) اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ از ڈاکٹر محمد ایوب قادری (2) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات از ڈاکٹر ثریا ڈار (3) شروح صحیح بخاری از غزالہ حامد (4) پیغمبر انسانیت از مولانا شاہ جعفر

پھلواری (5) فقہ عمر، مترجم ابویحییٰ خان نوشہروی۔ ان کتابوں کو بھٹی صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ایڈٹ کیا۔ ان پر جامع مقدمات لکھے اور شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

ان کے علاوہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے لیے ''جمع وتدوین قرآن، فضائل قرآن، مضامین قرآن، واقعات وقصص قرآن اور اعجاز قرآن کے نام سے مفصل مقالات لکھے۔ علاوہ ازیں متعدد دیگر موضوعات پر بھی تیس بتیس مقالات لکھے جو تمام کے تمام اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کی مختلف جلدوں میں شائع ہوئے۔

شخصی خاکہ نگاری

اب ان کتب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے جو بھٹی صاحب نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے علاوہ تصنیف کیں۔ چند سال پہلے بھٹی صاحب نے ''قومی ڈائجسٹ'' لاہور میں نامور شخصیات کے سوانحی خاکے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ سب سے پہلا شخصی خاکہ گیانی ذیل سنگھ پر لکھا جس کا عنوان تھا ''کچے گھر سے قصر صدارت تک۔'' علی ارشد صاحب نے اس مضمون کو فیصل آباد سے کتابت کروایا۔ محترم بھٹی صاحب کی خواہش پر وہ کتابی صورت میں شائع کر کے ہندوستان لے جانا چاہتے تھے۔ اس کتابت شدہ مضمون کو مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے دیکھا تو انہوں نے اصرار کیا کہ اسے قومی ڈائجسٹ میں شائع کیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے ''قومی ڈائجسٹ'' کے معاون مدیر جناب تنویر قیصر شاہد کو بھٹی صاحب کے پاس بھیجا اور ادارتی نوٹ کے ساتھ مضمون شائع کیا۔

تنویر قیصر شاہد آج کل روزنامہ ''ایکسپریس'' اسلام آباد کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر ہیں اور ان کا کالم ''تعاقب'' کے عنوان سے اس اخبار میں چھپتا ہے۔ بھٹی صاحب سے طویل عرصے سے ان کا یارانہ قائم ہے۔

اس مضمون کو بے حد پذیرائی حاصل ہوئی لوگوں نے بھٹی صاحب کے منفرد انداز تحریر کو بڑا پسند کیا۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور قومی ڈائجسٹ میں عرصہ دراز تک بھٹی صاحب کے لکھے ہوئے شخصی خاکے اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ پھر ان میں کچھ اضافے کیے گئے اور

کچھ نئے خاکے لکھے گئے۔ 1997ء میں یہ خاکے مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئے۔

اب تک بھٹی صاحب کے لکھے ہوئے خاکوں کے چار مجموعے ''نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، کاروان سلف اور قافلہ حدیث اشاعت پذیر ہو کر منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ ان چار مجموعوں کے تعارف سے پہلے بھٹی صاحب کے اسلوب نگارش پر نامور اصحاب قلم کی رائے کا اظہار ضروری ہے۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسحاق بھٹی اردو کے صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز ہیں۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف اور بلند پایہ محقق ہیں۔ وہ مستند عالم دین بھی ہیں، ان کی زندگی کا طویل حصہ صحافت میں بسر ہوا۔ انھوں نے ہر طرح کے مسائل پر لکھا ہے، ان کے موضوعات و مباحث کا دائرہ ادب و سیاست، تاریخ و تعلیم، سیرت و سوانح، مذہب و صحافت اور اس کے مختلف گوشوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کی تحریروں میں معلومات اور علمی نکات کی فراوانی ہوتی ہے۔ ان کے قلم اور زبان، دونوں سے لطائف کے پھول جھڑتے ہیں۔ وہ تحریر میں افکار کے موتی پروتے ہیں۔ ان کی تحریرات متن کے حسن اور اسلوب نگارش کی رنگینی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ افکار و معانی کا طلسم قاری کے احساسات پر چھا جاتا ہے۔ ان کے گلشن زار الفاظ و مضامین کا زائر و سائر ایک بار دیکھا، دوبارہ دیکھنے کی ہوس کا نعرہ لگاتا ہے اور اس کے سحر حلال سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ مختصر اور مفصل دونوں طرح کی تحریریں لکھنے پر قادر ہیں۔ ان کے اختصار میں اعجاز اور تفصیل میں دل کشی کی خوبی موجود ہوتی ہے۔ وہ بات سے بات پیدا کرتے اور مضامین و مباحث کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں، لیکن تحریر و نگارش کی رنگینی، بیان کی طوالت اور واقعات کی تفصیل کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ ان کی تحریر و نگارش کی سحر انگیزیاں اور افکار و معانی کی قیامت خیزیاں ان کی تمام تحریروں اور تصنیفوں میں موجود ہیں۔''

نوائے وقت لاہور کے ایک معروف کالم نگار، ادیب و صحافی صاحب زادہ خورشید گیلانی تھے جو وفات پا چکے ہیں۔ مسلکی اعتبار سے بریلوی حنفی تھے۔ گیلانی مرحوم

نے اپنی کتاب ''رشک زمانہ لوگ'' میں ''گم نام مگر بلند مقام'' کے عنوان سے بھٹی صاحب سے متعلق لکھا ہے:

''نقوش عظمت رفتہ'' اور ''بزم ارجمنداں'' دراصل مولانا محمد اسحاق بھٹی کی شگفتہ، شائستہ اور ان کے منفرد اسلوب نگارش کی نمائندہ کتابیں ہیں، جنھیں پڑھتے ہوئے نہ دماغ تھکتا ہے اور نہ دل بھرتا ہے۔ سبک لہجہ اور رواں اسلوب۔

جنھوں نے بھٹی صاحب کو دیکھا ہے یا ان سے ملاقات کی ہے ان کی تین باتیں انھیں ورطہ حیرت میں ڈالتی ہیں، ایک یہ کہ وہ ریاست فرید کوٹ کے سکہ بند ''پنجابی'' ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ ''مولانا'' ہیں اور تیسری یہ کہ وہ مسلک کے اعتبار سے باعمل ''اہل حدیث'' ہیں لیکن اردو اتنی صاف اور سلیس لکھتے ہیں کہ ان پر اہل زبان ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ کہیں گرہ نہیں، اغلاق نہیں، آورد نہیں اور عیب نہیں اور اس سے بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ وہ ''مولانا'' تو پکے ہیں یعنی صحیح معنوں میں عالم، قرآن وحدیث، سیرت، تاریخ و فقہ پر مکمل عبور مگر عبا پوش ہیں، نہ دستار بند۔ نہ تسبیح بدست اور نہ صافہ بداماں۔ نہ لوٹا ساتھ رکھتے ہیں اور نہ عصا ہاتھ میں تھامتے ہیں۔ مناسب اور موزوں داڑھی، عام شہریوں جیسا لباس اور ساندہ میں دوسرے محلے داروں کی طرح رہائش اور بود وباش۔ ان کے ماتھے پر علم کی خشونت نام کو نہیں۔ آواز بھاری ضرور ہے مگر اس پر درشتی طاری نہیں ہونے دیتے۔ ہر لاحقے سابقے کے بغیر صرف اپنے نام پر اکتفا کرتے ہیں۔

اور تیسری بات ان کا اہل حدیث ہونا، وہ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں، آمین بالجہر کہتے ہیں اور فاتحہ خلف الامام پڑھتے ہیں مگر نہ کسی حنفی سے الجھتے ہیں اور نہ لڑتے ہیں۔ وہ اپنے مشرب کے پابند ہیں' کسی منصب کے دعوے دار نہیں، انھیں مل کر ہر ایک کو یہی احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک وضع دار، بردبار، روادار شخص سے ملے ہیں۔ نہ تکبر، نہ غرور اور نہ تصنع، نہ تنفر، ورنہ جتنا علمی کام وہ کر چکے ہیں اگر کوئی اس کا بیسواں حصہ بھی کرلے تو وہ رازی وغزالی کو اپنے پاس بیٹھنے تو کجا پھٹکنے بھی نہ دے اور ایک جہازی سائز کا اشتہار صرف اپنے القاب وخطابات کے لیے وقف کر دے۔ مولانا اسحاق بھٹی بلند مقام تو ہیں مگر رہے گمنام کہ یہی اچھے لوگوں کا خاصہ ہے۔''

پروفیسر عبدالجبار شاکر وفات 13 اکتوبر 2009ء بھٹی صاحب سے متعلق ان کی کتاب ''قاضی محمد سلیمان منصور پوری'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''انھوں اسحاق بھٹی نے تن تنہا تحقیق کے جو ہفت خواں طے کیے، یہ ان کی شخصیت کے جوہر کو نمایاں کرتے ہیں۔ قدرت نے انھیں ایک ایسا اسلوب عطا کیا ہے جو اردو زبان وادب کے اسالیب میں ایک انفرادیت کا حامل ہے۔ ان کے ہاں معروف ادیبوں اور دانشوروں کی طرح نہ تو حکمائے مغرب کی کتابوں کے اقتباسات ہیں اور نہ وہ اپنے مطالب کے اظہار کے لیے مشکل تراکیب اور ادق اصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کے ہاں اسلوب میں ابلاغ کی حد درجہ خوبی دکھائی دیتی ہے۔ ان کا قلم شستہ اور پیرایہ شگفتہ ہے۔ سادگی میں پرکاری کے نقوش ان کی تحریر کا خاصہ ہے۔ انھوں نے نصف صدی تک جو علمی جواہر پیدا کیے ہیں، ان میں ابوالکلام کی نثری بلاغت، شبلی کی مؤرخانہ بصیرت، سید سلیمان ندوی کا اسلوب تحقیق، مولانا مودودی کا دعوتی انداز، رشید احمد صدیقی کی سی شگفتہ نگاری، مولوی عبدالحق کی سی سادہ بیانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی جامعیت، مولانا محمد حنیف ندوی کا حکیمانہ اسلوب' مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی سادگی اور کتاب دوستی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کی طلاقت لسانی کی جھلکیاں ان کی تحریروں کے مختلف صفحات پر نمایاں دکھائی دیتی ہیں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر بھٹی صاحب کی کتاب ''میاں عبدالعزیز مالواڈہ'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

ان کا اشہب قلم نئے سے نئے میدانوں میں شہسواری کے کمالات دکھا رہا ہے۔ بھٹی صاحب کی شخصیت عجیب دلآویزیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کے مطالعے میں بے پناہ وسعت ہے۔ ان کے حافظے اور استحضار پر ایک عالم کو رشک ہے۔ ان کے اسلوب کی چاشنی دیدنی ہے۔ ان کی گفتگو وہ کہیں اور سنا کرے کوئی، کے مصداق ہے۔ اسلوب اگر اعلیٰ ابلاغ کے تقاضوں کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ اس دور کے صاحب طرز ادیب ہیں۔ زبان کی سادگی اور شگفتگی نے ان کے طرز نگارش کو ایک انفرادیت عطا کی ہے۔ قلم کی شستگی اور اسلوب کی شگفتگی نے ان کی ہر کتاب میں ایک عجیب جادو جگا رکھا ہے۔ مگر ان کے اسلوب کی اصل رنگت، ان

کے خاکوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ ذرا ''نقوش عظمت رفتہ'' کے صفحات کو دیکھیے۔ ''بزم ارجمنداں'' کے اوراق الٹیے۔ ''کاروان سلف'' کی شخصیات کا مطالعہ کیجیے۔ ''محفل دانشمنداں'' میں بیٹھیے اور ''قافلہ حدیث'' کے ہم رکاب چلیے، کیا کیا اور کیسے کیسے اسالیب کے طلسمات کی کرشمہ سازی ہے۔ ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مولانا محمد ادریس ہاشمی وفات 25 مئی 2010ء جماعت غرباء اہل حدیث پنجاب کے جنرل سیکریٹری تھے۔ وہ معروف صاحب علم اور نہایت وسیع النظر انسان تھے۔ وہ مولانا اسحاق بھٹی صاحب کی کتاب ''کاروان سلف'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے ماہنامہ ''صدائے ہوش'' لاہور کی اگست 2000ء کی اشاعت میں ادارتی صفحات پر لکھتے ہیں:

''مشہور عالم دین، صاحب طرز ادیب، مؤرخ وسوانح نگار، سیرت نگاری کے بے تاج بادشاہ اور سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی قلم کاری کا تازہ شاہکار ''کاروان سلف'' شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکا اور بلامبالغہ یہ حسین شاہکار ہے۔ موصوف کے قلم سے اس سے قبل ماضی قریب میں برصغیر پاک وہند کی نامور شخصیات کے سوانحی خاکوں پر مشتمل دو مجموعے موسومہ ''نقوش عظمت رفتہ'' اور ''بزم ارجمنداں'' شائع ہو کر عوام وخواص سے خراج تحسین وصول پا چکے ہیں۔ ان میں موصوف نے اہل حدیث حضرات کے علاوہ دیوبندی، بریلوی، شیعہ اور بعض غیر مسلم شخصیات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ اگرچہ بعض کم فہم ''وہابیوں'' نے اس پر ناک بھوں بھی چڑھایا، مگر ہمارے نزدیک ان کتب کا یہی حسن ہے جس کی بنا پر اسے سب پڑھیں اور اس طرح بھٹی صاحب نے اہل حدیث اکابرین کے کام کو دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ مولانا اسحاق بھٹی عرف عام میں ہمارے ذہنوں میں موجود ''مولانا'' کے تصور پر شاید پورے نہ اتریں اور انہیں پہلی مرتبہ دیکھنے والا قاری شاید انھیں مولانا محمد اسحاق بھٹی تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ بالکل سادہ مزاج، صوفی منش، درویش صفت اور صوفی مشرف بھٹی صاحب سب سے پیار کرنے والے اور سلفیوں کے لیے تو مہربان ہیں۔

''کاروان سلف'' کے نام سے شائع ہونے والا حسین شاہکاران بعض ''ناراض اہل حدیث حضرات کو خاموش جواب ہے، جو پہلے مجموعوں پر چیں بجبیں تھے۔ اس مجموعے میں 20 کی تعداد میں اپنے وقت کے نابغہ روزگار مشاہیر کے تذکرے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بڑی جماعتوں، تنظیموں، میدان جہاد کے شاہسواروں، شاہوں، ملک و بیرون ملک یونیورسٹیوں کے سند یافتہ صاحب جبہ و دستار سے جو کام نہ ہو سکا وہ اکیلے بھٹی صاحب نے کر دیا سچ ہے

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

ہفت روزہ الاعتصام کے مدیر مسئول اور مکتبہ سلفیہ لاہور کے مالک و مدیر مولانا حافظ احمد شاکر صاحب بھٹی صاحب کی تصنیف دلپذیر ''قاضی محمد سلیمان منصور پوری'' کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''مولانا بھٹی کا انداز تحریر بہت جاذب، رواں دواں، شستہ اور سلیس ہے۔ واقعات نگاری اس طرح کرتے ہیں کہ قاری ان کے طرز بیان میں خود کو بہتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ موصوف کا حافظہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے اور اس میں محفوظ واقعات کا خوبصورت اظہار ان کا کمال ہے۔ ان کا قلم اگرچہ کبھی کبھی مؤرخ کے قلم کی طرح ''بے رحم'' بھی ہو جاتا ہے لیکن اکثر تذکروں میں ان کے الفاظ عقیدت کے میلان ورجحان کے غماز ہوتے ہیں۔ ان کے قلم سے تذکار و تراجم رجال کا ڈھیر لگ جانے کے باعث بعض اصحاب علم و قلم انھیں دور حاضر کا امام ذہبی کہتے ہیں، جو صحیح معلوم ہوتا ہے۔''

اصحاب علم و فضل کی ان آرا کے بعد اب بھٹی صاحب کے شخصی خاکوں کے مجموعوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

نقوش عظمت رفتہ

اس کتاب میں 21 مقتدر شخصیات کے حالات زندگی ان کی تمام عادات و اطوار علمی و ادبی، سیاسی اور مذہبی خدمات کے ساتھ صفحہ قرطاس پر مرتسم کیے گئے ہیں۔ اس مجموعے میں بلا امتیاز مسلک تمام فقہی مسالک، اہل حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی احباب

کے اکابر علماء کو جگہ دی گئی ہے۔ بھٹی صاحب کی وسیع النظری ملاحظہ کیجیے کہ انھوں نے تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہو کر قلم کاری کی ہے۔

انھوں نے ہندوستان کے سابق صدر اور اپنے جگری یار گیانی ذیل سنگھ پر بھی طویل مضمون لکھ کر اس کتاب میں شامل اشاعت کیا ہے۔ اس کتاب کا سب سے طویل خاکہ مولانا سید محمد داود غزنوی پر ہے جو 112 صفحات پر محیط ہے۔ بھٹی صاحب نے مولانا غزنوی مرحوم کے ساتھ اپنی 15 سالہ رفاقت کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا احمد علی لاہوری، حمید نظامی (نوائے وقت) سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا کوثر نیازی اور قاضی حبیب الرحمان منصور پوری کے علاوہ کتاب میں شامل دیگر حضرات کے سوانحی خاکے اردو زبان وادب میں ندرت کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ 640 صفحات پر مشتمل یہ کتاب عہد رفتہ کی نادر معلوماتی دستاویز ہے۔ یہ کتاب 1997ء میں مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

بزم ارجمنداں

سوانحی خاکوں کا یہ دوسرا مجموعہ ہے۔ جو محترم بھٹی صاحب کے گوہر بار قلم سے معرض وجود میں آیا۔ اس میں مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرت سری، حافظ عبداللہ روپڑی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، رئیس احمد جعفری، مولانا محمد علی لکھوی، شاہ محمد جعفر پھلواروی' مولانا محمد صدیق لائل پوری، مفتی جعفر حسین، مولانا معین الدین لکھوی، مولانا عبداللہ گورداس پوری، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسی شخصیات کے خاکے شامل ہیں۔ اس کتاب کا سب سے طویل مضمون مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم پر ہے جو سوا سو صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دیگر عالی قدر حضرات کے سوانحی خاکے بھی نہایت تکریم سے لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب معلوماتی، ادبی اور علمی خوبیوں سے مزین ہے اور گزشتہ دور میں ان عالی قدر بزرگوں کی طرف سے آزادی کے لیے کی گئی کوششوں کا پتا دیتی ہے اور ان کے ملی وعلمی کارناموں سے آگاہ کرتی ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی تعداد 629 ہے

اور یہ کتاب مارچ 1999ء میں مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے طبع ہوئی۔

کاروان سلف

اس کتاب میں بیسویں صدی عیسوی کے بیس فحول علمائے اہل حدیث کے حالات زندگی حیطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ان تاریخ ساز اور نامور علمائے کرام میں، مولانا عبدالوہاب دہلوی، مولانا سید محمد شریف گھڑیالوی، مولانا عطاء اللہ شہید، مولانا نیک محمد، حکیم نور الدین لائل پوری، مولانا عبدالستار دہلوی، مولانا عبداللہ اوڈ، مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی، مولانا عبداللہ لائل پوری، مولانا سید بدیع الدین راشدی، مولانا محمد رفیق خاں پسروری اور حافظ عبداللہ بہاول پوری کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔کاروان سلف کا ہر معزز رکن اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔بلاشبہ یہ نیک طینت لوگ قول کے سچے، عمل میں پختہ اور کردار کے مثالی تھے۔انھوں نے ہندوستان کے صنم کدہ ظلمت میں توحید وسنت کی اشاعت کی۔قرآن وحدیث کی دعوت وتبلیغ کے ذریعے لوگوں میں اسلامی تعلیم کو پھیلایا اور احکام نبو ت کی اہمیت اجاگر کر کے عمل بالحدیث کو فروغ دیا۔بھٹی صاحب نے داعیان حق کے ان تابندہ ستاروں کی کہکشاں سجا کر جماعت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔کاروان سلف ہماری گزشتہ صد سالہ دعوتی، تبلیغی، تصنیفی، تدریسی اور جہادی سرگرمیوں کا آئینہ پیش کرتی ہے۔

اس خوبصورت کتاب کو ہمارے فاضل دوست مولانا محمد سرور عاصم صاحب نے اپنے اشاعتی ادارے مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد کی طرف سے 1999ء میں شائع کیا۔صفحات کی تعداد 516 ہے۔

قافلہ حدیث

26 علمائے اہل حدیث کے حالات وواقعات پر مشتمل شخصی خاکوں کا یہ چوتھا مجموعہ ہے۔اس میں دل چسپ پیرائے میں ان عظیم المرتبت علمائے اہل حدیث کے حالات زندگی احاطہ تسوید میں لائے گئے ہیں۔اس مجموعے میں شامل ہندوستان اور پاکستان کی چند معروف شخصیات کے نام یہ ہیں: مولانا سید امیر علی ملیح آبادی، مولانا محمد سلیمان روڑی والے، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا شمس الحق سلفی، حافظ

عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا محمد حنیف ندوی، پروفیسر عبدالقیوم، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا محی الدین لکھوی، حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا عبدالعظیم انصاری، مولانا محمد صادق خلیل، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، ڈاکٹر وصی اللہ اور مولانا محمد عزیر شمس۔

یہ کتاب پہلی بار جنوری 2003 میں مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔ کتاب کے صفحات 645 ہیں۔ اس وقت 11 مئی 2007ء کو جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے لکھے ہوئے شخصی خاکوں کے تین مجموعے مکتبہ قدوسیہ کی طرف سے طباعت کے مراحل میں ہیں جو عنقریب منظر عام پر ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

اب بھٹی صاحب کی دیگر تاریخی وسوانحی کتب اور تراجم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

قصوری خاندان

مولانا عبدالقادر قصوری اس خطہ ارض کی ممتاز شخصیت اور عظیم سیاسی رہنما تھے۔ انھوں نے آزادی برصغیر کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور دامے درمے، قدمے سخنے اس تحریک میں شامل رہے۔ ان کے صاحب زادوں مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا محمد علی ایم اے کینٹب قصوری، مولوی احمد علی اور میاں محمود علی قصوری بار ایٹ لا نے بھی اپنی بساط کے مطابق آزادی کے لیے کام کیا۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالقادر قصوری کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالحق وکیل اور مولانا عبداللہ قصوری بھی دینی وملی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

مذکورہ کتاب میں قصوری خاندان کے ان لائق صد احترام بزرگوں کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور ان کی علمی، سیاسی، سماجی اور ملی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب بہت سی نادر معلومات کا خزینہ ہے اور ہماری سیاسی اور جماعتی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ 208 صفحات کی کتاب یہ 1994ء میں مکتبہ تعلیمات اسلامیہ ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد) کی طرف سے شائع کی گئی۔

میاں فضل حق اور ان کی خدمات

یہ کتاب جماعت اہل حدیث کے بہی خواہ اور محسن میاں فضل حق مرحوم (سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان اور صدر جامعہ سلفیہ فیصل آباد) کی خدمات

جلیلہ کے ضمن میں تحریر کی گئی ہے۔اس کتاب میں میاں صاحب اوران کے خاندانی حالات کو تفصیل سے ضبط تحریر میں لایا گیا ہے اور ساتھ ہی برصغیر پاک و ہند میں بیسویں صدی کی اہل حدیث کی تاریخ بھی بیان کردی گئی ہے۔

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تنظیمی و سیاسی تاریخ پر یہ کتاب دستاویز کی حامل ہے۔صفحات 240۔طبع اگست 1997ء ہے۔

برصغیر میں اہل حدیث کی آمد

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں اہل حدیث کب آئے اور انھوں نے کس طرح کتاب وسنت کو فروغ دیا۔کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے اوراس میں تحقیق سے مستند مواد جمع کیا گیا ہے۔مسلک اہل حدیث کو سمجھنے اوراس گروہ باصفا کے عقائد ونظریات اور دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں سے آگاہی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔اس کتاب میں برصغیر میں تشریف لانے والے صحابہ کرام، تابعین عظام اور مبلغین دین کا تعارف بھی کرایا گیا ہے اور مختلف فقہی مسالک کے متعلق بھی بہت سی معلومات دی گئی ہیں۔ اس موضوع پر یہ اولیں کتاب ہے۔348 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 2004ء میں مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے طبع ہوئی۔

صوفی محمد عبداللہؒ

صوفی محمد عبداللہؒ ولی کامل تھے،وہ اصلاً ضلع گوجراں والا کے شہر وزیر آباد سے تعلق رکھتے تھے۔چھوٹی عمر میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین سے منسلک ہوگئے تھے۔آزادی کی تحریک میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

انگریز کے مظالم برداشت کیے۔1922 کے لگ بھگ انھوں نے ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد) کے نواح میں چک نمبر 493 اوڈاں والا میں ایک دارالعلوم قائم کیا اور 1965 میں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں تعمیر کیا۔دونوں مقامات کے مدارس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہے۔حضرت صوفی صاحب 28 اپریل 1975ء کو فوت ہوئے۔ اس کتاب میں محترم بھٹی صاحب نے حضرت صوفی صاحب کے حالات، خدمات اور آثار

کو خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے اور اس مردِ حق آگاہ کی تحریکی، تنظیمی اور دینی زندگی کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ اس کتاب میں جماعت مجاہدین کی تاریخ، لائل پور کی تاریخ، حضرت صوفی صاحب کے معتقدین کا مفصل تذکرہ آ گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک اہم باب صوفی صاحب کی قبولیت دعا کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اور آخر میں صوفی صاحب کے معمولات اور اوراد و وظائف بھی لکھے گئے ہیں۔ کتاب دلچسپ اور تاریخی معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ مولانا حافظ احمد شاکر صاحب نے لکھا ہے۔ کتاب کے صفحات کی تعداد 446 ہے۔ فروری 2006 میں یہ کتاب مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

میاں عبدالعزیز مالواڈہ

میاں صاحب مرحوم برصغیر کی عظیم شخصیت تھے۔ سیاست، وکالت اور دینی و مذہبی اعتبار سے ان کا بڑا نام تھا۔ انھوں نے سرزمین پاک و ہند میں ملک و ملت کے لیے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے میاں عبدالعزیز مالواڈہ بار ایٹ لا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ نیز ان کے خاندانی حالات، شگفتہ پیرائے میں تحریر کیے ہیں۔ یہ کتاب برصغیر میں مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد آزادی کا ایک درخشاں باب ہے۔

اس میں ارائیں برادری کی تاریخ بیان ہوئی ہے اور مسلم لیگ کی تنظیم کا تذکرہ بھی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مالواڈہ مرحوم کے 16 بڑے مقدمات کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ ان مقدمات میں مولانا ظفر علی خاں کا مقدمہ، غازی محمود دھرم پال کا مقدمہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری کا مقدمہ، غازی علم الدین شہید کا مقدمہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مالواڈہ مرحوم کا سفرنامہ حج 1966 بھی شامل کتاب کیا گیا ہے جو بڑا دلچسپ ہے۔ غرض یہ کتاب بہت سے سیاسی پہلوؤں اور تاریخی واقعات پر محیط ہے۔ چھ سو صفحات کی یہ کتاب دسمبر 2006 میں کتاب سرائے اردو بازار، لاہور نے شائع کی۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

قاضی صاحب مرحوم (سابق سیشن جج ریاست پٹیالہ) اپنے علم وعمل، گفتار وکردار، عدل وانصاف، تقویٰ پرہیزگاری اور قرآن وسنت اور سیرت مصطفیٰ ﷺ سے حد درجے شیفتگی کے لحاظ سے اونچے مرتبے کے حامل تھے۔ ان کے فضل وکمال اور اوصاف حمیدہ کا ایک زمانہ معترف ہے۔ سیرت النبی پر "رحمۃ للعالمین" ان کی نہایت لائق تحسین اور شہرہ آفاق کتاب ہے۔

محترم بھٹی صاحب نے اپنی اس تصنیف میں قاضی صاحب کی خدمات بوقلموں اور اوصاف وکمالات نہایت صراحت سے بیان کیے ہیں اور ان کی مسلکی، ملی، علمی، دینی، تصنیفی اور تفسیری خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے جہاں قاضی صاحب اور ان کے خاندان کے عالی قدر افراد کی خدمات کا پتا چلتا ہے' وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ قاضی صاحب قانون دان، ماہر حدیث رسول، بلند پایہ مفسر قرآن اور مصنف وسیرت نگار کی حیثیت سے کس درجہ بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ کتاب تاریخی وسوانحی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ محترم بھٹی صاحب نے قاضی صاحب مرحوم کے حالات وواقعات نہایت محبت وخلوص اور عقیدت سے تحریر کیے ہیں۔ پانچ سو صفحات کی یہ کتاب فروری 2007ء میں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد، ایک نابغہ روزگار شخصیت

مولانا ابوالکلام آزاد کے نام اور کام سے ایک دنیا آگاہ ہے۔ ان سے متعلق بہت سے لوگوں نے لکھا اور خوب لکھا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے بھی اپنی کتاب بزم ارجمنداں میں مولانا آزاد پر طویل مضمون حوالہ قرطاس کیا۔ اس مضمون میں جہاں مولانا آزاد سے اپنی بے پناہ محبت وعقیدت کا اظہار کیا وہیں ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بھی اجاگر کیا۔ بلاشبہ یہ مضمون اپنے منفرد اسلوب کے باعث "شخصی خاکہ نگاری" میں انفرادیت کا حامل ہے۔ اس کی وقعت کے پیش نظر خدا بخش اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ (ہندوستان)

کی طرف سے 2001 میں اسے خوبصورت کمپوزنگ، عمدہ کاغذ اور بہترین طباعت کے ساتھ کتابی سائز کے 132 صفحات پر شائع کیا ہے۔اب اس مضمون کو مولانا آزاد پر لکھی جانے والی کتب میں ایک مستقل کتاب کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن

اس کتاب میں پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے علمائے اہل حدیث کی قرآنی خدمات پر تفصیل سے معلومات دی گئی ہیں اور ان علمائے کرام نے قرآن مجید سے متعلق جس نوعیت کا کام کیا ہے اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔اس کتاب میں لائق مصنف نے 185 علمائے اہل حدیث اور 2 عالمات کی قرآنی خدمات کا تذکرہ کیا ہے اور اپنے اسلوب نگارش کو ایک نئی جہت دی ہے۔خدام قرآن لکھ کر بھٹی صاحب نے جماعت اہل حدیث پر احسان عظیم کیا ہے۔یہ پہلی اور اپنی طرز کی منفرد کتاب ہے جس میں اتنے علمائے اہل حدیث کے مختصر حالات اور قرآنی خدمات کو مجموعے کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔کتاب کے صفحات سات سو ہیں۔طبع 2006 مکتبہ قدوسیہ لاہور۔

ریاض الصالحین اردو ترجمہ:

حدیث کی یہ کتاب امام ابوزکریا یحییٰؒ کی تالیف ہے۔اس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات،تقویٰ،اخلاص اور حقوق و معاملات پر مشتمل احادیث ہیں۔مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اس کتاب کا عربی سے اردو میں سلیس ترجمہ کیا ہے اور بعض جگہ مفید حواشی لکھے ہیں۔اس کتاب کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور نے شائع کیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات و واقعات پر یہ کتاب معروف مصنف محمد حسین ہیکل کی عربی تصنیف کا شگفتہ اور سلیس اردو ترجمہ ہے۔ترجمہ پڑھ کر اصل کا گمان ہوتا ہے۔بھٹی صاحب نے عربی و اردو زبان کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے

ہوئے ترجمہ کیا ہے اور کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ 620 صفحات کی یہ کتاب مئی 1998ء میں فیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع کی گئی۔

لشکر اسامہ کی روانگی

ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کی اس قابل قدر عربی تصنیف کا اردو ترجمہ کرنے کا اعزاز بھی بھٹی صاحب کو حاصل ہے۔ دسمبر 1999ء میں یہ کتاب مکتبہ قدوسیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔

لسان القرآن (جلد سوم)

مولانا محمد حنیف ندوی، مرحوم قرآن مجید سے بے پناہ شغف رکھتے تھے۔ ندوۃ العلماء لکھنو سے انھوں نے تفسیر قرآن میں درجہ تخصص کیا تھا۔ بلند پایہ مفسر تھے۔ ''سراج البیان'' کے نام سے انھوں نے قرآن کی تفسیر لکھی۔ 1979ء میں انھوں نے لسان القرآن کے نام سے حروف تہجی کی ترتیب سے قرآن مجید کا توضیحی لغت لکھنا شروع کیا تھا۔ الف سے دال تک ان کے تحریر فرمودہ آٹھ حروف دو ضخیم جلدوں کا احاطہ کر گئے۔ ابھی یہ کام جاری تھا کہ مولانا چل بسے۔ ان کے بعد اس کام کو بھٹی صاحب نے آگے بڑھایا اور ذال، را، زا تین حروف لکھے اور ان کی تشریح کی۔ 342 صفحات کی کتاب مکمل ہوگئی۔ یہ کتاب 1999ء میں مکتبہ علم وعرفان لاہور سے طبع ہوئی۔ بھٹی صاحب کو ہمت کر کے قرآن مجید سے متعلق یہ کام مکمل کر دینا چاہیے۔

چہرہ نبوت

سیرت رسول ﷺ کے موضوع پر اپنی طرز کی اس منفرد کتاب میں قرآنی آیات کی روشنی میں نبی ﷺ کی نبوت ورسالت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 30 ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی انیس (19) ابواب مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم کے لکھے ہوئے ہیں جب کہ بقیہ گیارہ (11) ابواب بھٹی صاحب نے ندوی صاحب کے اسلوب میں لکھ کر اس کتاب کی تکمیل کی ہے۔ صفحات 326، مکتبہ علم وعرفان اردو بازار لاہور کی طرف سے

1999 میں طبع ہوئی۔

اسلام کی بیٹیاں

یہ کتاب محترم بھٹی صاحب کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اسلام کی برگزیدہ خواتین کے حالات وواقعات کے ضمن میں تحریر کیے تھے اور یہ مضامین 42 سال پہلے 1965ء میں روزنامہ امروز میں اشاعت پذیر ہوئے تھے۔

بھٹی صاحب کے چھوٹے بھائی سعید احمد بھٹی نے ان مضامین کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ وقت آنے پر ان مضامین کو از سر نو نظر ثانی کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ کتاب کے صفحات 600۔ ناشر: مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، طبع جنوری 2001۔

ارمغان حدیث

معاملات سے متعلق یہ کتاب نبی ﷺ کے ایک سو (100) فرامین کا دلآویز مجموعہ ہے۔ اس کا ترجمہ اور وضاحت 272 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر شخص کو کرنا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ معاملات سے متعلق نبی ﷺ نے مسلمانوں کو کن زریں ہدایات سے نوازا ہے۔ اس موضوع پر یہ اولین کتاب ہے۔ طارق اکیڈمی فیصل آباد نے یہ کتاب اگست 2008 میں شائع کی۔

دبستان حدیث

یہ کتاب برصغیر کے ان اہل حدیث علمائے کرام کے بارے میں ہے جنھوں نے حدیث یا شروح حدیث یا فتاویٰ پر کام کیا یا تدریسی خدمات سر انجام دیں۔ اس میں برصغیر پاک و ہند کے (60) علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث کا منفرد تذکرہ ہے۔ حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ اور ان کے (11) تلامذہ کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں اور دیگر (48) علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث کو اجاگر کیا گیا ہے۔ جن میں بعض موجودین بھی شامل ہیں۔ 673 صفحات پر محیط یہ کتاب دسمبر 2008 میں مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

ہفت اقلیم

یہ کتاب اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے جو اپنے دامن میں بے حد ندرت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ اس میں مولانا مودودی، علامہ احسان الٰہی ظہیر، حکیم عبداللہ روڑوی، غازی محمود دھرم پال، مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا محمد اسحاق چیمہ اور مولانا محمد یحیٰ شرق پوری کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ سات عظیم المرتبت شخصیات کے حالات وواقعات پر مشتمل یہ کتاب پانچ سو (500) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی کی تصانیف وتراجم کا یہ سلسلہ دور تک پھیلا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان کی تمام مطبوعہ کتابوں کا تعارف پیش کر دیا جائے۔ اس میں ان کی صحافتی خدمات کا بھی مفصل تذکرہ آ گیا ہے۔ بھٹی صاحب نے گزشتہ ساٹھ برس میں سینکڑوں کتابوں پر تبصرے لکھے، بے شمار کتب پر مقدمات تحریر کیے۔ مختلف اخبار ورسائل میں لاتعداد مضامین لکھے جو اشاعت پذیر ہوئے۔ جن کا شمار ممکن نہیں۔ بھٹی صاحب نے اب تک جو تحریری کام کیا ہے اس کی نوعیت کچھ اس طرح ہے:

(1) تصانیف وتراجم (2) اخباری مضامین ومقالات (3) اخباری اداریے اور شذرات (4) کتابوں پر تبصرے (5) بہت سی کتابوں پر مقدمات۔

یہ تمام تحریریں اگر کتابی سائز میں نقل کی جائیں تو چالیس ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہوں گی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی 34-35 سال کی تقریروں کے بے شمار صفحات اس کے علاوہ ہیں۔ متعدد کتابوں کی ایڈیٹنگ (ادارت) بھی اس میں شامل نہیں۔

یہ بہت بڑی تحریری خدمت ہے جو بھٹی صاحب نے سرانجام دی۔ اور ماشاءاللہ ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

بھٹی صاحب نے فقط قلم وقرطاس سے ہی خدمت دین کا فریضہ ادا نہیں کیا بلکہ انھوں نے زبان وبیان سے بھی اسلامی تعلیم کو دوسروں تک پہنچایا۔ بھٹی صاحب نہ تو بلند آہنگ خطیب ہیں اور نہ شعلہ بیان مقرر، اور نہ جلسئی مولوی۔ بنیادی طور پر وہ ایک سکالر ہیں۔ متانت، سنجیدگی اور عذوبت لسان ان کا شیوہ ہے۔ وہ نہایت پیارے اسلوب اور

حکیمانہ انداز تکلم سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار بڑی خوبصورتی سے کرتے ہیں۔ اپنی جماعت کے جلسوں میں اپنا مسلک اور موقف بیان کرنا تو ہر خطیب کو آتا ہے لیکن غیروں کے سامنے ان کے اسٹیج سے اپنے موقف اور جماعت کی بات کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ بھٹی صاحب نے یہ کام بڑے "دھڑلے" سے کیا ہے۔ ان کے ایک قریبی دوست جو کہ محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر جنرل تھے، ایک بار بھٹی صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے دفتر آئے۔ علیک سلیک کے بعد وہ کہنے لگے "میں بہت سے اخبارات و رسائل پڑھتا ہوں، لیکن آپ جیسا جماعت اہل حدیث کا مبلغ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ آپ غیر مسلموں پر مضمون لکھیں تو اس میں بھی اہل حدیث کا ذکر ضرور لے آتے ہیں۔ ان سطور کے بعد اب بھٹی صاحب کی ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریروں کے متعلق ملاحظہ کیجیے۔

لیکن آگے بڑھنے سے پہلے میں اپنے لائق صد احترام علمائے کرام سے گزارش کروں گا کہ وہ فقط منبر و محراب کو ہی اپنی دعوتی سرگرمیوں کا محور نہ بنائیں۔ یہ دور الیکٹرانک میڈیا کا ہے۔ ظاہر ہے جب ہماری جماعت کے علماء ریڈیو اور ٹی وی پر آ کر اسلام کی دعوت کو نہیں پھیلائیں گے تو پھر دوسروں نے تو آ کر اپنا مسلک بیان کرنا ہی ہے۔ بہرحال مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اس دور میں ریڈیو اور ٹی وی پر جلوہ افروز ہو کر علمی و اصلاحی تقریریں کیں جب ان پر دوسرے لوگ چھائے ہوئے تھے۔ اور مولانا محمد حنیف ندوی کے سوا وہاں کوئی اہل حدیث مقرر نہ تھا۔

25 دسمبر 1965ء (یکم رمضان المبارک 1385ء) کو ریڈیو پاکستان لاہور سے بھٹی صاحب کی پہلی تقریر ہوئی۔ جمعے کا دن تھا اور یہ تین منٹ کا سحری کا پروگرام تھا۔ اس کے بعد ریڈیو پر تقاریر کا طویل سلسلہ چلا۔ ایک ایک دن میں مختلف پروگراموں میں تین تین تقریریں ہوئیں۔ کبھی پنجابی پروگرام، کبھی صراط مستقیم، کبھی آیات بینات، کبھی فوجی بھائیوں کا پروگرام، کبھی کتابوں پر تبصرے، کبھی سوہنی دھرتی، کبھی کسی مذاکرے میں شمولیت، کبھی کوئی اور پروگرام۔ ان تقریروں کا سلسلہ 1997ء تک جاری رہا۔

27 جولائی 1972ء کو ٹیلی ویژن پر پہلا پروگرام کیا۔ یہ "بصیرت" پروگرام تھا۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر مذاکرے، بصیرت اور دیگر بے شمار پروگرام کیے۔

ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان لاہور کی طرف سے "ہفتہ حدیث" منایا گیا اور اس کے ارباب انتظام نے ملک کے سات مقرروں کا انتخاب کر کے مختلف سات موضوعات پر ان سے سات روز میں سات تقریریں کرائیں۔ ہر تقریر کا دورانیہ 35 منٹ تھا۔ ان میں ایک مقرر مولانا محمد اسحاق بھٹی تھے۔ انھوں نے حدیث اور اسماء الرجال کے موضوع پر پورا ایک گھنٹا تقریر کی اور یہ تقریر پھر کئی بار ریڈیو سے نشر ہوئی۔

ایک مرتبہ ربیع الاول کے مہینے میں ریڈیو پاکستان لاہور کی فرمائش پر بھٹی صاحب نے علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی تصنیف "رحمۃ للعالمین" کی تین جلدوں کی تلخیص پندرہ روز میں بیان کی۔ ہر روز کی تقریر کا دورانیہ پندرہ منٹ تھا۔ یہ تلخیص ربیع الاول کے مہینے میں ریڈیو پر کئی سال نشر ہوتی رہی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد "رحمۃ للعالمین" کی اسی طرح کی تلخیص ریڈیو کی فرمائش پر پنجابی زبان میں بیان کی گئی۔ ریڈیو پر نشر شدہ رحمۃ للعالمین کی یہ دونوں (اردو اور پنجابی) تلخیصات بھٹی صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

اب ان تقریروں کے متعلق سنیے جن کا تعلق علمائے اہل حدیث سے ہے۔ اس سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ بھٹی صاحب مسلک اہل حدیث اور اہل حدیث علماء سے کس قدر گہرا تعلق اور وابستگی رکھتے ہیں۔ بھٹی صاحب "برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن" کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"کئی سال کی بات ہے کہ ریڈیو پاکستان نے "زندہ تابندہ" کے عنوان سے ایک پروگرام شروع کیا۔ یعنی ان حضرات کا تذکرہ جو وفات پا چکے ہیں، لیکن ان کے علمی، عملی اور تدریسی و تصنیفی کارنامے اتنے زیادہ ہیں اور اہم ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ان سے استفادے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ریڈیو کے اصحاب اہتمام نے مجھ سے کہا کہ میں اس موضوع پر ہر مہینے پندرہ تقریریں کیا کروں، لیکن اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے میں نے معذرت کر لی اور کہا میں وہی تقریریں کروں گا جو معمول کے مطابق کر رہا ہوں۔ مزید تقریروں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ پھر انھوں نے ہر مہینے میں دس تقریروں کے لیے کہا۔ اس پر بھی میں نے معافی کی درخواست کی مگر ریڈیو والوں کا

اصرار جاری رہا۔

ایک دن میں نے ان سے صاف لفظوں میں پوچھا: کیا ریڈیو پاکستان دیو بندی حضرات کا ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ بریلوی حضرات کا ہے؟ جواب ملا: نہیں۔ شیعہ حضرات کا ہے؟ بولے: نہیں۔ میں نے کہا: لیکن ''زندہ تابندہ'' کے سلسلے میں جن حضرات پر تقریریں ہو رہی ہیں وہ یا تو دیو بندی بزرگ ہیں یا بریلوی حضرات ہیں یا شیعہ اصحاب علم ہیں۔ میں اس موضوع پر تقریریں کروں گا، لیکن ان میں تذکرہ اہل حدیث بزرگان دین کا کیا جائے گا۔ ریڈیو والوں نے جواب دیا: ضرور کیجیے۔ چنانچہ میں نے 45 دن 45 اہل حدیث حضرات پر تقریریں کیں۔

''ریڈیو پر اور بھی اہل حدیث مقررین تقریریں کرتے ہوں گے۔ کیا کبھی کسی مقرر نے جرأت مندانہ انداز میں اپنے مسلک کے متعلق یا اپنے علماء کے معلق کبھی واضح موقف اختیار کیا ہے؟''

''میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے سلسلے میں اپنے بارے میں اس قسم کی بہت سے مثالیں دے سکتا ہوں۔ لیکن مناسب نہیں سمجھتا۔ میں 34-35 سال ریڈیو پر تقریریں کرتا رہا۔ کئی سال ٹیلی ویژن میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن میں نے اپنے پروگراموں میں ہمیشہ اپنے مسلک کی خدمت کی۔ اس میں ایک لمحے کے لیے بھی کبھی کوئی لچک نہیں آنے دی۔ اہل حدیث کے مسجدوں اور اہل حدیث کے جلسوں میں تو ماشاءاللہ اہل حدیث کا مسلک بیان کرنے اور اپنے بزرگوں کے واقعات سنانے والے بہت سے علمائے کرام موجود ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تقریریں کرتے ہیں، کیا کبھی یہ خدمت ان میں سے کسی نے غیر اہل حدیث مجمعے میں بھی انجام دی؟ الحمدللہ! اس فقیر نے ہر جگہ دھڑلے سے اپنا مسلک بیان کرنے کی کوشش کی۔ گفتگو میں یا تحریر میں کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوا۔''

''آگے محترم بھٹی صاحب لکھتے ہیں کہ میں 58 سال سے قلم وقرطاس کے شعبے سے وابستہ ہوں لیکن اس طویل مدت میں ایک لفظ بھی میں نے جماعت اہل حدیث کے کسی عالم یا مصنف کے خلاف نہیں لکھا۔ کبھی کسی اہل حدیث صاحب علم پر تنقید نہیں کی۔ میرے

قلم کی تربیت اور طرز نگارش کی پرورش بحمد اللہ ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ اپنی جماعت کے کسی عالم اور مصنف کی مخالفت و تنقید کے مکروہ فعل میں نہ کبھی ملوث ہوا اور نہ ان شاء اللہ ہوگا۔ بعض دفعہ بہ امر مجبوری البتہ اشارے کنائے یا لطیفے ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی نے کبھی کچھ میرے متعلق لکھا تو میں نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اگر کسی غیر اہل حدیث نے میرے مسلک، میری جماعت یا میری جماعت کے کسی عالم کو ہدف تنقید ٹھہرایا یا کسی اسلوب میں اسے نشانہ طنز بنایا تو میں نے اسے ہرگز معاف نہیں کیا۔ ایسے موقعے پر خاموش رہنا میری ذہنی افتاد اور میرے قلم کی فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن یہاں بھی میں نے اپنے مخاطب کا پورا احترام کیا ہے اور اس کے علم و تحقیق کے ہر پہلو کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اگر وہ عالم نہیں ہے تو اس کے ساتھ جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے؟"

بات بھٹی صاحب کی مسلک اہل حدیث سے گہری وابستگی کی آئی ہے تو اس سلسلے کی چند گزارشات اور سنتے جائیں۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے "نقوش عظمت رفتہ" میں اپنے استاد گرامی مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے حالات و واقعات نہایت ادب و تکریم سے لکھے ہیں۔ ان میں ایک جگہ بھٹی صاحب لکھتے ہیں: "میں نے استاذ محترم مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کی خدمت میں "الاعتصام" کی ادارت سے استعفاء پیش کرتے ہوئے لکھا کہ

"میں الاعتصام کی ادارت سے مستعفی ہوتا ہوں، لیکن آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا قلم مسلک اہل حدیث کی خدمت کے لیے ہمیشہ متحرک رہے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے حضرت استاذ سے جو تحریری وعدہ کیا تھا، اس کے ایفا کی صورتیں پیدا ہوئیں اور اس معصیت کیش کا قلم مسلک اہل حدیث کی خدمت کے لیے ہمیشہ متحرک رہا۔

"الحمد للہ میں نے ریڈیو یا ٹیلی ویژن میں کبھی ایسا پروگرام نہیں کیا جس کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ گوشہ بھی میرے مسلک کے خلاف جاتا ہو۔ بارہا ایسا ہوا کہ مجھے کوئی پروگرام دیا گیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کا فلاں حصہ میرے مسلک سے مطابقت نہیں رکھتا تو میں نے صاف لفظوں میں وہ پروگرام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس گناہ گار پر اللہ کا یہ بے پایاں احسان ہے کہ اس نے کبھی اپنے نقطہ نظر سے انحراف نہیں کیا، اور کبھی سچائی پر

مالی مفاد کو ترجیح دینے کا تصور سطح ذہن پر نہیں ابھرا۔ اپنے علم و مطالعہ کی رو سے جس بات کو صحیح سمجھا، اسے بلا جھجک بیان کیا۔

''جس طرح مجھے تنگ کیا گیا اور اہل حدیثیت کے نام سے میری مزدوری روکی گئی، اگر میرے علمی اور فکری ڈھانچے کی بنیادیں کمزور ہوتیں تو یقیناً یہ بات ذہن میں آتی کہ اگر مسلک اور مذہبیت کا اخلاقی پہلو یہی ہے، جس کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے تو اس سے چمٹے رہنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ مگر اللہ نے مجھے اس سوچ سے بچائے رکھا اور منفی کی بجائے مثبت فہم کی توفیق مرحمت فرمائی۔''

''میں غریب خاندان کا غریب فرد ہوں۔ لیکن میں نے غربت کو کبھی حقیر شے نہیں سمجھا۔ زندگی کے ہر قدم پر اس کی حفاظت کی اور لوگوں کی امارت کے مقابلے میں ہمیشہ غربت کو نمایاں رکھا اور اپنے لیے قابل فخر گردانا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے مسلک کو بھی سفر حیات کے ہر موڑ پر محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ اب کہ قافلہ عمر منزل سبعین کو پہنچ چکا ہے، اپنے عقیدہ و مسلک میں اور پختہ ہو گیا ہوں۔ مجھے افسوس ہے، میری تمام کتابیں میرے استاذ محترم حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کی وفات کے بعد چھپیں، ان کے مطالعہ میں میری کوئی کتاب نہ آ سکی۔ [1]

محترم بھٹی صاحب کے ساتھ چلتے چلتے اور ان کے علمی کارنامے بیان کرتے ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ جس طرح ماشاء اللہ ان کی عمر کا سلسلہ دراز ہے اسی طرح ان کے علمی و ادبی کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس طویل مضمون کے آخر میں ان سے متعلق چند باتیں اور پڑھیے۔

بلاشبہ مولانا محمد اسحاق بھٹی خوش مزاج، خوش گفتار، خوش اخلاق، منکسر المزاج، مہمان نواز، رعونت سے محفوظ، خشونت و یبوست سے کوسوں دور، عقیدے میں مضبوط، نظریات میں پختہ، غایت درجہ متواضع، بزرگوں کے لیے مؤدب اور چھوٹوں کے لیے سراپا شفقت ہیں۔

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص 227

مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے 1955ء میں 18 اپریل کو پاکستان کا ڈھائی ہفتے کا دورہ کیا تھا۔اس دورے کے دوران وہ لاہور اور کراچی میں قیام پذیر ہوئے۔ اور پاکستان کے بہت سے اصحاب علم ، مذہبی اور سیاسی لوگوں سے ملے۔دریابادی مرحوم نے اپنا یہ سفرنامہ کو''ڈھائی ہفتہ پاکستان میں'' کا عنوان دے کر کئی قسطوں پر محیط مضمون کی صورت میں اپنے ہفت روزہ اخبار''صدق جدید'' میں لکھا تھا:

ان دنوں مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے ایڈیٹر تھے۔بھٹی صاحب کے مضامین اور ادارتی شذرات ، مولانا دریابادی اکثر اپنے اخبار میں الاعتصام لاہور سے لے کر شائع کر دیتے تھے اور وہ بھٹی صاحب کے اسلوب تحریر کی تحسین فرماتے تھے۔بھٹی صاحب اس وقت تیس(30) سال کے جوان رعنا تھے اور ان کا اشہب قلم خوب چوکڑیاں بھر رہا تھا۔مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے سفرنامہ ''ڈھائی ہفتہ پاکستان میں'' مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

اسٹیشن پر کئی اصحاب موجود،عزیزوں کے علاوہ (رئیس) جعفری صاحب کا ہونا تو خیر لازمی تھا۔میاں اسلم صاحب اور اشرف صبوحی صاحب ، مولانا حنیف ندوی اور مولانا اسحاق ایڈیٹر''الاعتصام''۔یہ اہل حدیث کا ہفتہ وار پرچہ ہے۔گویا مولانا ثناءاللہ مرحوم کے مشہور''اہل حدیث'' کا جانشین۔ایک مذہبی پرچہ کی ادارت کے باوجود یہ خشک و عبوس نہیں۔اچھے خاصے شگفتہ معلوم ہوئے اور ہر طرح ہونہار اور صاحب فہم۔ابھی جواں عمر ہیں۔ [1]

اسحاق بھٹی بڑے ہنس مکھ اور باغ و بہار طبیعت کے انسان ہیں۔فیصل آباد تشریف لائیں تو راقم کے ہاں ملتے پر ان سے خوب مجلس ہوتی ہے اور مجھے بیسیوں مرتبہ چودھری علی ارشد کے ہاں بھٹی صاحب کی محفل میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کی دلچسپ گفتگو سننے کا موقع ملا۔فیصل آباد آ کر دوستوں سے مل کر بھٹی صاحب بڑے خوش ہوتے ہیں۔بذلہ سنج اور لطیفے سننے اور سنانے کے شائق ہیں۔کہا کرتے ہیں کہ میرا لطیفے کے بغیر گزارا نہیں' جب تک خود لطیفے کی زد میں نہ آ جاؤں اور دوسروں کو زد میں لانے کی

---

[1] سیاحت ماجدی ص96

کوشش نہ کروں، مجھے ذہنی اطمینان نہیں ہوتا۔

کسی زمانے میں وہ مونچھیں چڑھا کر رکھتے تھے، مولانا محمد اسحاق چیمہ مرحوم جو ان کے بے تکلف دوست تھے، انھیں ''ابوالشوارب'' کہا کرتے تھے۔ جب ذوالفقار علی بھٹو کا دور حکومت آیا تو چیمہ صاحب انھیں بھٹو کی ''مؤنث'' کہنے لگے۔ بھٹی صاحب فیصل آباد تشریف لاتے تو چیمہ صاحب دوستوں کو ان کی آمد کی اطلاع دیتے تو کہتے:

''بھٹو کی مؤنث آئی ہے۔ یعنی بھٹی۔''

مولانا اسحاق بھٹی صاحب نرم خو اور شگفتہ مزاج ہیں۔ دوست سب کے ہیں، دشمنی کسی سے نہیں۔ ان کے سامنے کسی بھی دوست کا تذکرہ کیا جائے تو فوراً کہیں گے، ہاں وہ بڑا پیارا آدمی ہے۔

سب سے محبت کرتے ہیں، نفرت کسی سے نہیں۔ مولانا عبداللہ لائل پوری (بانی دارالعلوم الاثریہ فیصل آباد) سے بھٹی صاحب کے نہایت دوستانہ مراسم قائم تھے۔ وہ بڑی پیاری شخصیت کے مالک تھے اور صاحب فضل وکمال عالم دین تھے۔ 16 جولائی 1983 کو جدہ میں فوت ہوئے اور مکہ مکرمہ میں جنت المعلی میں آسودہ خاک ہوئے۔ ان سے متعلق مضمون میں بھٹی صاحب نے ''کاروان سلف'' میں لکھا ہے کہ ''میں انھیں کہا کرتا تھا کہ سلاسل تصوف کی طرح آپ بھی ایک سلسلہ قائم کر لیجیے اور اس کا نام ''سلسلہ محبتیہ یا الفتیہ'' رکھیے۔ اس میں ایسے لوگوں کو شامل کیجیے جو سب سے محبت اور الفت کا برتاؤ کریں۔ میں پہلا شخص ہوں گا جو آپ کے دست پر شفقت پر بیعت کر کے حلقہ الفتیہ میں شامل ہوں گا۔ اس دنیا میں ہر شے کی فراوانی ہے، لیکن خلوص سے بھرپور محبت مفقود اور دل کی گہرائیوں میں اترنے والی الفت معدوم ہے۔ آپ کے سلسلہ محبتیہ اور دائرہ الفتیہ میں شامل ہو کر ہم لوگوں کو پیار کا درس دیں گے اور دنیا میں محبت کے ذریعے امن وامان قائم کریں گے۔ نہ کوئی کسی کا دشمن ہوگا، نہ لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچے گی۔ ہر طرف سکون کی چادر تنی ہوگی اور ہر سو امن کا شامیانہ سایہ فگن ہوگا۔ [1]

---

[1] کاروان سلف ص 273

مولانا اسحاق بھٹی صاحب شاعر نہیں ہیں۔ اپنی تحریروں میں شعر کا استعمال بھی بہت کم کرتے ہیں لیکن ان کا شعری ذوق نہایت عمدہ ہے۔ انھیں سینکڑوں اردو، فارسی اور پنجابی کے اشعار یاد ہیں۔ ہیر وارث شاہ کے بہت سے اشعار انھیں زبانی یاد ہیں اور بعض مقامات پر اپنی کتابوں میں وارث شاہ کے شعر درج بھی کرتے ہیں۔

1998ء کی بات ہے کہ بھٹی صاحب فیصل آباد تشریف لائے، ہمارے دوست شاہد حسین صاحب نے (جو کہ کتابوں کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور بھٹی صاحب کے ارادت مندوں میں سے ہیں) رات کے کھانے پر بلایا۔ بھٹی صاحب، چودھری علی ارشد اور راقم ان کے ہاں گئے۔ ان کی لائبریری میں "ہیر وارث شاہ" پڑی تھی۔ ہمارے اصرار پر بھٹی صاحب نے اس سے کئی بند پڑھ کر سنائے اور خوب محظوظ کیا۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ایک بار مولانا جعفر شاہ پھلواروی مرحوم نے بھٹی صاحب کے سامنے فرمایا: "وہابی وہ ہوتا ہے جو بدذوق ہو" چند روز بعد پھر شاہ صاحب نے "وہابی" کی یہی تعریف کی۔ ایک دن بھٹی صاحب اور مولانا حنیف ندوی صاحب بیٹھے تھے کہ شاہ صاحب نے پھر یہی لفظ ارشاد فرمائے۔ اس موقع پر بھٹی صاحب کی رگ حمیت پھڑکی۔ انھوں نے شاہ صاحب سے عرض کیا: حضور! وہابی کی تو یہ تعریف ہوئی کہ جو بدذوق ہو، لیکن بدذوق کی کیا تعریف ہے؟ شاہ صاحب فرمانے لگے، بدذوق وہ ہے جو شعر صحیح نہ پڑھ سکتا ہو اور برمحل نہ پڑھ سکتا ہو۔ یعنی ذوق شعری سے محروم ہو اور وہابی ذوق شعری سے محروم ہوتا ہے۔

بھٹی صاحب لکھتے ہیں: میں نے عرض کیا، اگر آپ کے نزدیک وہابی کی تعریف یہی ہے جو آپ نے فرمائی ہے تو ہر وہ شخص جو ذوق شعری سے محروم ہے، وہابی ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہابی ذوق شعری سے محروم ہوتا ہے۔ اگر آپ کا اشارہ ایک خاص مسلک کے حامل لوگوں کی طرف ہے تو یہ قرین صحت نہیں۔ نواب صدیق حسن خان جو آپ کے سید بھائی ہیں اور جن کے خاندان میں آپ کی شادی ہوئی، اپنی تصنیفات میں بکثرت شعر درج کرتے ہیں جو نہایت برمحل اور برموقع ہوتے ہیں۔ عربی کے بھی، فارسی کے بھی اور اردو کے شعر بھی۔ ادبیات اور شعر و شاعری سے تعلق رکھنے

والے حضرات کا کہنا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تحریروں میں شعر درج کرنے کا ذوق انھی سے لیا ہے۔ پھر شعرائے کرام سے متعلق نواب صاحب کی ایک مستقل کتاب ہے جس کا نام "شمع انجمن" ہے۔

آپ کا قصبہ پھلواری، ضلع پٹنہ میں ہے اور پٹنہ کے محلہ صادق پور کے ان علمائے عظام میں جو جماعت مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے، اکثر حضرات فارسی، اور اردو کے شاعر تھے۔ ان میں بعض کی فارسی مثنویاں بہت مشہور ہیں۔ یہ سب لوگ وہابی تھے اور تحریک وہابیت سے وابستہ تھے۔ خود آپ کے شہر پھلواری کے کبیر احمد پھلواروی مشہور وہابی تھے اور اونچے درجے کے شاعر تھے۔

چار سلیمان بزرگوں کی رباعی میں قاضی سلیمان منصور پوری فارسی اور اردو کے نامور شاعر تھے اور وہابی تھے۔ ان کے بیٹے قاضی عبدالعزیز منصور پوری وہابیت کے باوجود صاحب دیوان شاعر تھے۔

مولانا غلام رسول (قلعہ میہاں سنگھ والے) وہابی ہونے کے ساتھ فارسی کے مانے ہوئے شاعر تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری تحریر و تقریر میں ایسے برمحل شعر لاتے تھے، جیسے شاعر نے اسی موقع کے لیے یہ شعر کہا تھا۔

ہم نے عالمانہ لہجے میں عرض کیا: "ہلم جرا" آگے چلیے۔ مولانا سید داود غزنوی آپ کی طرح خاندان سادات کے فرد تھے اور ذوق شعری ان کی گھٹی میں رچا ہوا تھا۔ ان کے بیٹے سید ابوبکر غزنوی (اس زمانے میں زندہ تھے) شعر و شاعری کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں دینے کے بعد میں نے عرض کیا: آپ کے سامنے مولانا حنیف ندوی تشریف فرما ہیں جو آپ کے پرانے ساتھی اور ندوی بھائی ہیں یہ شعر فہمی کے ذوق سے بہرہ ور ہیں۔

مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی مشہور اہل حدیث عالم تھے اور بے شمار شعر انھیں زبانی یاد تھے۔ وہ شاہ صاحب کے بہت اچھے دوست تھے۔ میں نے ان کا ذکر بھی کیا کہ کئی شعراء کے دیوان ان کے ذہن میں محفوظ تھے اور زیادہ تر ان کا سلسلہ تحریر شعروں کے بل

بوتے پر چلتا ہے۔

اب ہم نے "در مدح خوذ" کہنا شروع کیا کہ اس بندہ عاجز کو لیجیے۔ میں بے شک عربی فارسی اور اردو کے زیادہ شعر نہیں جانتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ آپ اردو کے دو شعر پڑھیں گے تو میں پنجابی کے چار لوک گیت آپ کو سنا دوں گا۔ آپ اگر فارسی کا ایک شعر پڑھیں گے تو میں ہیر وارث شاہ کے دو شعر پڑھ دوں گا۔ اگر عربی کا کوئی شعر سنائیں گے تو میں پنجابی کی ضرب الامثال کے ڈھیر لگا دوں گا۔ یا کان پر ہاتھ رکھ کر ایسی ایسی پنجابی بولیاں سناؤں گا کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔ بتائیے وہابی بدذوق اور شعر فہمی سے محروم کیسے ہوئے؟ یہ آپ سے کس بات میں پیچھے ہیں اور آپ ان سے کس معاملے میں کتنے قدم آگے ہیں؟

شاہ صاحب نے ہماری یہ تقریر دلپذیر جو ہم نے پوری روانی سے کی، غور سے سنی۔ مولانا حنیف ندوی بھی خاموشی سے سنتے اور مسکراتے رہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا: میرا تو اس طرف کبھی دھیان ہی نہیں گیا۔ آپ نے ٹھیک کہا۔ مولانا حنیف ندوی نے ہنستے ہوئے کہا۔ پادری کے سامنے اعتراف گناہ کر لیا۔ فرمایا: پادری نے اعتراف گناہ پر مجبور کر دیا۔ میں نے عرض کیا: اب مان گئے کہ وہابی بدذوق نہیں ہیں۔ فرمایا بالکل مان گیا۔ [1]

اب چند باتیں اپنے عزیز دوست علی ارشد سے مستعار لیتا ہوں۔ بھٹی صاحب سے متعلق ان کا دلچسپ اور معلوماتی مضمون 1995ء کے ماہ جون میں مجلہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں شائع ہوا تھا۔ علی ارشد صاحب لکھتے ہیں: "اپنے ذاتی معاملات کی حد تک بھٹی صاحب کافی سست ہیں، جب گیانی ذیل سنگھ بھارت کے صدر تھے تو بھٹی صاحب انڈیا جانے کے بڑے آرزومند تھے۔ مجھے کہا کہ میرا پاسپورٹ بنواؤ اور اس پر بھارت کا اندراج کراؤ۔ ہم اکٹھے انڈیا جائیں گے۔ میں نے یہ کام کر دیا لیکن بھٹی

---

[1] بزم ارجمنداں ص 380

صاحب اپنی کاہلی کی وجہ سے نہ جا سکے۔ گیانی ذیل سنگھ نے پاکستان میں بھارتی سفارت خانے والوں کو لکھا کہ اگر محمد اسحاق بھٹی انڈیا آنا چاہیں تو ان کے ساتھ تعاون کریں۔ سفارت خانے والوں نے بھٹی صاحب کو خط لکھا کہ آپ اپنا پاسپورٹ لے کر آجائیں تاکہ بھارت جانے کا ویزا لگایا جاسکے۔ اس پیش کش سے بھی بھٹی صاحب فائدہ نہ اٹھا سکے۔

1987ء میں ایک بار پھر بڑے جوش اور عزم سے مجھے خط لکھا کہ میرے پاسپورٹ پر بھارت کا اندراج کراؤ۔ میری بیوی کہتی ہے کہ اللہ کے بندے کیوں تکلیف کرتے ہو، تم لاہور سے باہر نہیں جاسکتے۔ یہ گویا اس نے مجھے چیلنج کیا ہے۔ میں نے فوراً اس کا جواب نہیں دیا۔ اب ان شاء اللہ عملاً جواب دوں گا۔ آپ جواب دینے میں مدد کریں۔ میں ان شاء اللہ بہت جلد جانا چاہتا ہوں۔ میری خاطر سونے میں ذرا کمی کرلیں اور پلنگ سے تھوڑا سا رابطہ توڑ لیں اور یہ کام کریں۔ میں نے سونے میں کمی کر کے اور پلنگ سے رابطہ توڑ کر بھٹی صاحب کا پاسپورٹ مکمل کروایا، لیکن بھٹی صاحب پھر نہ جاسکے۔

علی ارشد صاحب لکھتے ہیں: 1990ء میں، میں بھارت گیا، دہلی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوہاب خلجی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے میرے ہاتھ مولانا اسحاق بھٹی صاحب کو بھارت آنے کا دعوت نامہ بھیجا۔ مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے بھٹی صاحب کو لکھا کہ میں آپ کو ہندوستان تشریف لانے اور اہل حدیث مراکز و جامعات دیکھنے کی دعوت دیتے ہوئے گزارش کروں گا کہ آپ ایک بار تشریف لا کر دیار کفر میں ہماری ناقص جدوجہد کو دیکھ کر، اپنے تاریخی و علمی تناظر میں جائزہ لینے کی کوشش کریں اور ہمارے نقائص اور خامیوں کی نشان دہی فرمائیں۔ اس پرخلوص دعوت کے باوجود مولانا محمد اسحاق بھٹی بھارت نہ جاسکے۔ اب بھی بوقت ملاقات بھارت جانے کی خواہش کا اظہار ضرور کرتے ہیں۔"

بھٹی صاحب کو اللہ رب العزت نے بے پناہ عزت و عظمت سے نوازا ہے۔ وہ نہایت نیک اور شریف النفس انسان ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا' 2000ء کے مارچ میں حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے والدین اور دادا نے توحید و سنت اور نیکی اور بھلائی کے جو نقوش چھوٹی عمر میں ان کے قلب و ذہن پر نقش کرنے

کی سعی کی تھی اس کے اثرات ایک زمانہ گزرنے کے باوجود بھٹی صاحب پر جوں کے توں دکھائی دیتے ہیں۔ بھٹی صاحب اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے ''کاروان سلف'' میں لکھتے ہیں:

''1936ء کی بات ہے کہ ہمارے شہر (کوٹ کپورہ) کی انجمن اصلاح المسلمین کے سالانہ جلسے میں حضرت سید محمد شریف گھڑیالوی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف اس وقت وہاں خطابت وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ بعض لوگ جامع مسجد میں حضرت شاہ صاحب کے حلقہ بیعت میں شامل ہوئے۔ میرے دادا مرحوم میاں محمد مجھے وہاں لے گئے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب بھی تشریف فرما تھے، جن سے میں دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا۔ دادا مرحوم نے شاہ صاحب سے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ میرا یہ پوتا ہے' مہربانی فرما کر اس کے لیے دعا کیجیے اور اسے اپنے مبایعین کی جماعت میں شامل کر لیجیے۔ چنانچہ انھوں نے میرا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور کچھ باتیں ارشاد فرمائیں۔''

''یہ آج سے باسٹھ تریسٹھ برس قبل کی بات ہے، اس وقت میری عمر دس گیارہ سال کی تھی۔ اب بالکل یاد نہیں کہ انھوں نے مجھ سے کیا فرمایا، کیا کہلوایا اور میں نے اس کا کیا جواب دیا۔ یہ سارا سلسلہ میرے لیے نیا تھا۔ بس مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کے چہرے کی طرف دیکھتا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ مجھے اس وقت کا ان کا حلیہ اتنا یاد ہے کہ ان کا چہرہ گول تھا، رنگ سرخ وسفید اور داڑھی پر مہندی لگی تھی۔ لوگ ان کے اردگرد بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے اور وہ باتیں کرتے کرتے کسی وقت رو پڑتے تھے۔ میں اس بیعت پر اپنے دل میں بہت خوش تھا۔ کیوں خوش تھا؟ اس لیے کہ میرے ذہن میں یہ بات آ رہی تھی کہ میں آج سے نیک ہو گیا ہوں اور آئندہ مزید نیک ہو جاؤں گا۔۔۔ کسی بزرگ نے کہہ بھی دیا تھا کہ میاں محمد کا پوتا نیک ہوگا اور اچھے کام کرے گا۔ چنانچہ اس بزرگ کی بات سے میرا حوصلہ بڑھ گیا تھا اور میں نیکی کی طرف پیش قدمی کرنے لگا تھا۔ روزانہ اپنی نیکیوں کا شمار بھی کرتا تھا کہ کل اتنی کی تھیں' آج اتنی کی ہیں اور آنے والے کل کو ان شاء اللہ اتنی کروں گا۔''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت نیکی کا میرے ذہن میں کیا تصور تھا؟ وہ

تصور تھا روزانہ صبح اٹھ کر قرآن مجید پڑھنا، نماز پڑھنی، اور سال کے بعد ایک مہینے کے روزے رکھنا۔ کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرنا، گالی گلوچ تک نہ پہنچنا۔ بڑے کی عزت کرنا، کسی کا کوئی کام ہو تو کر دینا۔ جھوٹ نہ بولنا، کوئی چیز چوری نہ کرنا۔

''چنانچہ اس دن سے میں ''نیک'' ہوں اور ان چیزوں پر عامل ہوں، جن میں سے بعض مثبت ہیں اور بعض منفی۔ بعض اوقات اگر مناسب سمجھوں تو اس سے زیادہ نیک کام بھی کر لیتا ہوں یا یوں کہیے کہ اتفاقاً نیک کام ہو جاتا ہے۔ قلم کی مزدوری کرتا ہوں۔ کوئی مزدوری دے دے تو لے لیتا ہوں اور نہ دے تو معاملہ اللہ کے حوالے کر دیتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ بھی نیکی میں شامل ہے۔''

اب محترم بھٹی صاحب کا تعارف ان کے رفیق خاص مولانا جعفر شاہ پھلواروی کے الفاظ میں ملاحظہ فرماتے ہیں:

''کل لفافہ کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ تو جناب محمد اسحاق ہیں جو دوستی میں مخلص اور خالی از نفاق ہیں۔ نہ خود ساختہ لیڈروں کی طرح صاحب طمطراق ہیں۔ نہ کھرے وہابیوں کی طرح بدمذاق ہیں۔ اپنے کاموں کے ماہر و مشاق ہیں۔ ادائے فرض میں چوبند و چاق ہیں۔ خود ہی انفس اور خود ہی آفاق ہیں۔ نہ باتونی نہ لپاق ہیں، بلکہ پابند مواعید و میثاق ہیں۔ مسلکاً وہابی اور مزاجاً درویشوں کی طرح صاحب انفاق ہیں۔ نہ حریص زر ہیں نہ نشانہ املاق ہیں۔ حساب کتاب میں بھی بے باک ہیں۔ ہر زہر کے تریاق ہیں مگر بے نیاز از عراق ہیں۔ متوجہ الی الخلاق ہیں۔ متوکل علی الرزاق ہیں۔ نیکوں پر جیسے رحیم ہیں، بدوں پر ویسے ہی شاق ہیں۔ حق نوازوں کے لیے صاحب اخلاق ہیں اور باطل پرستوں کے لیے مکمل قزاق ہیں۔ تحصیل حق کے مشتاق ہیں اور حق کے حق میں صاحب احقاق ہیں۔ مختصر یہ کہ مخلص علی الاطلاق ہیں۔''

خادم العلم والعلماء

محمد رمضان یوسف سلفی

28 ربیع الثانی 1429ھ

16 مئی 2007ء

بروز بدھ

جناب محمد سعید صاحب (وساوے والا)

جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب کی خدمت میں

بزم ارجمنداں پر ایک تبصرہ

باد سموم تیز ہے، مرجھا نہ جائے دل
مجھ کو جنابِ من ! ہے یہ دھڑ کا لگا ہوا

تو نے ہمارے سامنے دولت بکھیر دی
ہم بے زروں کا تیرے قلم سے بھلا ہوا

کھولی کتاب بزم تو خوشبو بکھر گئی
آیا خزاں میں یاد گلستان کھلا ہوا

جادو اثر ہیں تیرے قلم کی نگارشات
اک جام ہے مگر نشہ کیا کیا ملا ہوا

تیری نگارشات کی تعظیم کے لیے
کتنے ادب سے میرا قلم ہے جھکا ہوا

محفل میں آج کی خم پارینہ تو ہے
ہر ہاتھ میں ہے جام جدید اک تھما ہوا

جانا پڑے گا پھر ہمیں فرزانگی سے دور
کرنا پڑے گا چاک گریباں سلا ہوا

میں بھی تو ایک بلبل افسردہ ہوں یہاں
صرصر کا راج اور چمن ہے جلا ہوا

شاید شرر ہو ، راکھ دوبارہ کرید یے
فرہاد بن کے بیتے زمانے کو کھودیے

مولانا محمد اسحاق بھٹی

علی ارشد، فیصل آباد

علی ارشد چودھری فیصل آباد کے علمی وادبی حلقوں کی معروف شخصیت تھے۔ کتاب دوستی میں وہ خاص طور سے بے مثال تھے۔ان کی ذاتی لائبریری تقریباً بیس ہزار کتب پر مشتمل ہے۔علی ارشد 29 جون 1954ء کو فیصل آباد کے نواحی گاؤں چک نمبر 117 دھنولہ میں پیدا ہوئے اور 17 فروری 2009ء کو انھوں نے اچانک حرکت قلب بند ہونے سے فیصل آباد میں وفات پائی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی سے علی ارشد کے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔انھوں نے جون 1995ء میں ماہنامہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) میں بھٹی صاحب کے متعلق ایک بہت عمدہ مضمون لکھا تھا جو ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔میری معلومات کے مطابق یہ پہلا مضمون تھا جو کسی نے بھٹی صاحب پر لکھا۔افسوس کہ اس مضمون کو لکھنے والے علی ارشد آج ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی یہ تحریر قارئین کے ذوق طبع کی خاطر اس کتاب میں شامل کی جارہی ہے۔پہلے ماہنامہ "تعلیم الاسلام" کے ایڈیٹر قاضی محمد اسلم سیف کا نوٹ ملاحظہ فرمایے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ممتاز مصنف، مشہور ادیب ومؤرخ بکہنہ مشق صحافی اور نامور اہل قلم ہیں۔ان کے رشحات قلم نصف صدی سے برصغیر میں تحقیق ودانش علم وفضل اور ادب وانشاء کے لؤلؤ ولالا بکھیر رہے ہیں۔شخصیت نگاری ان کا خصوصی امتیاز ہے۔اکابر علماء سے ان کی مجالس اور ملاقاتیں رہی ہیں۔ان کا حافظہ بلا کا ہے۔واقعات ومشاہدات میں جزئیات تک ان کی یادداشت میں محفوظ ہیں۔تحریر میں جاذبیت اور کشش پیدا کرنا ان کی وہ خوبی ہے جس کے سب معترف ہیں۔

بھٹی صاحب خدائی عنایات میں خصوصی حیثیت کے مالک ہیں۔مولانا عزیز

زبیدی انھیں دور حاضر کا حافظ ذہبی کہا کرتے ہیں۔

مرنجاں مرنج، لطیفہ گو، باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ محفل آرائی اور ہر مجلس میں میر محفل کا انداز اختیار کر جانا یہ اللہ تعالیٰ کا انھیں دیا ہوا خاص ملکہ ہے۔ میرے بزرگ دوست اور عظیم مربی ہیں۔

ہمارے یہاں عام طور پر وفات کے بعد افراد و شخصیات پر لکھا جاتا ہے۔ اس میں بہت حد تک مبالغہ آرائی بھی ہو جاتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ارباب علم اور اصحاب دانش پر ان کی زندگی میں لکھا جائے تا کہ وہ اپنے بارے میں بھی پڑھ سکیں اور خلاف واقعہ باتوں کا جواب بھی دے سکیں۔ اس میں شخصیت نگار کو ایک مؤرخ اور نقاد کا کردار ادا کرنا چاہیے، اسے میراثی نامہ یا نثری قصیدہ خوانی نہ بنایا جائے۔ چنانچہ ہم علی ارشد صاحب فیصل آبادی کا یہ دوسرا مقالہ پیش کر رہے ہیں۔ آج سے دو تین برس قبل مولانا عبدالواحد فیصل آبادی مدظلہ العالی پر علی ارشد صاحب کا ایک حقیقت پر مبنی نہایت فاضلانہ مضمون شائع کرنے کا مجلہ ''تعلیم الاسلام'' کو اعزاز حاصل ہے۔ آج ہم مولانا محمد اسحاق بھٹی پر ان کا دوسرا مقالہ شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہے ہیں۔ مولانا اسحاق بھٹی کے بعض سیاسی نظریات سے اختلاف ناممکن نہیں لیکن ان کے علمی، دینی کارناموں اور ان کی تصنیفات، ان کی علمی خدمات کے بارے میں دو رائے نہیں ہیں۔ ہم دیگر معاصر اور اہل علم کو بھی اس موضوع پر داد سخن کی دعوت دیتے ہیں اور اس نئی روایت قائم کرنے پر علی ارشد صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

والسلام

محمد اسلم سیف فیروز پوری

اب آئندہ صفحات میں بھٹی صاحب کے بارے میں علی ارشد کا مضمون پڑھیے:

اسلام ہمیشہ زندہ طاقت رہا ہے۔ ٹیگور نے کہیں لکھا ہے کہ ''بچہ جو اس دنیا میں آتا ہے، خدا کا یہ پیغام لاتا ہے کہ خدا ابھی اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا۔'' عہد اسلام میں ایسی ایسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں کہ جن کے کارناموں کو پڑھ کر رشک بھی آتا ہے اور

حیرت بھی ہوتی ہے۔

ہند میں مجدد الف ثانیؒ نے توحید کا سبق دیا، نجد میں محمد بن عبدالوہابؒ نے مسلمانوں کو شانہ ہلا ہلا کر بیدار کیا، افغانستان میں جمال الدین افغانی اٹھے جنھوں نے مسلمانوں میں اجتماعی شعور پیدا کیا، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے سرحد کے غیور مسلمانوں کو متحد کر کے سکھوں کے خلاف صف آرا کیا۔

شہیدین کی تحریک سے دعوت و جہاد کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ انھوں نے اہل ہند کو حضرت محمد ﷺ کا وہی پیغام سنایا، جسے مسلمان اپنی ذاتی اغراض میں غرق ہو چکے ہیں۔ یہ اہل حدیث تحریک تھی جسے انگریز نے ''وہابی تحریک'' کا نام دیا۔

اصلاح رسوم ورواج کی اس تحریک سے قبر پرست بوکھلا اٹھے، اہل بدعت حواس باختہ ہو گئے، انگریز اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے، عیش پسند امراء تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

اس تحریک کو مٹانے کے لیے انگریز نے سازش کے جال بچھائے، امراء نے سیم وزر کی بازی لگا دی، نام نہاد علماء کا ایک گروہ ان مخلصینِ قوم کے خلاف گمراہ کن پراپیگنڈے میں مصروف ہو گیا۔ قبرستانوں کے گورکن، خانقاہوں کے سرپرست، پیر پرست مرید، جاہل مفاد پرست لیڈر اور علمائے سوء نے اتحاد بنا لیا کہ معروف کو مٹا کر رہیں گے، لیکن اس تحریک کو قبول کرنے والے بھی اصحاب صفہ کی طرح کے جواں ہمت لوگ تھے۔ انھوں نے جانی و مالی قربانی سے اس تحریک کو پروان چڑھایا۔ اپنی ساری صلاحیتیں اور زندگی کے قیمتی ترین لمحات اس کی اشاعت و وسعت کے لیے وقف کر دیے۔ اسی مشقت اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ تحریک کسی نہ کسی طرح زندہ ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کا شمار اسی ''طائفہ منصورہ'' کی باقیات الصالحات میں ہوتا ہے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی 1925ء میں کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ میں پیدا ہوئے، والد کا نام عبدالمجید بھٹی اور دادا کا نام میاں محمد تھا۔ فرید کوٹ لاہور سے بجانب مشرق اسی (80) میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اب یہ مشرقی پنجاب کا ایک ضلع ہے۔

پانچ سال کی عمر میں بھٹی صاحب کے دادا مرحوم انھیں نماز پڑھنے کے لیے ساتھ

لے جاتے۔ دادا نے گھر میں قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ تیسویں پارے کی دس بارہ سورتیں بھی یاد کرادیں۔ اردو کی چند کتابیں بھی پڑھا دی تھیں، مولوی رحیم بخش کی کتاب ''اسلام کی کتاب'' (اول تا چہارم) دادا مرحوم نے پڑھائی، حافظ محمد لکھوی مرحوم کی منظوم کتب ''احوال الآخرت، انواع محمدی اور زینت الاسلام'' بھی ان سے پڑھ لیں۔

1933ء میں جب مولانا پانچویں جماعت میں داخل ہوئے تو دادا مرحوم انھیں جامع مسجد میں مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ از راہ کرم وہ اسے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا دیا کریں اور اس کے فہم کے مطابق اسلامی تاریخ اور دینی مسائل کی کتابیں بھی پڑھا دیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے ترجمے کے ساتھ ساتھ جامعہ ملیہ کی دو کتابیں ہمارے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین پڑھائی جانے لگیں۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' بھی ڈھائی تین مہینے میں ختم کر لی۔

1939ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف سے فیروز پور میں عربی پڑھی، مولانا محمد علی لکھوی مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ مرکز الاسلام میں یکم جنوری 1937ء سے آخر سال تک طالب علم کی حیثیت سے اور پھر وسط اپریل 1943ء سے جون 1947ء تک معلم کی حیثیت سے رہے۔

1940-41 میں گوجرانوالا میں مولانا محمد اسماعیل سلفی اور حافظ محمد گوندلوی سے علوم دینیہ و عربیہ کی تعلیم حاصل کی۔

اوائل عمر سے اخبار پڑھنے کا شوق تھا۔ ایک آنے کا اخبار، دو دوست پیسے اکٹھے کر کے خریدتے تھے جب کہ ''زمزم'' (لاہور) اور ''مدینہ'' (بجنور) مولانا عطاء اللہ حنیف منگواتے تھے۔ یہ ان سے لے کر پڑھتے تھے۔ ابتدائی دور زندگی سے اہل علم کی محفلوں میں حاضر ہوتے۔ ان سے تعلق قائم کرتے، ان کی باتیں سنتے، اپنی معلومات میں اضافہ کرتے۔ یہ معلومات آج تک ان کے حافظے میں محفوظ ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے میری یادداشت ایک مستقل ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بھٹی صاحب کو اس دور کا حافظ ذہبی کہا جاتا ہے۔

چودہ پندرہ سال کی عمر میں سیاسی جلسوں میں شرکت کے لیے اور مذہبی مناظرے سننے کے لیے کبھی سائیکل اور کبھی بذریعہ بس پہنچ جاتے تھے۔ 1939ء میں لاہور میں ابوالکلام آزاد کی تقریر سنی۔ فرماتے ہیں کہ ''وجد طاری ہو گیا، اخبار میں شائع ہوئی تو جھوم جھوم کر پڑھی۔''

مولانا آزاد سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ یوں کہیے کہ مرید ہو گئے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ 20 جون 1947ء کو مولانا ابوالکلام آزاد سے پہلی بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ بوقت ملاقات دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ کھانے کا وقت ہوا تو میں نے کہا کہ میں ہاتھ نہیں دھوؤں گا جن ہاتھوں کو مولانا کے ہاتھوں نے مس کیا ہے، میں انھیں نہیں دھو سکتا۔ بھٹی صاحب، اسے ''نشہ آور ملاقات'' کا نام دیتے ہیں، کسی جگہ انھوں نے لکھا ہے کہ اخبار میں مولانا آزاد کی تصویر دیکھی، ان کی ہلکی سے کھڑی مونچھیں اور فرنچ کٹ داڑھی بہت بھلی لگی۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جب میرے چہرے پر داڑھی اگے گی، اسی قسم کی داڑھی اور اسی قسم کی مونچھیں رکھوں گا۔

مارچ 1939ء میں انجمن اہل حدیث فتح گڑھ چوڑیاں ضلع گورداس پور میں منعقدہ اجلاس میں، اپنے قابل احترام استاد مولانا محمد شفیع ہوشیار پوری کے ہمراہ بذریعہ سائیکل شرکت کے لیے پہنچے۔ لدھیانہ میں آل انڈیا اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کے پہلے اور آخری جلسے میں شرکت کے لیے مولانا عطاء اللہ حنیف کے ساتھ گئے۔ وہاں یونیسٹ وزیر میاں عبدالحی کی مسجد میں قیام کیا۔

جماعت اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں بھی شریک تھے۔ لکھتے ہیں: مجھے جماعت کے تیسرے درجے میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ تو ان کی کرم نوازی تھی کہ تیسرے درجے میں جگہ دی، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ اپنی گوناگوں کمزوریوں کی وجہ سے تجدید ایمان کے باوجود اس درجے کے لائق بھی نہ تھا۔

1935ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا مناظرہ سننے کے لیے فیروز پور پہنچ گئے۔ اس وقت گیارہ برس کے تھے، فرماتے ہیں: ''زندگی میں انسان بہت سے مقامات میں جاتا ہے اور بہت سے بلاد و قصبات کی سیر کرتا ہے۔ مجھے بھی بہت سے مقامات دیکھنے اور بہت

سی جگہوں میں گھومنے پھرنے کا موقع ملا۔ میں نے آزادی برصغیر سے قبل، بائیس تیئس سال کی عمر میں ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے بڑے شہر اور سب تاریخی مقامات دیکھ لیے تھے۔

جنگِ عظیم دوم کے بعد ریاستی عوام نے اپنے بنیادی حقوق حاصل کرنے اور آزادی کے حصول کے لیے تحریک شروع کر دی، ریاست فرید کوٹ میں بھی ''پرجا منڈل'' قائم کرنے کے لیے خفیہ طور پر صلاح مشورے شروع ہو گئے۔ ان سرگرمیوں کا مرکز کوٹ کپورہ تھا۔ بھٹی صاحب کم عمر ہونے کے باوجود ان میٹنگوں میں شریک ہوئے۔

ریاست فرید کوٹ کی پرجا منڈل کے پہلے انتخابات میں گیانی ذیل سنگھ کو صدر اور قاضی عبیداللہ کو جنرل سیکریٹری چنا گیا۔ گیانی ذیل سنگھ بعد میں ہندوستان کی صدارت کے عہدے تک پہنچے۔ کوٹ کپورہ کی پرجا منڈل کے صدر بھائی دیال سنگھ اور مولانا اسحاق بھٹی کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔

گیانی ذیل سنگھ سے بھٹی صاحب کے بڑے بے تکلفانہ تعلقات تھے، پرجا منڈل کے جلسے میں تقریر کرنے کھڑے ہوتے تو گیانی آہستہ سے کان میں کہتے: بسم اللہ پڑھ کر اور قرآن شریف کی تلاوت کر کے تقریر شروع کرنا۔ ریاستی حکام نے چند انقلابیوں کو گرفتار کیا تو سرکردہ افراد کا ایک وفد مشورہ کے لیے قصور مولانا عبدالقادر قصوری کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وفد میں بھی اسحاق بھٹی شامل تھے۔

مشہور سوشلسٹ لیڈر جے پرکاش نرائن، فرید کوٹ پرجا منڈل کے جلسہ عام میں تقریر کے لیے آئے تو سٹیج سیکرٹری کے فرائض مولانا اسحاق بھٹی نے سرانجام دیے۔ اس دوران ڈرانے دھمکانے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ایک بار تانگے پر واپس جاتے ہوئے کوٹ کپورہ پرجا منڈل کے عہدے داروں کو چار لاٹھی بردار راستہ روکنے کے لیے بھیجے گئے تو بھائی دیال سنگھ نے اونچی آواز میں کہا: ''ساک مدا چلا دے پستول۔'' بقول بھٹی صاحب یہ محض پھوکا ڈراوا تھا۔ ریاست میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ دفعہ 144 کو توڑا جائے، پانچ پانچ آدمیوں کا جتھہ بنایا گیا۔ جتھہ نعرے لگاتا ہوا انگریزی علاقے سے ریاست کی حدود میں داخل ہوتا اور گرفتاری پیش کرتا۔ شام تک ڈھائی سو آدمی پکڑے جا

چکے تھے، جنھیں جیل کی بارک نمبر 14 میں پہنچا دیا گیا، رات تک تیرہ افراد کے علاوہ سب کو رہا کر دیا گیا۔ بھٹی صاحب بتاتے ہیں کہ جیل میں بھائی دیال سنگھ مجھ سے کہتے کہ ''حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات سناؤ۔'' بارک کے بالکل سامنے پھانسی گھر تھا۔ جہاں اسی دوران تین حقیقی بھائیوں کو پھانسی دی گئی۔ جیل میں عدالت لگا کر مقدمہ چلایا گیا، سب کو ساٹھ ساٹھ سال کی سزا سنائی گئی۔ بھٹی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بھولی بھالی سی شکل بنا کر عرض کی: ''کیا ہماری اور ہمارے بچوں کی شادی یہیں ہوگی؟'' اس پر مجسٹریٹ تھوڑا سا مسکرایا۔

جیل میں ہر پیر کو آدھ سیر حلوہ ''یعنی کڑاہ پرشاد'' ملتا، روزانہ تین اور چار بجے کے درمیان آدھ پاؤ چنے اور آدھ پاؤ گڑ دیا جاتا۔ اتوار کو کپڑے دھونے کے لیے پاؤ بھر صابن ملتا تھا۔

جیل میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے جو مولانا داؤد غزنوی کے بعد پنجاب کانگریس کے صدر منتخب ہوئے تھے، قیدیوں سے ملاقات کی، انھوں نے قیدیوں کو بتایا کہ جلد ہی پنڈت جواہر لال نہرو، مہاراجہ ہراندر سنگھ سے گفتگو کے لیے آرہے ہیں۔

جیل کا ایک واقعہ مولانا اسحاق بھٹی بیان کرتے ہیں کہ رات کو انسپکٹر عجائب سنگھ نے ملاقات کی اور کہا کہ تم مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ، مہاراجہ چاہتے ہیں کہ مسلمان مسلم لیگ کو مضبوط بنائیں، اور پھر اسی پلیٹ فارم سے اپنے مطالبات پیش کریں، حکومت ان کی پوری مدد کرے گی۔ ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلے میں انھیں ترجیح دی جائے گی۔ بھٹی صاحب سمجھ گئے کہ یہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو والی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی مداخلت سے قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد گروپ فوٹو بنوایا گیا۔ چیتن دیوی کی بہن نے سب کے ماتھے پر تلک لگایا، بھٹی صاحب کی باری آئی تو انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہمارے مذہب میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

پنڈت نہرو کہہ کر گئے کہ رہائی کے بعد سب انھیں بھٹنڈہ ریلوے اسٹیشن پر ملیں، بھٹی صاحب بھی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت دہلی جانے والی ٹرین میں بیٹھ گئے۔ اٹھ کر ملے، ہاتھ ملایا اور کچھ دیر گفتگو کی۔

فرید کوٹ کے ایک شخص چندر شیکھر آزاد نے "فرید کوٹ تحریک 1946ء" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے صفحہ 64 پر قیدیوں کے نام درج ہیں۔ مصنف نے محمد اسحاق بھٹی کی بجائے محمد اسحاق اللہ لکھا ہے۔ یہ سب سے کم عمر قیدی تھے۔ (مطبوعہ جالندھر 1966)

یہ آزادی اور تقسیم کے قریب کا زمانہ ہے، ہنگامے اور بلوے شروع ہو چکے تھے۔ مسلمان اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے۔ ہجرت کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔

منظر عالم نے، جو ریاستی مسلم لیگ کے صدر تھے 11/اگست 1947ء کو دہلی میں اجلاس طلب کیا، جس میں بھٹی صاحب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ اسی اجلاس میں حیدر آباد دکن کے بعض مسلم لیگی رہنماؤں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں فوراً اپنے گھروں پر ترنگا (کانگریس کا جھنڈا) لہرا دینا چاہیے۔

13 اگست 1947ء کو بھٹی صاحب چند دوسرے زعماء کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں بتایا کہ فرید کوٹ کے مسلمان اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہے ہیں، آپ مداخلت کیجیے۔ انھوں نے خود مہاراجہ فرید کوٹ کو ٹیلی فون کیا، جو اس وقت دہلی میں موجود تھے۔ راجہ نے یقین دلایا کہ ریاست کے مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

21/اگست 1947ء کو بھٹی صاحب کا ایک سو تین افراد پر مشتمل قافلہ کوٹ کپورہ سے بذریعہ ٹرک روانہ ہوا۔ صبح پانچ بجے آبائی گاؤں چھوڑا اور شام آٹھ بجے، پندرہ گھنٹوں میں پچاس میل کا سفر طے کر کے قصور پہنچے۔ ان کا خاندان جڑاں والا کے قریب گاؤں چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور میں آباد ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد پروفیسر عبدالقیوم، مولانا اسماعیل سلفی اور بعض دیگر حضرات نے مولانا داؤد غزنوی کے ساتھ مل کر فیصلہ کیا کہ جماعت اہل حدیث کی تنظیم قائم کی جائے۔ اس سلسلے میں 24 جولائی 1948ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور میں جماعت کے سرکردہ حضرات کا اجلاس بلایا گیا، جس میں کم و بیش دو سو افراد نے شرکت کی۔ مولانا اسحاق بھٹی بھی حاضر تھے۔ اسی اجلاس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تاسیس

عمل میں آئی۔

اکتوبر 1948ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب بھٹی صاحب کے گاؤں پہنچے اور انھیں ساتھ لے کر مولانا داؤد غزنوی کے دفتر لے گئے اور انھیں آفس سیکرٹری کے فرائض سونپے گئے۔

19 اگست 1949ء کو ہفت روزہ ''الاعتصام'' گوجراں والا سے جاری ہوا، مولانا محمد حنیف ندوی کو مدیر مقرر کیا گیا اور مولانا اسحاق بھٹی صاحب کو معاون ایڈیٹر بنا کر گوجراں والا بھیج دیا گیا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ ہندو پاک کے متعدد اکابر علماء اور زعما کو خطوط لکھے، ان سے ''الاعتصام'' کا تعارف کرایا اور ان کے نام اخبار جاری کیا۔

''معاون ایڈیٹر'' کی تشریح بھٹی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اپنے اسلوب خاص میں کچھ اس طرح کی ہے: ''معاون ایڈیٹر کا لفظ تو میں نے اپنے ''عیب انا'' کو نمایاں کرنے کے لیے لکھا ہے، ورنہ میں اس میں خاکروب بھی تھا، چپراسی بھی تھا، کلرک بھی تھا، منیجر بھی تھا، اگر انا کو مزید ظاہر کروں تو عرض کروں کہ بعض دفعہ اداریے اور شذرات بھی لکھا کرتا تھا۔ کتنے ہی شماروں میں ایسا ہوتا کہ مولانا حنیف ندوی ''وزیر بے محکمہ'' کی طرح پورے پرچے میں ''مدیر بے تحریر'' ہوتے اور ہر سطر، ہر پیرے اور ہر صفحے پر ہمارا سکہ چلتا تھا۔''

ادارہ ثقافت اسلامیہ 1950ء میں قائم کیا گیا، اس کے پہلے ڈائریکٹر خلیفہ عبدالحکیم تھے، خلیفہ مرحوم نے رشید اختر ندوی کو مولانا حنیف ندوی کی خدمت میں گوجراں والا میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ ادارے میں ہمارے ساتھ کام کریں۔ 15 مئی 1951ء کو ندوی مرحوم ادارے سے منسلک ہو گئے۔ اور پھر ''الاعتصام'' کی زمام ادارت باقاعدہ طور پر مولانا بھٹی صاحب کے حوالے کر دی گئی۔

دسمبر 1963ء کو مولانا داؤد غزنوی وفات پا گئے تو اخبار کی انتظامیہ سے بھٹی صاحب کے اختلافات پیدا ہو گئے، اور اختلافات کی یہ خلیج بڑھتی ہی گئی۔

30 مئی 1965ء کو بھٹی صاحب نے ''الاعتصام'' کی ادارت سے استعفیٰ دے

دیا۔ قبل ازیں جنوری 1958ء میں بھٹی صاحب نے سہ روزہ ''منہاج'' جاری کیا تھا۔ یہ پرچہ تیرہ چودہ ماہ جاری رہا۔ ہفت روزہ ''اہل حدیث'' لاہور کی ''رضا کارانہ ادارت'' سے محض اس لیے الگ ہوئے کہ انھوں نے عبدالغفار خان کی وفات پر جو اداریہ لکھا تھا، وہ جمعیت کے بعض قائدین کو پسند نہیں آیا تھا۔

''الاعتصام'' کے معاملات سے فارغ ہو کر بھٹی صاحب نے مولانا داؤد غزنوی کے صاحب زادے ابوبکر غزنوی سے مل کر ہفت روزہ ''توحید'' نکالا۔ یہ رسالہ مولانا غزنوی نے امرتسر سے جاری کیا تھا۔ وہاں سے یہ اپریل 1927ء سے مئی 1929ء تک نکلتا رہا تھا۔ اب چھتیس برس کے بعد عمر فاروق غزنوی کے نام سے اس کا اجازت نامہ لیا گیا۔ نگران ابوبکر غزنوی اور مدیر مولانا اسحاق بھٹی مقرر ہوئے۔ یہ رسالہ 20x30/4 سائز کے بیس صفحات پر شائع کیا جاتا۔ سرورق تین رنگوں میں چھپتا تھا۔ کتابت وطباعت عمدہ اور مضامین ومندرجات کا معیار بہت اونچا، حصہ نظم بھی شان دار تھا۔ 18 ستمبر 1965ء کو جب کہ پاکستان بھارت جنگ زوروں پر تھی۔ مولانا اسحاق بھٹی نے توحید کی ادارت سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ سید ابوبکر غزنوی نے ڈرایا کہ جنگ کا زمانہ ہے اور مستقبل تاریک ہے۔ مولانا نے جواب دیا: مستقبل میرے اور آپ کے تاریک کہنے سے روشن نہیں ہو سکتا اور روشن کہنے سے تاریک نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر چند روز کے لیے بھٹی صاحب جڑاں والا اپنے گاؤں چلے گئے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی بڑے حوصلہ منداور قناعت پسند آدمی ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ حالات کیسے بھی حوصلہ شکن ہوں، قلم کے مزدور کو کیا فرق پڑتا ہے۔ محنت کش کے لیے دو وقت کی روٹی، کوئی مسئلہ نہیں، گھبراتے تو حریص ہیں۔

قلم کے اس مزدور نے اپنے ہنر سے اتنا کمایا نہیں جتنا بیگار میں پکڑا گیا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام 1948ء سے مئی 1965ء تک تقریباً سولہ سترہ سال باقاعدہ مرکزی جمعیت اہل حدیث سے وابستہ رہے۔ اس طویل مدت میں متعدد حضرات کے استقبالیہ خطبے لکھے جو انھوں نے مختلف اجلاسوں میں ارشاد فرمائے۔ جمعیت کے بہت سے منصب داروں کے اعلانات تحریر کیے جو ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ، ان کی جانب

سے اشاعت پذیر ہوئے۔ کتنے ہی علمائے کرام اور مضمون نگار بزرگوں کے مضامین قلم بند کیے، جو ان کی طرف سے اخبار میں چھپے۔ بے شمار اشتہارات جماعت کے صدروں اور سیکرٹریوں کے نام سے لکھے۔

ماہنامہ "المعارف" میں کتنے ہی مضامین لکھے، جو دوسروں کے نام سے چھپے، ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتب کے مقدمے اور پیش لفظ لکھے، جن میں بعض ان کے نام سے اور کچھ ان کتابوں کے مصنفین کے نام سے چھپے۔ بھٹی صاحب کہتے ہیں کہ میں جب سے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہوا ہوں، وہاں چھپنے والی ہر کتاب کا "فلیپ" انھوں نے لکھا، چاہے وہ کسی کے نام سے بھی چھپا ہو۔

بھٹی صاحب، رئیس احمد جعفری اور بیگم جعفری سے بہت متاثر ہیں۔ رئیس احمد جعفری انھیں میری جان کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ بھٹی صاحب بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک واقعہ اس سلسلے میں سنایا کرتے ہیں کہ "نیا علی گڑھ سکول" کی رسم افتتاح کے موقع پر ادارہ ثقافت اسلامیہ کے تمام رفقاء مدعو تھے، رئیس صاحب قیلولے کے عادی تھے لیکن وہاں ایسا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ انھوں نے مجھے کہا: میری جان کہیں سے چار پائی اور بستر کا انتظام کرو۔ میں تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔ انھوں نے قریب ہی کسی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، ایک خاتون باہر آئیں تو انھیں کہا کہ یہاں ایک "سید" آئے ہیں، بڑی کرنی والے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ ہمیں ایک چار پائی اور بستر دے دیں تو کچھ دیر بعد لوٹا دیں گے، سید دعائیں دے گا اور آپ کی مرادیں پوری ہوں گی۔ انھوں نے مطلوبہ چیزیں مہیا کر دیں اور جعفری صاحب ایک گھنٹہ تک قیلولہ کرتے رہے۔

رئیس احمد جعفری کے پاس ابوزہرہ مصری کی کتاب امام زید ترجمے کے لیے آئی تو انھوں نے اس کے فقہی حصے "المجموع" والے ابواب پھاڑ کر بھٹی صاحب کے حوالے کر دیا اور کہا اس کا ترجمہ کر دو۔ میں اس کا پیشگی معاوضہ لے کر ٹھکانے لگا چکا ہوں۔ اس لیے آپ کو کچھ معاوضہ نہیں ملے گا۔ بھٹی صاحب نے اس کا ترجمہ کر دیا۔ یہ کتاب بہاول پور سے شائع ہوئی۔

بھٹی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ''بیگار'' کے یہ واقعات اپنے عزیز ترین دوست قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری کو سنائے تو وہ مسکرا کر کہنے لگے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اور تم یہی کام کرتے رہتے ہیں۔

بھٹی صاحب 21 /اکتوبر 1965ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہوئے۔ ان دنوں بھٹی صاحب لوہاری دروازے کے اندر ڈاک خانے کے قریب رہائش پذیر تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں، مولانا حنیف ندوی اور رئیس احمد جعفری ان کے گھر گئے اور ان کے چھوٹے بھائی سعید احمد کو پیغام دیا کہ بھٹی صاحب سے کہہ دیں کہ کل سے وہ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازم ہو گئے ہیں۔

اس زمانے میں ادارے کے ڈائریکٹر ایم ایم شریف تھے۔ انھوں نے بھٹی صاحب کو بتایا کہ میں نے رئیس احمد اور دیگر رفقائے ادارہ سے بات کی تھی کہ ہمیں ادارے میں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو حدیث و فقہ سے تعلق رکھتا ہو اور اس موضوع کی مختلف کتابوں پر اس کی نظر ہو۔ انھوں نے فوراً آپ کا نام لیا، مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ ادارے کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔

ادارے میں بھٹی صاحب کی تنخواہ تین سو روپے ماہانہ مقرر کی گئی۔ ماہنامہ ''ثقافت'' (اب ''معارف'') کے نائب مدیر بنائے گئے۔ ستر روپے اس کا الاؤنس دیا جاتا تھا۔

بھٹی صاحب بڑے ہنس مکھ، ملنسار، مہمان نواز، بذلہ سنج، لطیفے سننے اور سنانے کے شائق ہیں۔ کہتے ہیں میرا اس کے بغیر گزارا نہیں۔ جب تک خود لطیفے کی زد میں نہ آؤں یا دوسروں کو اس کی زد میں لانے کی کوشش نہ کروں، مجھے ذہنی سکون نہیں ہوتا۔

اپنے ذاتی معاملات کی حد تک بھٹی صاحب بہت سست ہیں، جب گیانی ذیل سنگھ بھارت کے صدر تھے تو یہ انڈیا جانے کے بڑے آرزومند تھے، مجھے کہا کہ میرا پاسپورٹ بنواؤ اور اس پر بھارت کا اندراج کراؤ، ہم اکٹھے بھارت جائیں گے۔ میں نے یہ کام کر دیا، لیکن بھٹی صاحب اپنی کاہلی کی وجہ سے نہ جا سکے۔ گیانی ذیل سنگھ نے پاکستان میں بھارتی سفارت خانے والوں کو لکھا کہ اگر اسحاق بھٹی صاحب انڈیا میں آنا چاہیں تو ان

کے ساتھ تعاون کریں۔ سفارت خانے والوں نے ان کو خط لکھا کہ آپ اپنا پاسپورٹ لے کر آجائیں تاکہ بھارت جانے کا ویزا لگایا جاسکے۔ اس پیش کش سے بھی یہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ 1987ء میں ایک بار پھر بڑے جوش اور عزم سے مجھے خط لکھا کہ میرے پاسپورٹ پر بھارت کا اندراج کراؤ، میری بیوی کہتی ہے کہ اللہ کے بندے کیوں تکلیف کرتے ہو، تم لاہور سے باہر نہیں جاسکتے۔ یہ گویا اس نے مجھے چیلنج کیا ہے، میں نے فوراً اس کا جواب نہیں دیا، اب عملاً اس کا جواب دوں گا۔ آپ جواب دینے میں میری مدد کریں، میں ان شاء اللہ بہت جلد جانا چاہتا ہوں۔ میری خاطر سونے میں ذرا کمی کرلیں اور پلنگ سے تھوڑا سا رابطہ توڑ ڈالیں اور یہ کام کریں۔ میں نے سونے میں کمی کرکے اور پلنگ سے رابطہ توڑ کر پاسپورٹ مکمل کروایا لیکن اسحاق بھٹی پھر بھی نہ جاسکے۔

میں 1990ء میں بھارت گیا، دہلی میں جمعیت اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ عبدالوہاب خلجی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، انھوں نے میرے ہاتھ مولانا اسحاق بھٹی کو بھارت آنے کا دعوت نامہ بھیجا۔ مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے لکھا کہ میں آپ کو ہندوستان تشریف لانے اور اہل حدیث کے مراکز و جامعات دیکھنے کی دعوت دیتے ہوئے گزارش کروں گا کہ آپ ایک بار تشریف لاکر دیارِ کفر میں ہماری ناقص جدوجہد کو دیکھ کر، اپنے تاریخی و علمی تناظر میں جائزہ لینے کی کوشش کریں اور ہمارے نقائص اور خامیوں کی نشان دہی فرمائیں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی پھر بھی بھارت نہ جاسکے۔ اب بھی بوقت ملاقات خواہش کا اظہار ضرور کرتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اپنے علم وفضل، عقل وفکر، ذوق سلیم، بلند حوصلگی، عالی ہمتی سے بڑے بڑے تصنیفی کارنامے سرانجام دیے ہیں:

شعبہ صحافت میں ان کی جانفشانی اور محنت کا سب نے اعتراف کیا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے اداریے دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ ان کے اٹھائے ہوئے نکات پر اہل علم توجہ مبذول فرماتے اور داد بھی دیتے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہونے والی ان کی کتابیں اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ محققین عصر نے ان کے کام کو سراہا، طالبان علم نے ان کی تلاش و تحقیق

سے استفادہ کیا اور علمی ذوق رکھنے والوں نے بھرپور قدر شناسی کی۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ان کی تصنیفی خدمات کا آغاز "الفہرست" کے ترجمے سے ہوتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ یہ نومبر 1965ء کی بات ہے، ہمارے ڈائریکٹر ایم ایم شریف صاحب نے مجھے پوچھا: "الفہرست" نام کی کوئی کتاب ہے؟

میں نے کہا: "ہے۔"

انھوں نے کہا: "کس زبان میں ہے؟"

میں نے کہا: "عربی زبان میں"

انھوں نے پوچھا: "ہماری لائبریری میں موجود ہے؟"

میں نے کہا: "یہاں نہیں ہے"

پوچھا: "کس کی تصنیف ہے؟"

جواب دیا: "محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق کی۔ یہ چوتھی صدی ہجری کا آدمی ہے اور بغداد کا باشندہ ہے۔

دریافت کیا: "اس کا ترجمہ ہو سکے گا؟"

عرض کی: "دیکھ کر بتا سکوں گا۔"

بہرحال، "الفہرست" (مصر کی چھپی ہوئی) شیخ مبارک علی کی دکان سے پچیس روپے میں خریدی گئی۔ ترجمہ شروع کر دیا، بے شمار مقامات پر حواشی لکھے، اشاریہ بنایا۔ ساڑھے نو سو صفحات کی یہ کتاب جون 1969ء میں شائع ہوئی۔

"الفہرست" ہی کے سلسلے ہی کا ایک اور واقعہ مولانا نے لکھا ہے کتاب کے چند الفاظ کے ترجمہ کے سلسلے میں مولانا جعفر شاہ پھلواروی مرحوم سے اختلاف ہوا۔ وہ فرماتے تھے کہ ترجمہ غلط ہے۔ بھٹی صاحب نے کہا کہ میں نے ترجمہ صحیح کیا ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم "حکم" قرار پائے۔ انھوں نے فیصلہ بھٹی صاحب کے حق میں دیا، مولانا جعفر شاہ پھلواروی نے پانچ روپے ادا کیے جو اسی وقت خرچ کر دیے گئے۔

اس کے بعد "برصغیر میں علم فقہ" شائع ہوئی۔ اور دس جلدوں میں "فقہائے

ہند“ مکمل کی۔

1989ء میں ”ارمغان حنیف“ شائع ہوئی۔ 30 جولائی 1984ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ کے زیر اہتمام واپڈا آڈیٹوریم لاہور میں مولانا محمد حنیف ندوی کے ساتھ ایک شام منائی گئی۔ تقریب میں مختلف اہل علم نے مولانا ندوی کی علمی و تحقیقی تگ و تاز کا جائزہ لیا۔ ان مقالات کو مرتب کر کے مولانا بھٹی نے ”ارمغان حنیف“ کا نام دیا۔ یہ کتاب مولانا ندوی کی وفات کے بعد شائع ہوئی، جس میں چار ضخیم مقالے خود بھٹی صاحب کے تحریر کردہ ہیں۔

مجھے یاد ہے جن دنوں میں مولانا بھٹی صاحب یہ کتاب ترتیب دے رہے تھے، میں انھیں ملنے کے لیے ادارہ ثقافت اسلامیہ گیا تو بھٹی صاحب، مولانا ندوی صاحب کے پاس ان کے قدموں کے قریب بیٹھے بڑی سعادت مندی سے کسی مضمون پر ان کی رائے طلب کر رہے تھے۔ بھٹی صاحب نے ان سے پوچھا: آپ کے والد کا نام میاں نور الدین ہی ہے نا۔ مولانا ندوی نے فرمایا: بھٹی صاحب یہ ”میاں“ رہنے دیں۔ اس سے ذات پات کا پہلو نکلتا ہے۔

بھٹی صاحب ”برادری“ کے معاملے میں متعصب تو ہرگز نہیں ہیں لیکن تھوڑے سے ”حساس“ ضرور ہیں۔ غالباً 1988ء کے الیکشن ہونے والے تھے، میری ملاقات ان سے ہوئی تو بتانے لگے کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا ووٹ مولانا اسعد گیلانی کو دیا ہوگا۔ میرا جواب ہوتا ہے کہ نہیں۔ میں نے عنایت حسین بھٹی کو ووٹ دیا ہے۔

1990ء میں ”برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش“ شائع ہوئی۔ اس میں قابل اعتبار تحقیقی ماخذ کے حوالوں سے، برصغیر میں وارد ہونے والے پچیس صحابہ کرام اور بیالیس تابعین اور اٹھارہ تبع تابعین کے حالات قلم بند کیے ہیں۔

1994ء میں ”قصوری خاندان“ مکتبہ تعلیمات الاسلامیہ ماموں کانجن کی طرف سے شائع ہوئی، جس میں مولانا عبدالقادر قصوری اور ان کے خاندان کے ”ناموران“ کا تذکرہ ہے۔

بھٹی صاحب نے خاکہ نگاری میں نیا اسلوب متعارف کروایا، اپنے طرز خاص

میں بہت سی نامور شخصیات کے کوائف، نہایت شرح اور تفصیل سے لکھے ہیں، جو ملک کے معتبر جرائد میں شائع ہوئے۔ مولانا بھٹی نے اپنے مضمون میں کہیں یہ لکھا ہے کہ ''میں خود پرانا آدمی ہوں، اور پرانے لوگوں سے تعلقات قائم کرنے اور قائم رکھنے کا عادی ہوں۔ ان کی باتیں بڑے غور سے سنتا ہوں، اور پھر انھیں یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان کی صحبت و رفاقت میں بیتے ہوئے لمحات کو زندگی کی نہایت قیمتی متاع قرار دیتا ہوں۔ تعلقات کے سوا ہمارے پاس ہے ہی کیا۔ لوگوں سے ملنا، ان کی سننا اور اپنی سنانا تو ہماری کمزوری ہے اور یہ کمزوری بسا اوقات بڑی طاقت ور بن جاتی ہے۔

اسحاق بھٹی صاحب اپنے مشاہدات بڑی توجہ اور مناسب الفاظ میں لکھتے ہیں، نہ کسی کی کمزوری کو اچھالتے ہیں اور نہ کسی کی خوبی کو چھپاتے ہیں۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ ''سچ'' پڑھ رہا ہے۔

بھٹی صاحب کے لکھے ہوئے خاکے پڑھ کر کراچی سے نامور محقق، مصنف اور مترجم مولوی ثناء الحق صدیقی صاحب نے مجھے لکھا کہ آپ بھٹی صاحب کو بتا دیں کہ میں ان کا مرید ہو گیا ہوں اور طریقہ اویسیہ پر ان سے بیعت ہو چکا ہوں۔

آخر میں مولانا اسحاق بھٹی کا تعارف، مولانا شاہ پھلواروی کے الفاظ میں:

''یہ تو جناب محمد اسحاق ہیں، جو دوستی میں مخلص اور خالی از نفاق ہیں۔ نہ خود ساختہ لیڈروں کی طرح صاحبِ طمطراق ہیں۔ نہ کھرے وہابیوں کی طرح بد مذاق ہیں۔ اپنے کاموں کے ماہر و مشاق ہیں۔ ادائے فرض میں چوبند و چاق ہیں۔ خود ہی انفس اور خود ہی آفاق ہیں۔ نہ باتونی نہ لپاق ہیں، بلکہ پابند مواعید و میثاق ہیں۔ مسلکاً وہابی اور مزاجاً درویشوں کی طرح صاحب انفاق ہیں۔ نہ حریص زر ہیں نہ نشانہ املاق ہیں۔ حساب کتاب میں بھی بے باق ہیں۔ ہر زہر کے تریاق ہیں مگر بے نیاز از عراق ہیں۔ متوجہ الی الخلاق ہیں۔ متوکل علی الرزاق ہیں۔ نیکوں پر جیسے رحیم ہیں۔ بدوں پر ویسے ہی شاق ہیں۔ حق نوازوں کے لیے صاحب اخلاق ہیں اور باطل پرستوں کے لیے مکمل

قزاق ہیں۔ تحصیل حق کے مشتاق ہیں اور حق کے حق میں صاحب احقاق ہیں۔ مختصر یہ کہ مخلص علی الاطلاق ہیں۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں تا دیر علم و تحقیق کی خدمت کرنے کی سعادت بخشے۔ آمین۔

ان الفاظ پر علی ارشد صاحب کا مضمون ختم ہو جاتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی کا ایک خط نقل کر دیا جائے۔ یہ خط بھٹی صاحب نے 16 جون 2000ء کو علی ارشد صاحب کے نام پنجابی میں لکھا تھا، جو اپنے دامن میں ندرت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ ان دنوں راقم کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، میں اور علی ارشد صاحب کسی وجہ سے بھٹی صاحب کو ملنے لاہور نہ جا سکے تو اس پر بھٹی صاحب نے یہ خط لکھا۔ اور اس میں بہت سے دوستوں کے نام ہیں۔ سلفی سے راقم محمد رمضان یوسف سلفی، شاہ ہوراں سے مراد سید انیس شاہ جیلانی، ڈاکٹر ہوراں تو مراد ڈاکٹر خالد ظفر اللہ اور پروفیسر ساجد اسد اللہ اور سرور سے مراد مولانا محمد سرور عاصم مالک مکتبہ اسلامیہ لاہور ہیں۔ اب خط ملاحظہ فرمایے:

بھائی جی!

السلام علیکم

بہت دناں توں تہاڈے ولوں کوئی چٹھی چیڑ انہیں آیا۔ کی حال اے، تگڑے او۔ اک دن سلفی دا ٹیلی فون آیا سی۔ اوہنیں دسیا کہ تاپ لہہ گیا اے، تے اسیں لہور اوندی صلاح کیتی اے۔ بس پھیر چپ ہو گئے۔ سلفی نے تاں سانوں جھیتی اپنے آپ توں نا امید کر دتا اے۔

ہوراں دوستاں دا یعنی سرور، امین، جعفر، ڈاکٹر ہوراں دا کی حال اے۔ طارق تے اشرف ہوری بھی ٹھیک نے؟ شاہد کدی ملدا اہوندا اے کہ نہیں؟

کل شاہ ہوراں دا خط آیا اے کہ انھاں نوں "کاروان سلف" نہیں ملی۔ میں جواب دتا کہ تہانوں کتاب بھیجن دا ذمہ علی ارشد نے لیا سی، اوسے کولوں پچھو۔ میں وی

اونھوں چٹھی لکھاں گا۔

ایہہ عجیب جی گل اے کہ ویاہ اک بندے نے کرایا تے ملنا جلنا ساریاں نے چھڈ دتا۔ ویاہ والا تاں بھلاں مجبور اے، تے تہانوں کی ہویا۔

اج سولاں جون دے ''الاعتصام'' چ ''کاروان سلف'' تے تبصرہ آیا اے۔ اوہ ضرور پڑھنا۔ سرور ہوراں دے ساتھیاں ''الدعوہ'' والیاں نے وی تبصرہ کیتا اے۔ ایہد ے نالوں تاں نا ای کردے۔ بریلویاں دی چنگی گل وی نہ لکھو، تے چندہ ساریاں توں لے لو۔ اوس ویلے اوہ بڑے نیک ہوندے نے۔

چنگا رب راکھا۔

محمد اسحاق بھٹی

مولانا محمد اسحاق بھٹی --- حالات وتاثرات

مولانا عبدالعظیم انصاری جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم دین تھے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ان کے مضامین ومقالات اخباروں میں شائع ہوتے اور قارئین کے مطالعہ میں آتے تھے۔ مخلص اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔ ستمبر 1956ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم دفتر مقرر ہوئے۔ اس وقت بھٹی صاحب ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے ایڈیٹر تھے۔ جمعیت اہل حدیث اور ''الاعتصام'' کے دفاتر ایک ہی بلڈنگ میں تھے۔ اس طرح تقریباً آٹھ سال دونوں کا قریبی تعلق رہا۔ اس تعلق کا اظہار انھوں نے اس مضمون میں کیا ہے جو ''الاعتصام'' کی تین قسطوں میں بھٹی صاحب کے بارے میں چھپا۔ پہلی قسط 21 نومبر دوسری 28 نومبر، تیسری 5 دسمبر 1997 کے الاعتصام میں شائع ہوئی۔

قرب تعلق کی بنا پر بھٹی صاحب کے متعلق ان کی تحریر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے مطالعہ سے بھٹی صاحب کے بارے میں بہت سی باتیں قارئین کے علم میں آئیں گی۔ مولانا عبدالعظیم انصاری نے اس مضمون کی اشاعت سے پانچ سال بعد 28 دسمبر 2002 کو اپنے وطن قصور میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مضمون کے آخر میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ کسی وقت بھٹی صاحب کے حالات اور ان کے ساتھ گزرے ہوئے بہترین لمحات حوالہ قلم کریں گے۔ افسوس ہے وہ ایسا نہ کر سکے۔ دل کی باتیں دل میں لے گئے۔ اگر لکھا جاتا تو بہت سی دلچسپ باتیں ہمارے علم میں آتیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ اب ان کا مضمون ملاحظہ فرمایئے۔ (مرتب)

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علمی اور دینی حلقوں میں ان کی شخصیت نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ ادب وصحافت، سیرت نگاری اور خاکہ نویسی میں ان کا ایک منفرد مقام ہے۔ مختلف سیاسی، دینی اور علمی شخصیتوں کے بارے میں ان کی معلومات نہایت وسیع اور قابل رشک ہیں۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی گویا سبقت لیے ہوئے ہیں۔

ان کے تأثرات ومشاہدات نہایت وقیع ہوتے ہیں۔ وسعت مطالعہ، قوت حافظہ اور یادداشت اتنی مضبوط ہے کہ اس پر پورا بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ اسلوب نگارش ان کا اپنا ہے جس میں روانی بھی ہے، گیرائی اور گہرائی بھی۔

فقرات والفاظ کا بہترین انتخاب اور موقع ومحل کے مطابق ان کے استعمال کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں۔ معلومات ومحسوسات کا خزینہ ہیں۔ ذہانت وفطانت اور ثقاہت وفقاہت کے وصف سے بفضل خدا پوری طرح بہرہ مند ہیں۔ ان کے قلم گوہر بار کی بوقلمونی کی بدولت مختلف اصناف میں ان کی نہایت علمی اور قابل قدر کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہیں، جن میں "فقہائے ہند" جو دس جلدوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، معرکۂ آرا تصنیف ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے متحدہ ہندوستان کے علماء وفقہا، اصحاب تصوف وطریقت اور اعاظم رجال کے حالات وکوائف، سیر وسوانح اور ان کی علمی، عملی، دینی، سیاسی اور تصنیفی وتدریسی کد وکاوش کا نہایت مؤدبانہ، مہذبانہ اور مؤرخانہ انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ بلاامتیاز مکتب فکر تمام علمائے کرام، فقہائے عظام، اہل حدیث، ائمہ اربعہ کے پیروکار، شیعہ حضرات سب کا تذکرہ کامل ادب واحترام سے کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ بھٹی صاحب حسب وعدہ اس موضوع کو چودھویں صدی ہجری کے آخر تک پہنچائیں گے تاکہ اس سلسلے کی تکمیل ہوسکے۔

مندرجہ بالا دس جلدیں تین ہزار چھ سو پچاس (3650) صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، اور ان میں برصغیر پاک وہند کے پندرہ سو چورانوے (1594) علمائے ذی مرتبت اور فقہائے عالی مقام کے سوانحات وحالات مرقوم ہیں۔

بھٹی صاحب فقہائے پاک وہند تیرھویں صدی ہجری کی جلد سوم کے صفحہ 21 پر مقدمے میں رقم طراز ہیں:

"ہمارے نزدیک تمام مسالک فقہ کے اہل علم ہم سب کی مشترکہ میراث اور متاع بے بہا ہیں۔ ان سے استفادہ کرنا اور ان کی علمی وفکری مساعی کو نمایاں کرنا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔"

یہ نہایت وسعت ظرف اور وسیع القلبی کا اظہار ہے اور ایک مؤرخ کے لیے ضروری بھی ہے کہ جذبہ داری، حمایت اور جانب داری کو نظرانداز کر کے حقیقت حال اور صحیح واقعات کی نشان دہی کرے اور بے مقصد طرف داری سے قلم کو آلودہ نہ کرے۔ یہ وصف بھٹی صاحب میں مکمل طور پر موجود ہے اور ان کی تحریر سے کسی کی دل آزاری کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

ان کے قلم کی جولانی کا ایک عظیم مظہر چوتھی ہجری کے نامور مؤرخ اور محقق محمد بن اسحاق ابن ندیم کی ضخیم تصنیف ”الفہرست“ کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے چوتھی صدی ہجری تک کے تمام علوم وفنون، شخصیات ورجال، کتب سماویہ خصوصاً نزول قرآن، اس کی جمع وتدوین، قراء، قرآن مجید، دیگر علوم وفنون، ادب وانشاء، فصاحت و بلاغت، حدیث وفقہ، علم سحر ونجوم، منطق وفلسفہ، ریاضی وحساب، علم صرف ونحو، طب وحکمت، کیمیا گری کی صنعت، علم عروض، فن شعری، جادوگری، شعبدہ بازی، اور ان تمام علوم کے فاضل ماہرین اور ان کی تصانیف اور ایجادات، فقہا ومحدثین، مؤرخین اور ان کے مختلف النوع کوائف کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب کی فہرست مضامین کو دیکھتے ہی انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور تاریخ ورجال اور علوم وفنون کے سلسلے میں بنیادی حوالے کی کتاب ہے۔ بھٹی صاحب نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ترجمہ اتنا رواں دواں اور شستہ وشگفتہ ہے کہ قاری نہایت آسانی سے کتاب کے تمام مطالب کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت دشوار مرحلہ ہے، لیکن بھٹی صاحب اس مرحلے سے آسانی کے ساتھ گزر گئے۔ اہل علم، تاریخ دان، طلبا اور حوالوں کے متلاشی حضرات کے لیے یہ بیش قیمت تحفہ اور نہایت افادیت کی حامل کتاب ہے۔ ترجمے کے علاوہ بے شمار حل طلب مقامات پر بھٹی صاحب نے حواشی لکھے ہیں۔ کتاب کا اشاریہ بھی بنا دیا ہے۔

اس کے علاوہ ارمغان حنیف ان کی ایک قابل قدر کتاب ہے، جو مقتدر عالم دین عالی مرتبت مصنف ومحقق اور فلسفہ اسلامی کے سکالر مولانا محمد حنیف ندوی کے متعلق ہے۔ مولانا ندوی 15 رمئی 1951ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہوئے اور تاحین حیات

ادارے کے لیے مختلف علوم وفنون میں تصنیفی وتالیفی خدمات انجام دیتے رہے۔اس کتاب میں مولانا ندوی کے چند اہل علم احباب نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔اس کی طباعت بھی بھٹی صاحب کی مساعی کا نتیجہ ہے۔اوراس میں ان کے بھی چار مضامین ہیں جو بے حد قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔۔ کتاب کے مندرجات کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آمد کے سلسلے میں بھٹی صاحب نے ایک نہایت وقیع کتاب "برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش" تالیف کی ہے۔تاریخی لحاظ سے یہ انتہائی قیمتی معلومات پر حاوی ہے۔علاوہ ازیں اور بھی مختلف تصانیف ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ان میں قصوری خاندان، قابل ذکراور لائق مطالعہ ہے۔ اس میں بھٹی صاحب نے مولانا عبدالقادر قصوری اوران کے خاندان کی علمی، دینی، عملی اور سیاسی خدمات جلیلہ کا ذکر کیا ہے۔اس خاندان نے استخلاص وطن اور ملک کی آزادی کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔مولانا عبدالقادر قصوری بلند پایہ سیاست دان، نامور قانون دان، متبحر عالم دین، زہدوورع، تقویٰ وطہارت اور پاکیزہ اوصاف کے حامل تھے۔آزادئ وطن کی خاطر انھوں نے قیدوبند اور جیل کی صعوبتیں برداشت کیں اور سخت ترین آزمائشوں سے دوچار رہے۔

ان کے فرزندان گرامی مولانا محی الدین احمد، مولانا محمد علی ایم اے (کینٹب) اور میاں محمود علی قصوری کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔وہ بھی اپنے عالی قدر والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہی مصائب وآلام سے گزرے۔

کتاب بہت ہی معلومات افزا ہے لیکن ان کی ہمہ جہتی خدمات اور زندگی کے بعض روشن گوشوں کی ہنوز نقاب کشائی باقی ہے۔خصوصاً شہر قصور میں اس معزز خاندان نے جو دینی اور عوامی امور انجام دیے وہ تشنۂ تکمیل ہیں۔قصور میں جماعت اہل حدیث کے فروغ، مساجد ومدارس کی تعمیر اور انجمن اہل حدیث (رجسٹرڈ) قصور کا قیام انہی کی مساعی کا رہین منت ہے اوران کی بدولت لاکھوں روپے کی جائداد موقوفہ کا ایک ٹرسٹ معرض وجود میں آیا جس سے ان اداروں کو خود کفیل ہونے کا موقع فراہم کیا گیا۔خدا کے فضل اوران

کے ان کی حسن نیت کی وجہ سے ان اداروں میں مزید ترقی ہو رہی ہے۔ بانیٔ اول ہونے کی حیثیت سے ان تمام دینی سرچشموں کا اجر وثواب مولانا عبدالقادر قصوری کے نامہ اعمال میں ان شاء اللہ ضرور ثبت ہوگا۔ یہ کتاب "مکتبہ تعلیمات اسلامیہ" ماموں کانجن ضلع فیصل آباد کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ بھٹی صاحب کی مختلف النوع خدمات اور گوناگوں اوصاف کا حیطۂ تحریر میں لانا میرے جیسے شخص کے بس کی بات نہیں جو علمی اور معلوماتی لحاظ سے فروتر اور تہی دست ہے۔

جناب بھٹی صاحب مختلف اصحاب علم وفضل، ارباب زہد و ورع اور اہل فہم و فراست کے سوانحی خاکے اور ان کے حالات زندگی پر خامہ فرسائی کرتے رہتے ہیں اور اس کے کئی مجموعے ایک عظیم ذخیرے کی صورت میں جمع ہو گئے ہیں۔ میری ایک عرصے سے خواہش تھی کہ خود ان کی اس خدمت کے لیے بطور خراج تحسین ان کی زندگی کے جو حالات مجھے میسر آ سکیں یا ان کے ساتھ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر میں جو وقت گزارا ہے اس کی خوش گوار یادوں کو قلم بند کیا جائے لیکن طبیعت کی ناسازی اور صحت کی کمزوری کے ساتھ تساہل وتکاسل کی عادت بھی آڑے آتی رہی تا آنکہ چند ماہ پیشتر ان کی ایک تازہ تالیف "نقوش عظمت رفتہ" کے مطالعہ کا موقع ملا۔ یہ کتاب اتنی دلچسپ ہے کہ ان کی یادداشتوں کا خزینہ ہے۔ میں دوبارہ اس کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ مصنف محترم نے ازراہ کرم وذرہ نوازی دو چار مقامات پر اس عاجز کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی علیہ الرحمۃ والغفران کی وفات (16 دسمبر 1963ء) کے بعد جو غیر متوقع ناگفتنی واقعات پیش آئے، کتاب کے صفحہ 202 اور 203 پر بھٹی صاحب نے مجمل اشارات میں ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک علیحدہ تفصیلی مضمون میں حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کا ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں متعدد واقعات بیان کیے ہیں، جو خود میری آنکھوں کے سامنے ظہور میں آئے۔ یہ تمام واقعات بالکل صحیح ہیں۔

مرکزی جمعیت کی کابینہ کی بعض میٹنگوں کے ضمن میں پروفیسر سید ابوبکر غزنوی کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو اس وقت مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ تھے اور اس دور کے ناظم

نشر و اشاعت حاجی محمد اسحاق حنیف کا تذکرہ بھی ہے۔ یاد رہے کہ ان اجلاسوں میں یہ عاجز بھی بحیثیت ناظم دفتر اس کی کارروائی کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے شامل تھا۔ بعض واقعات بہت ہی ناخوش گوار یادیں چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مغفرت فرمائے۔ ان میں سے اب صرف یہ بندہ عاجز اور جناب بھٹی صاحب بقید حیات ہیں باقی تمام حضرات خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔ بھٹی صاحب اس وقت الاعتصام کے ایڈیٹر تھے، اور میں مرکزی جمعیت کا ناظم دفتر تھا۔ ہم دونوں کا ہر وقت کا ساتھ تھا۔ ہم بھٹی صاحب کو کبھی نہیں بھول سکتے، جو وقت ان کی رفاقت میں گزرا ہے، اسے حاصل زندگی کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بھٹی صاحب کی تازہ تصنیف ''نقوش عظمت رفتہ'' کو پڑھتے ہوئے وقت رفتہ کو یاد کر کے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور دل پر رقت طاری ہو گئی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میں ان بہت سے واقعات کا چشم دید گواہ ہوں جو اس کتاب میں مرقوم ہیں۔ خصوصاً حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی شفقتوں، ان کی دعاؤں، محمد عمر اور محمد یوسف مرحومین کی باتوں اور یادوں، سب نے دل پر عجیب طرح کا اثر کیا۔ حضرت مولانا کے بعد ان کے اہل خانہ پر جو گزری، بھٹی صاحب کی طرح مجھے بھی اس کا پورا علم ہے۔ اب تو عرصہ ہوا حاضری کا موقع نہیں ملا، ورنہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی اہلیہ محترمہ اور بچے نہایت مشفقانہ انداز سے ملتے۔ معلوم ہوا ہے کہ اب اللہ کے فضل و کرم سے ان کے حالات میں کافی تبدیلی آ چکی ہے اور تکلیف کے دن گزر گئے ہیں۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْد۔

ستمبر 1956ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے ناظم دفتر کی حیثیت سے میرا تقرر عمل میں آیا تھا۔ 16 دسمبر 1963ء کو حضرت مولانا غزنوی نے وفات پائی۔ یہ سات سال سے زائد عرصہ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی سرپرستی میں گزرا۔ اس عاجز کے ساتھ بھی حضرت کا وہی حسن سلوک تھا، جس کا ذکر کتاب میں مولانا بھٹی صاحب نے اپنے بارے میں کیا ہے۔ سفر میں ان کی رفاقت حاصل رہی اور حضر میں بھی دفتری امور کے سلسلے میں قریباً ہر روز ان سے رابطہ ہوتا تھا۔ بھٹی صاحب کی طرح میرے ساتھ بھی ان کی اخلاقی برتری کے متعدد واقعات پیش آئے جن کا ذکر میں نے اپنے پہلے مضامین میں کیا ہے جو ''الاعتصام'' میں چھپ چکے ہیں اور بہت سے واقعات باقی

ہیں۔ ایک سال رمضان کے دنوں میں میرے اہل خانہ بھی قریباً ایک ماہ لاہور میں رہے۔
حضرت مولانا نے کمال مہربانی سے رہائش کا انتظام بھی کر دیا اور اس دوران اکثر کھانا بھی
حضرت کے ہاں سے آتا رہا۔ اس طرح آپ کی اہلیہ محترمہ اور بچوں کا میری بیوی اور بچوں
سے شفقت و مہربانی کا رشتہ بھی استوار رہا۔

5 دسمبر 1977ء کو میری منجھلی بیٹی اسماناہید کی شادی میں حضرت مولانا غزنوی
کی دونوں بڑی صاحب زادیاں اپنی ملازمہ کے ساتھ شریک ہوئیں جو ہمارے لیے
نہایت اعزاز کی بات تھی۔ مولانا کے بعد اکثر میں اور میری اہلیہ لاہور جا کر حضرت مولانا
کی اہلیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ یہ نہایت عالی ہمت خاتون ہیں اور صبر و ضبط کا
بہت بڑا نمونہ۔

"نقوش عظمت رفتہ" جو گلہائے رنگا رنگ کا خزانہ ہے اور ہر گل را رنگ
و بوئے دیگر است کا نمونہ ہے، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مختصر تبصرے سے قاری کو کیا حاصل
ہوگا۔ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس میں حضرت مولانا غزنویؒ کا تذکرہ جو
112 صفحات پر محیط ہے، خاص طور سے معرکے کی چیز ہے، جس کے مطالعے سے قاری
المیہ اور طربیہ، بشاشت اور رقت دونوں حالتوں سے گزرتا ہے۔

کتاب میں ہر مکتب فکر کے زعما کا بلا امتیاز تذکرہ موجود ہے۔ یہاں تک کہ بھٹی
صاحب نے اپنے سکھ یار گیانی ذیل سنگھ آں جہانی (سابق صدر جمہوریہ ہندوستان) کا
ذکر بھی دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

گیانی ذیل سنگھ ہندوستان کی ریاست فرید کوٹ کے ایک گاؤں سندھواں کے
رہنے والے تھے۔ غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ریاستوں کا ظلم و ستم اور
جبر و تشدد مشہور تھا۔ اس وقت ریاستوں میں آزادیٔ تحریر و تقریر کی خاطر ایک تنظیم "پرجا
منڈل" کے نام سے قائم کی گئی تھی۔

گیانی ذیل سنگھ ریاست فرید کوٹ کی پرجا منڈل کے صدر اور بھٹی صاحب
سیکرٹری تھے۔ یہ خالص سیاسی جماعت تھی۔ اس کے خلاف ریاستی حکومت حرکت میں
آئی اور اس کے بہت سے کارکنوں کو پس دیوار زنداں کر دیا گیا، جن میں یہ دونوں یار

بھٹی صاحب اور گیانی جی بھی شامل تھے۔ اس جیل یاترا کے کچھ عرصہ بعد پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح شاید سال ڈیڑھ سال قید کاٹ کر بھٹی صاحب بھی سیاسی لیڈر بن گئے۔ قیام پاکستان کے بعد بھٹی صاحب کا خاندان کچھ دن قصور ٹھہر کر تحصیل جڑاں والا ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور آ کر آباد ہو گیا اور اب بھی وہیں ہے۔

اب اختصار کے ساتھ بھٹی صاحب کے بچپن، جوانی، تعلیم و تعلم، جماعتی، ادبی، صحافتی، تنظیمی زندگی اور دیگر مشاغل کا حال ملاحظہ فرمایے۔

ان کا مولد و منشاء ریاست فرید کوٹ میں واقع شہر کوٹ کپورہ ہے۔ ان کی تحریر کے مطابق 1933 میں حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی وہاں کی مقامی جماعت کی دعوت پر خطابتی و تدریسی خدمات کے لیے کوٹ کپورہ تشریف لے گئے۔ اس وقت بھٹی صاحب چوتھی جماعت میں زیر تعلیم تھے۔ ناظرہ قرآن مجید اور اردو میں دینی احکام و مسائل پر مشتمل ابتدائی کتابیں اپنے دادا میاں محمد مرحوم سے پڑھیں۔ جب مولانا بھوجیانی ان کے ہاں تشریف لے گئے تو ترجمہ قرآن اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں ان سے پڑھنا شروع کر دیں، مولانا علیہ الرحمہ 1936ء تک کوٹ کپورہ میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران بھٹی صاحب کا ان سے شاگردی کا تعلق قائم رہا۔ جنوری 1937ء میں حضرت مولانا محمد علی لکھوی رحمۃ اللہ (مدفون مدینہ منورہ) کے اصرار پر مولانا بھوجیانی مرکز الاسلام ان کی درس گاہ میں تشریف لے گئے۔ بھٹی صاحب بھی اپنے استاد مکرم کے ساتھ اس مدرسے میں تحصیل علم کے لیے چلے گئے۔ وہاں حدیث، فقہ، اصول حدیث و فقہ، ادب، منطق، صرف و نحو، علوم منقول و معقول میں درجہ اوسط کی کتابیں پڑھیں۔

1938ء میں فیروز پور شہر کی جماعت کے اصرار پر مولانا عطاء اللہ بھوجیانی وہاں کی مسجد گنبداں والی میں بحیثیت خطیب و مدرس تشریف لے آئے۔ وہاں جناب بھٹی صاحب بھی آپ کے ساتھ ہی درس و افادے کے حصول کی خاطر آ گئے اور فیروز پور میں انھوں نے باقی ماندہ نصاب کی کافی حد تک تکمیل کی۔ صحاح ستہ میں سنن نسائی، جامع

ترمذی، ابن ماجہ کے علاوہ موطا امام مالک حدیث میں اور جامع البیان، جلالین تفسیر میں، فقہ اور اصول فقہ میں کنز الدقائق، شرح وقایہ، نور الانوار، توضیح، تلویح نیز دیگر علوم صرف ونحو، بلاغت، منطق، ادب، علم عروض، اصول حدیث اور علم کلام وغیرہ میں امہات کتب پڑھیں۔

فیروز پور میں ان کے اساتذہ کرام میں مولانا عطاء اللہ حنیف کے علاوہ مولانا محمد شفیع اور مولانا ثناء اللہ (مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد) کے نام نامی بھی آتے ہیں۔ 1940ء تک وہ فیروز پور تحصیل علم میں مشغول رہے۔ پھر اپنے عالی مقام استاذ مولانا عطاء اللہ بھوجیانی کے ارشاد پر تکمیل تعلیم کے لیے حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کی خدمت میں حاضر ہوگئے، اور ان سے دینیات کی مروجہ نصاب کی باقی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ فارغ ہوکر وہیں سے سند تکمیل تعلیم حاصل کی اور "مولانا بالفضل اولانا" ہوگئے اور گھر تشریف لے آئے۔ اپریل 1943ء سے جون 1947ء تک مرکز الاسلام میں تدریسی خدمات بھی سرانجام دیں۔ یہ دار العلوم اس وقت حضرت مولانا محمد علی لکھوی کے دونوں صاحب زادوں مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی کے زیر اہتمام جاری تھا، جو تقسیم ملک کے بعد اوکاڑہ میں منتقل ہوگیا اور جامعہ محمدیہ کے نام سے بہت بڑے پیمانے پر جاری ہے۔

1947ء میں قیام پاکستان کے موقع پر بھٹی صاحب 21 راگست کو اپنے بعض عزیز واقارب کے ساتھ ایک ٹرک پر کوٹ کپورہ سے پچاس میل پر واقع شہر قصور پہنچے۔ چند روز یہاں قیام کیا۔ پھر یہاں سے تحصیل جڑانوالہ کے چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور پہنچ گئے اور وہیں آباد ہوگئے۔ اور کھیتی باڑی شروع کر دی۔ صوفیہ کی ایک اصطلاح "فنا فی الشیخ" ہے۔ سلوک وطریقت کی اس ابتدائی منزل کے تقاضوں کی رو سے بھٹی صاحب "فنا فی الکھیت" ہوگئے اور انھوں نے خود ہی وضاحت کی ہے کہ اس گاؤں کے جس گھر میں انھوں نے بسیرا کیا وہاں سکھوں کی متروکہ جائداد میں سے ایک لوہے کا کڑاہا پڑا تھا جس میں گڑ بنایا جاتا ہے۔ نیز ہیر وارث شاہ، جپ جی سکھ جی دو کتابیں اور چوتھی ایک نایاب اور قیمتی چیز اور تھی۔ وہ کالے رنگ کا جالی کا کپڑا تھا جو چار انگلی چوڑا اور ایک گز کے

قریب لمبا تھا۔ یہ چار چیزیں بھٹی صاحب کے خاندان کے حصے میں آئیں۔ یہ کالا کپڑا جو ایک پٹی کی شکل میں ہوتا ہے، سکھ صاحبان اسے داڑھی اور کیسوں (سر کے بالوں) پر باندھتے ہیں۔ باقی اشیا اب تک بھٹی صاحب کے پاس ماشاء اللہ موجود ہیں۔ لیکن بقول ان کے وہ کالی پٹی چوری ہوگئی یا کہیں گم ہوگئی، جس کا انھیں سخت صدمہ اور افسوس ہے۔ اور ہم بھی اس صدمے میں بھٹی صاحب کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ خدا کرے وہ کہیں سے مل جائے اور ان کا غم ہلکا ہو۔ بہر حال کھیتوں میں ہی آپ نے ایک ٹلے پر کٹیا (جھگی) بنالی اور اس میں آسن جمالیے۔ ہیر وارث شاہ کے مطالعے میں استغراق ومحویت کے عالم میں رہنے لگے۔

قیام پاکستان کے نتیجے میں باقی مسلمانوں کی طرح جماعت اہل حدیث بھی مختلف شہروں اور دیہات میں منتشر ہوگئی تھی۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف اور دیگر بہی خواہان جماعت نے شدت سے محسوس کیا کہ اگر یہی حالت رہی تو جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ چنانچہ مندرجہ بالا تینوں بزرگوں نے ان انتشار انگیز حالات سے متاثر ہو کر جماعت کی بعض شخصیتوں کا ایک اجلاس 24 جولائی 1948ء کو شیش محل روڈ لاہور پر واقع دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں بلایا۔ تمام سرکردہ حضرات کے باہمی مشورے اور سوچ بچار کے بعد اس اجلاس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نام سے ایک تنظیم معرض وجود میں لائی گئی جس میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی صدر اور پروفیسر عبدالقیوم ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ دفتری نظم ونسق چلانے کیلیے کسی مناسب اور موزوں شخصیت کی ضرورت محسوس کی گئی تو مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے مشورے سے مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کا نام پیش ہوا۔ اور مولانا بھوجیانی سے ہی کہا گیا کہ آپ ان کے گاؤں جا کر انھیں لے آئیں۔ چنانچہ اکتوبر 1948ء کو مولانا بھوجیانی بھٹی صاحب کے گاؤں پہنچے اور بھٹی صاحب لاہور تشریف لے آئے۔ مولانا بھوجیانی کی معیت میں مولانا غزنوی سے بات چیت کے بعد بھٹی صاحب کی صلاحیتوں کے پیش نظر بطور ناظم دفتر ان کا تقرر عمل میں آگیا۔ انھوں نے

نہایت محنت اور خوبی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ بڑی تگ ودو اور لگن کے ساتھ دفتری نظام کو کسی باوقار جماعت کے شایانِ شان بنا دیا۔

اگست 1949ء میں گوجراں والا سے ہفت روزہ "الاعتصام" کا اجرا عمل میں آیا تو اس کی ادارت کے لیے مولانا محمد حنیف ندوی کی خدمات حاصل کی گئیں اور مولانا محمد اسحاق بھٹی کو نائب مدیر کے فرائض تفویض ہوئے۔ کچھ عرصے بعد الاعتصام کا دفتر لاہور منتقل ہو گیا اور بھٹی صاحب اس کے مستقل مدیر بنا دیے گئے۔ انھوں نے اپنے مفوضہ فرائض نہایت خوش اسلوبی، سلیقہ مندی اور بہتر طریقے سے انجام دیے۔ ان کے ادارتی دور میں "الاعتصام" نے عام مذہبی اخبارات اور رسائل کی مجادلانہ اور مناظرانہ روش سے ہٹ کر نہایت مثبت انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق باہمی رواداری، تحقیقی اور علمی مسائل، جماعت میں صحیح سیاسی شعور اور ذہن وفکر کی سمت درست کرنے کی طرح ڈالی۔ بھٹی صاحب جب تک "الاعتصام" کے ایڈیٹر رہے، اس میں فرق نہ آیا۔ اس کا معیار ہر لحاظ سے بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ اس عرصے میں چند وجوہ کی بنا پر اپنا ایک اخبار سہ روزہ "منہاج" بھی جاری کیا، جو 1958ء سے 1959ء تک جاری رہا۔ پھر چند مجبوریوں اور کاغذ کی گرانی اور نایابی کی وجہ سے بند کر دیا گیا اور وہ بدستور "الاعتصام" میں ادارتی فرائض انجام دیتے رہے۔ بھٹی صاحب نے تین سال تک بطور معاون مدیر اور تیرہ سال بحیثیت مدیر کام کیا۔ الاعتصام سے ان کی علیحدگی یعنی استعفیٰ کا واقعہ بھی نہایت دلخراش اور تکلیف دہ ہے، جس کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب ہے۔ بھٹی صاحب نے اس کے متعلق چند اشارے "نقوشِ عظمت رفتہ" میں حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے تذکرے میں صفحہ 218 تا 222 پر کر دیے ہیں۔ قارئین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

الاعتصام سے مستعفی ہونے کے بعد انھوں نے اور پروفیسر سید ابوبکر غزنوی مرحوم نے ہفت روزہ "توحید" جاری کیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد بھٹی صاحب اس اخبار کی ادارت سے بھی الگ ہو گئے۔ اس کی تفصیل بھی "نقوشِ عظمت رفتہ" کے صفحہ 223 تا 225 پر درج ہے۔

افسوس کہ جماعت اہل حدیث نے بھٹی صاحب کی خداداد صلاحیتوں سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی، وگرنہ گزشتہ دور کے علمائے اہل حدیث، خاندان غزنویہ، خاندان لکھویہ، جماعت کے دیگر ارباب فضل وکمال ور جماعت اہل حدیث کی علمی اور سیاسی تاریخ اور تذکرے کے سلسلے میں ان سے بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ارباب انتظام اور اصحاب حل وعقد نہایت زیرک، مردم شناس اور قدر دان تھے، جنھوں نے بھٹی صاحب کی علمی، ادبی، صحافتی اور دینی صلاحیت واستعداد، لیاقت وقابلیت اور اہلیت سے پورا فائدہ اٹھایا اور ادارے کے اہتمام میں ان کی نہایت قابل قدر تصانیف، تراجم اور دیگر وسعت پذیر معلوماتی تالیفات زیور طبع سے آراستہ ہوکر ادارے کے لیے باعث افتخار اور اعزاز ثابت ہوئیں۔

ان کی انھی خوبیوں اور بیش بہا صلاحیتوں کے باعث ادارے کی طرف سے شائع ہونے والے ماہانہ مجلّے ''المعارف'' کی ادارت کی ذمہ داری بھی ان کو سونپ دی گئی، جس سے وہ بہ احسن طریق عہدہ برآ ہوئے اور اس کا شمار بلند پایہ علمی، ادبی اور معیاری رسالوں میں ہوا۔

مولانا اسحاق بھٹی کے بقول 1996ء میں وہ سبعین کو پہنچ چکے تھے۔ اب ایک سال اور گزر گیا ہے۔ یعنی (سترے بہترے) ہو چکے ہیں۔ نقوش عظمت رفتہ کے صفحہ 271 پر حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں:

1933ء میں جب مولانا عطاء اللہ حنیف ہمارے ہاں آئے، میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔''

اس حساب سے اس وقت ان کی عمر کم از کم آٹھ سال ہوگی۔ اس طرح ان کی پیدائش میرے خیال میں 1925 بنتی ہے اور اب 1997 میں 72 سال کے پیٹے میں ہیں۔ گویا ایک گولڈن جوبلی گزار کر عمر کی دوسری سلور جوبلی کے قریب پہنچ گئے ہیں اور ڈیوڑھی ($1\frac{1}{2}$) گولڈن جوبلی کے حق دار بن چکے ہیں۔ اگر وہ اس تقریب پر سعید کا اہتمام فرمائیں تو ہم بن بلائے بھی حاضر ہوسکتے ہیں۔

بہرحال بھٹی صاحب کی گوناگوں اور ہمہ نوع خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ میرا ارادہ تو صرف ''نقوش عظمت رفتہ'' کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنا تھا، مگر ان کی محبت، دیرینہ مخلصانہ تعلقات اور بے تکلفانہ روابط کے باعث کسی ربط و ترتیب اور تسلسل کے ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اظہار خیال کا ہدف بنا دیا اور ان کا جو سوانحی خاکہ قلم بند کرنا چاہتا تھا، نہ کر سکا اور ''ڈھاکے کے بنگالے'' کی مارتے ہوئے مضمون طویل ہو گیا۔ نادانستہ طور پر اگر بھٹی صاحب کے بارے میں کوئی نامناسب الفاظ استعمال ہو گئے ہوں تو اس پر معذرت خواہ ہوں۔

اگر خدا کو منظور ہوا تو پھر کسی وقت ان کے حالاتِ زندگی اور ان کے ساتھ گزرے ہوئے بہترین لمحات حوالہ قلم کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ درازی عمر کے ساتھ ان کی دینی، علمی، عملی اور جماعتی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔ جی چاہتا ہے کہ وہ برصغیر کی جماعت اہل حدیث کے سلسلے میں کم از کم دو کتابیں تصنیف کر دیں جو ان کے سوا اور کوئی صاحب نہیں کر سکیں گے۔ ایک کتاب میں برصغیر میں اہل حدیث کی سیاسی خدمات کی وضاحت کی جائے اور دوسری جماعت کی علمی خدمات کی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انھیں خوش رکھے اور وہ یہ خدمات سرانجام دے سکیں۔ آمین۔! [1]

---

[1] جیسا کہ مضمون کے آغاز میں نوٹ میں عرض کیا گیا ہے بھٹی صاحب کے بارے میں مولانا عبدالعظیم انصاری کا یہ مضمون ''الاعتصام'' کے نومبر۔دسمبر 1997ء کے تین شماروں میں چھپا تھا۔ یعنی اب سے تقریباً بارہ سال پہلے۔ اس سے پانچ سال بعد 25 دسمبر 2002ء کو مولانا عبدالعظیم انصاری وفات پا گئے۔ افسوس کہ وہ دوبارہ مضمون نہ لکھ سکے۔ (مرتب)

نقوش عظمت رفتہ

مرحوم و مغفور آباد شاہ پوری پاکستان کے مایہ ناز صحافی اور مصنف تھے۔ جماعت اسلامی سے منسلک تھے اور ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے اکتوبر 1999ء تا ستمبر 2000ء کے مجلّہ "نقطہ نظر" (اسلام آباد) میں بھٹی صاحب کی کتاب "نقوش عظمت رفتہ" پر تبصرہ کیا تھا جو سات صفحات پر مشتمل تھا۔ اس طویل تبصرے کے بعض حصے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں: (مرتب)۔

زیر نظر کتاب کے مصنف (محمد اسحاق بھٹی) اہل علم اور وطن عزیز کے دینی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ مسلکاً اہل حدیث ہیں۔ ایک مدت تک ہفت روزہ "الاعتصام" (لاہور) کے مدیر کی حیثیت سے جماعت اہل حدیث کی ترجمانی اور اپنے مسلک کی اشاعت کا کام سرانجام دیتے رہے۔ پھر ادارہ ثقافت اسلامیہ (لاہور) انھیں کھینچ لے گیا۔ جہاں وہ اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد چند سال ہوئے ریٹائر ہو گئے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں انھوں نے ترجمے اور تالیف و تدوین کے ساتھ ادارے کے مجلّے "المعارف" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ وہ کئی وقیع کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی علمی کاوشوں میں محمد بن اسحاق ندیم وراق کی ضخیم کتاب "الفہرست" کا ترجمہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن میرے نزدیک ان کی سب سے اہم تصنیف "فقہائے ہند" ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ میرے ناقص علم کے مطابق رجال و شخصیات پر اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں برصغیر میں اسلام کی آمد (پہلی صدی ہجری) سے لے کر تیرھویں صدی تک کے ہزاروں فقہا کا تذکرہ سمٹ آیا ہے۔ اپنی صحافتی اور تصنیف و تالیف کی طویل علمی زندگی کے دورانیوں میں انھیں اپنے عہد کے جن دینی و علمی رجال اور سیاسی شخصیات سے مراسم پیدا کرنے اور ملنے جلنے کا موقع ملا ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ریٹائر ہونے کے بعد انھوں نے ان رجال و شخصیات کی خاکہ کشی اور تذکرہ نگاری کو اپنے قلم کا موضوع بنایا ہے۔ زیر نظر کتاب ان کی اس سلسلے کی پہلی کاوش ہے۔

یہ کتاب اکیس رجال و شخصیات کی داستان سناتی ہے، ان میں سے نو فاضل

مصنف کے ہم مسلک اکابر واصاغر ہیں، باقی بارہ وہ اصحاب ہیں جن سے ملنے کی کوئی نہ کوئی تقریب پیدا ہوئی یا مصنف کو جنھیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان میں ہر حلقے کی شخصیات ہیں۔ اہل حدیث اکابر میں مولانا محمد داؤد غزنوی، حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ممتاز ونمایاں شخصیات ہیں، جن سے اپنے حلقے سے باہر کے اہل علم وسیاست بھی واقف وشناساں ہیں۔ علمائے احناف میں مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا احمد علی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور سید ابوالحسنات قادری کا تذکرہ ہے۔ اہل قلم میں مصنف کتاب خواجہ عبدالوحید، سید محمد متین ہاشمی اور ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے ساتھ محفل جمائے نظر آتے ہیں۔ پھر حمید نظامی ہیں، کوثر نیازی ہیں۔ مشہور انقلابی بھگت سنگھ کے ساتھی سحر گل خان ہیں۔ نئی اور پرانی کتابوں کے تاجر اور ان کے متلاشی اہل علم کے مرجع مولوی شمس الدین ہیں۔ حتیٰ کہ مصنف کے قدیم مسکن کے پڑوس کے سکھ زمیندار ذیل سنگھ گیانی بھی مے گساران حق کی اس محفل میں براجمان ہیں جن کے ساتھ مصنف نے فرید کوٹ جیل میں (ریاست کے راجا کے خلاف ایجی ٹیشن کی پاداش میں) قید کے دن کاٹے تھے۔۔۔ کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو۔ گیانی ذیل سنگھ آزادی کے بعد انڈیا کے صدر بنے اور اتنے بلند منصب پر پہنچ جانے کے باوجود محمد اسحاق بھٹی کو نہ بھولے۔

فاضل مصنف اہل حدیث علما اور دوستوں اور اہل علم کا تذکرہ والہانہ ذوق وشوق کے ساتھ کرتے ہیں۔ انداز واسلوب ایسا ہے کہ جس پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے، ایک نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یہاں آپ ان حضرات کو علمی ومجلسی زندگی میں جلوہ افروز پائیں گے، انھیں شاگردوں کی رہنمائی کرتے، ان کی صلاحیتوں کو سراہتے، اور سنوارتے، کانوں میں علم وحلم کا رس گھولتے اور لطائف کے شگوفے چھوڑتے دیکھیں گے۔ پھر فاضل مصنف ان اصحاب ورجال کے تراجم وسوانح ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، ان کی اولاد اور قرابت داروں اور شاگردوں، اساتذہ اور ان کی اولاد واحفاد اور تربیت فکر ونظر کے انداز کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اور ضمناً جن شہروں اور دیہات سے ان اصحاب کا تعلق ہے، ان کا منظر وپس منظر اور بخ بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایک بار جو یہ دفتر کھلتا ہے تو پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔

مصنف کا جتنا زیادہ قرب رہا ہے، ان کی زندگی کے نقش

سے بیان ہوئے ہیں۔ اول الذکر چار رجال کے ساتھ انھیں بڑی قربت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ ان کے تذکرے نے سب سے زیادہ جگہ لی ہے۔ مولانا محمد داؤد غزنوی کے بیان میں ان کی اپنی زندگی کے ساتھ غزنوی خاندان کے تقریباً سبھی اصاغر واکابر کا ذکر آ گیا ہے۔ یہی کیفیت تقریباً حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے تذکرے کی ہے۔ یہ تینوں حضرات جناب مصنف کے استاذ بھی تھے اور موخر الذکر دو حضرات کی نگرانی میں انھوں نے الاعتصام کے مدیر کی حیثیت سے کام بھی کیا تھا۔ حافظ محمد گوندلوی خالصتاً علمی شخصیت تھے۔ ان کا تذکرہ مصنف نے بڑی والہیت کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے شاگردوں کی ایک لمبی (نامکمل) فہرست، مختصر تعارفی سطور کے ساتھ دی ہے۔ حافظ صاحب تبصرہ نگار کے پھوپھا تھے۔ اس ناتے ''نامور'' قرابت داروں کے ضمن میں جد امجد مولانا فقیر اللہ مدراسی، والد مرحوم حافظ عبداللہ شاہ پوری اور راقم عاجز کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

کتاب کا بڑا حصہ مسلک اہل حدیث کے حامل علما وفضلاء کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ (یہ تذکرہ مسلسل 343 صفحات تک چلا گیا ہے) اسے پڑھ کر اہل حدیث کی تاریخ، ان کی دینی فکر، ان کے سیاسی رویے، ملکی وملی مسائل کے بارے میں ان کی سوچ اور عمل کے مختلف پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً مولانا محمد داود غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کے تذکرے تو اس لحاظ سے معلومات کا خزینہ ہیں۔ یہ دونوں حضرات اپنے عہد شباب ہی سے ملی سیاست اور تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے اور ان کا شمار مسلمانوں کے اندر تحریک آزادی کے نمایاں رہنماؤں میں ہوتا رہا ہے۔ ایک زمانے میں دونوں اصحاب کانگریس میں شریک تھے۔ انھوں نے تحریک خلافت اور دوسری تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور قید وبند کے مراحل سے بھی گزرے۔ پھر سید محمد داود غزنوی نے بعض دوسرے خلافتی رہنماؤں کے ساتھ مل کر ''مجلس احرار اسلام'' تشکیل دی۔ مولانا محمد داؤد غزنوی پنجاب کانگریس کے صدر بھی رہے، پھر تحریک پاکستان کے آخری دور میں کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور خضر حیات ٹوانہ کی وزارت کے خلاف مسلم لیگ کی تحریک میں حصہ لیا۔ مولانا محمد اسماعیل تو قیام پاکستان تک کانگریس میں شریک رہے۔ ادھر جن علمائے احناف کا تذکرہ

کتاب میں شامل ہے وہ ایک دو کو چھوڑ کر سب اپنے عہد کی تحریکوں خصوصاً تحریک آزادی کی صف اول میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ اس طرح زیر نظر کتاب میں برصغیر کی مختلف جماعتوں اور تحریکوں (کانگرس تحریک خلافت، جمعیت علمائے ہند، تحریک ریشمی رومال، تحریک حزب اللہ، تحریک مجاہدین، مجلس احرار اسلام، مجلس اتحاد ملت، مسلم لیگ) اور پاکستان بننے کے بعد اسے دستوری اسلامی ریاست بنانے کی تگ و دو کا بھرپور تذکرہ آ گیا ہے۔ اگرچہ قیام پاکستان کے بعد کے شب و روز کو فاضل مصنف اپنے خصوصی رنگ دیتے محسوس ہوتے ہیں۔

مولانا محمد داؤد غزنوی کے تذکرے میں فاضل مصنف نے ان کی ڈائری کے چند اوراق بھی شامل کیے ہیں جن میں مسجد شہید گنج کے انہدام کا ذکر ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح ایک مسلمان افسر نے دوہرا کھیل کھیل کر یہ مسئلہ کھڑا کیا۔ سکھوں کو انہدام مسجد پر اکسایا اور مولانا ظفر علی خاں کو ایجی ٹیشن پر اور مجلس احرار کو جو ان دنوں پنجاب کی مضبوط سیاسی قوت بن چکی تھی، انتخابات میں چاروں شانے چت گرا دیا اور یونیسٹ پارٹی کی جیت کی راہ ہموار کر دی۔ (صفحات 99-107)۔ یہ سارا واقعہ پڑھنے سے وہ طریق واردات آشکارا ہوتا ہے جو ظاہرہ و خفیہ طاقتیں اپنے گماشتوں کے ذریعے سیاسی تحریکوں، خصوصاً مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں کو ناکام بنانے اور مسلمان عوام کے اندر ان کی ہر دلعزیزی ختم کرنے کے لیے اختیار کرتی ہیں۔ دینی تحریکوں کو کام کرتے ہوئے ان حربوں سے ہوشیار اور چوکنا رہنا اور ان ریشہ دوانیوں کے جالوں اور کھودے ہوئے گڑھوں (Pitfalls) سے بچنا چاہیے، جو مخالف طاقتیں ان کی قوت اور اثر و رسوخ کو ختم کرنے، انھیں ناکامی سے دوچار کرنے اور اپنے شومہ عزائم کا راستہ صاف کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ اس دور کے نامور صحافی ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم نے بھی اپنی داستان حیات ''زندگانی کی گزرگاہوں میں'' مسجد شہید گنج کے انہدام اور اس کے خلاف سول نافرمانی کا ذکر کیا گیا ہے اور بالائی سطح پر جو کچھ ہو رہا تھا اس کا تجزیہ کیا ہے۔ مولانا محمد داؤد غزنوی کی یہ روایت ''زیر زمین'' واقعات سے تعلق رکھتی ہے، وہ اس زمانے میں مجلس احرار اسلام کے جنرل سیکرٹری بھی تھے اور سکھوں کے ساتھ مذاکرات میں حصہ لیتے رہے تھے۔ اس لیے زیر زمین رووں کے بارے

میں ان کا بیان ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے۔ ان دونوں روایات کو اگر ملا کر پڑھا جائے تو اس بھیانک کھیل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو مسجد شہید گنج کے نام پر اس وقت کھیلا گیا۔ مسلمانوں کے دونوں گروہ مجلس اتحاد ملت اور مجلس احرار اسلام اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ سادہ لوح مسلمانوں کا خون بہتا رہا اور نتیجہ یہ نکلا کہ یونینسٹ پارٹی کے لیے (جو اس دور کے بڑے بڑے زمینداروں، جاگیرداروں پر مشتمل تھی) قیام پاکستان تک میدان صاف ہو گیا اور جب پاکستان بنتے نظر آنے لگا تو مسلمان یونینسٹ، پنجاب مسلم لیگ میں شامل ہو کر اس کے دروبست پر مسلط ہو گئے۔

علمائے اہل حدیث کے بعد زیر نظر کتاب میں سب سے زیادہ جگہ علمائے احناف کو ملی ہے۔ اہل حدیث سمیت یہ سب علما اپنے وقت میں اپنے اپنے مسلک کے چوٹی کے علما تھے۔ یہ اصحاب جہاں اپنے مسلک میں راسخ تھے، وہاں ان کے اندر توسع، رواداری، ذہن وقلب کی کشادگی بھی پائی جاتی تھی۔ اختلاف مسلک کے باوجود وہ ایک دوسرے کو برداشت کرتے تھے، کندھے سے کندھا جوڑ کر ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، دینی وملی مقاصد کے لیے باہم تعاون کرتے تھے۔ برسر منبر دوسرے مسالک کے بارے میں جو کچھ بھی کہتے اور جس لے میں کہتے، اپنی نجی مجالس میں وہ باہم موانست اور اتفاق کا رویہ روا رکھتے اور قدم سے قدم ملا کر چلتے تھے۔

کتاب کا باقی حصہ علمی وصحافتی اور دیگر رجال وشخصیات پر مشتمل ہے۔ ان میں خواجہ عبدالوحید اور ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی شخصیات نمایاں ہیں۔ ان کے ساتھ فاضل مصنف کے مراسم علمی سطح پر خاصے پرجوش تھے۔ ان کے تذکروں میں لاہور اور کراچی کی کئی اور علمی شخصیات کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے جو وقیع علمی کام کیا ہے، اس کا بالتفصیل ذکر ہے۔ حمید نظامی کے تذکرے میں ان کے عہد صحافت اور صحافتی مقام پر روشنی پڑتی ہے۔ پھر ایک صاحب کا تذکرہ ہے جو تھے تو مرد صحرائی، مگر انھیں پر لگ گئے اور وہ قصر سلطانی کے گنبد پر جا بیٹھے۔ فاضل مصنف کی ان سے پہلی ملاقات سہ روزہ ''کوثر'' (لاہور) کے دفتر میں ہوئی اور آخری اس گنبد قصر سلطانی پر۔ کوثر نیازی فاضل مصنف کی جماعت اسلامی سے متعلق معلومات کا اہم سرچشمہ ہیں۔ ان کی بہت سی خوبیوں کا تذکرہ

فرمایا ہے۔ بے شک ان میں بڑی خوبیاں تھیں تاہم ''سہ روزہ کوثر'' سے قصرِ سلطانی کے گنبد تک انھوں نے جو سفر کیا، فاضل مصنف اگر اس کا تذکرہ فرما دیتے تو ان کے قارئین کی نظروں میں نیازی صاحب کا شخصی خاکہ زیادہ روشن و واضح ہو جاتا۔ (اب تو اس سفر کی داستان خفیہ نہیں رہی، متعدد کتابوں میں یہ داستان چھپ چکی ہے اور یہ کتابیں کسی جماعت اسلامی والے نے نہیں لکھیں)۔

فاضل مصنف کا اسلوب تحریر مذہبی جماعتوں سے متعلق اہل قلم سے بالکل مختلف ہے۔ یبوست زدگی اور علمیت کے فاضلانہ اظہار سے خالی، شگفتہ اور رواں دواں ہے۔ شخصی خاکہ نگاری سے ہٹ کر ان کا قلم کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے، مگر اس کی تشگی اکتاہٹ کو قاری کے قریب نہیں آنے دیتی۔ تاثیر و تاثر میں ڈوب کر لکھتے ہیں۔ طنز پر آتے ہیں تو قاری پھڑک اٹھتا ہے اور مزاح پر آتے ہیں تو اچھے اچھے مزاح نگاروں سے کندھا ملائے کھڑے نظر آتے ہیں۔

کتاب مجموعی حیثیت سے پڑھنے کے قابل ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا ہے۔ اہل حدیث کے ماضی، حال اور ان کی مذہبیت، سیاست، تاریخ اور دیگر امور و مسائل کے بارے میں ان کے ذہن اور سوچ کو اس کتاب کے صفحات میں پڑھا جا سکتا ہے۔

رشک زمانہ لوگ

صاحب زادہ خورشید گیلانی مرحوم کا شمار پاکستان کے ممتاز اہل علم اور اصحاب قلم میں ہوتا تھا۔ وہ فقہی مسلک کے اعتبار سے احناف کے بریلوی نقطہ نظر سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن بھٹی صاحب کا بے حد احترام کرتے اور ان کی علمی کاوشوں کے بہت مداح تھے۔ ان کی ایک کتاب ''رشک زمانہ لوگ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں انھوں نے بھٹی صاحب کا تذکرہ بڑے خوب صورت الفاظ میں کیا ہے۔

قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے مرحوم گیلانی صاحب کا یہ مضمون ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل یہ مضمون 27 دسمبر 1999ء کے روزنامہ ''انصاف'' میں ''کم نام مگر بلند مقام'' کے عنوان سے چھپا تھا۔ آیے ملاحظہ فرمایے: (مرتب)

''نقوش عظمت رفتہ'' کی تلاش کس کو نہیں ہوتی اور ''بزم ارجمنداں'' میں بیٹھنے کی آرزو کس کی نہیں ہوتی؟ لیکن یہ نقوش ڈھونڈنے کے لیے چشم بینا اور بزم ارجمنداں سے کسب فیض کے لیے دل بیدار درکار ہے۔ اگر چشم بینا اور دل بیدار کی نعمت کسی کو میسر آ جائے تو پھر بھی اس کی آنکھیں دنیا کی چمک دمک سے خیرہ ہوتی ہیں اور نہ دل غم دوراں سے مردہ۔ ایسا شخص اپنی ذات میں بجائے خود ایک انجمن اور اس کا دماغ پاکیزہ خیالات کا سدا بہار چمن بن جاتا ہے۔ اسے رونق بازار دیکھنے کے لیے باہر جھانکنے اور رنگ و بہار سمیٹنے کے لیے دہلیز پھلانگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نقوش عظمت رفتہ کی تلاش میں نکلے اور پاکیزہ نفوس سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ وہ بزم ارجمنداں میں بیٹھے اور یقین و ایمان اور علم و عرفان کی دولت لے کر نکلے۔ لیکن عاشق مجازی کی طرح رقابت سے کام نہیں لیا کہ سب کچھ اپنے پاس رکھ لیتے اور ہر ایک کی نظر سے چھپا کر بیٹھ جاتے۔ بلکہ انھوں نے ان پاکیزہ انفاس کے تذکرے کو الفاظ کا لباس پہنا کر عام کر دیا اور بزم ارجمنداں کی ہر خبر کو سربام رکھ دیا۔

''نقوش عظمت رفتہ'' اور ''بزم ارجمنداں'' دراصل مولانا محمد اسحاق بھٹی کی شگفتہ، شائستہ اور ان کے منفرد اسلوب نگارش کی وہ نمائندہ کتابیں ہیں، جنھیں پڑھتے ہوئے نہ دماغ تھکتا ہے اور نہ دل بھرتا ہے۔ سبک لہجہ اور رواں اسلوب۔ جنھوں نے بھٹی صاحب کو

دیکھا ہے یا ان سے ملاقات کی ہے ان کی تین باتیں انھیں ضرور ورطہ حیرت میں ڈالتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ریاست فرید کوٹ کے سکہ بند "پنجابی" ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ "مولانا" ہیں اور تیسری بات یہ کہ وہ مسلک کے اعتبار سے باعمل "اہل حدیث" ہیں۔ لیکن اردو اتنی صاف اور سلیس لکھتے ہیں کہ ان پر اہل زبان ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ کہیں گرہ نہیں، اغلاق نہیں، آورد نہیں اور عیب نہیں اور اس سے بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ وہ مولانا تو پکے ہیں، یعنی صحیح معنوں میں عالم قرآن وحدیث، سیرت، تاریخ اور فقہ پر مکمل عبور، مگر عبا پوش ہیں، نہ دستار بند، نہ تسبیح بدست اور نہ صافہ بداماں، نہ لوٹا ساتھ رکھتے ہیں اور نہ عصا ہاتھ میں تھامتے ہیں۔ مناسب اور موزوں داڑھی، عام شہریوں جیسا لباس اور سانده میں دوسرے محلے داروں کے طرح رہائش اور بود وباش۔ ان کے ماتھے پر علم کی خشونت نام کو نہیں، البتہ لبوں پر مسکراہٹ ہر وقت رہتی ہے۔ لچھے دار مقرر اور شعلہ بار مناظر تو بالکل نہیں۔ آواز بھاری ضرور ہے مگر اس پر درشتی طاری نہیں ہونے دیتے۔ ہر لاحقے سابقے کے بغیر صرف اپنے نام پر اکتفا کرتے ہیں۔ لوگ مدتوں سے انھیں مولانا کے طور پر جانتے ہیں مگر وہ اتنے عرصے کے بعد بھی مولانا ہی ہیں۔ "علامہ" کا لقب اختیار نہیں کیا، حالانکہ آج کل ہر مولانا صاحب ٹھیک چھ ماہ بعد "علامہ" بن جاتے ہیں۔ چھ مہینے کا تکلف بھی صرف اعلان کرنے کے لیے ہوتا ہے، ورنہ ہر ایک کو پہلے دن سے ہی اپنے "علامہ" ہونے کا کامل گمان ہوتا ہے۔

اور تیسری بات ہے۔ ان کا اہل حدیث ہونا۔ وہ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں، آمین بالجہر کہتے ہیں اور فاتحہ خلف الامام پڑھتے ہیں مگر نہ کسی حنفی سے الجھتے ہیں اور نہ لڑتے ہیں۔ وہ اپنے مشرب کے پابند ہیں کسی منصب کے دعوے دار نہیں۔ انھیں مل کر ہر ایک کو یہی احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک وضع دار، بردبار اور روادار شخص سے ملے ہیں، نہ تکبر، نہ غرور اور تصنع نہ نفور ورنہ جتنا علمی کام وہ کر چکے ہیں، اگر کوئی اس کا بیسواں حصہ بھی کرے تو وہ لازمی رازی اور غزالی کو اپنے پاس بیٹھنے تو کجا پھٹکنے بھی نہ دے اور ایک جہازی سائز کا اشتہار تو صرف اپنے القاب وخطابات کے لیے وقف کر دے۔ مولانا اسحاق بھٹی بلند مقام تو ہیں مگر رہے گم نام کہ یہی اچھے لوگوں کا خاصہ ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی تقریباً بتیس برس تک ملک کے انتہائی ممتاز علمی ادارے "ادارہ ثقافت اسلامیہ" سے منسلک رہے، پندرہ برس تک ہفت روزہ "الاعتصام" کے ایڈیٹر رہے اور قریب قریب بیس بائیس سال ادارہ ثقافت اسلامیہ کے وقیع ماہ نامے "المعارف" کے مدیر رہے ہے۔ ابن الندیم کی "الفہرست" کا ترجمہ بڑی ریاضت اور نفاست سے کر چکے ہیں۔ دس جلدوں پر محیط کتاب "فقہائے ہند" ان کا عظیم اور یادگار علمی کارنامہ ہے۔ اس میں پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی تک کے ان تمام فقہا کا کہیں تفصیل اور کہیں اجمالی ذکر ہے، جو خطہ ہند میں پیدا ہوئے (اب پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کہہ لیجیے) اور اس خطے کی آبرو بڑھائی۔

ان کے علاوہ "برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ بھی ان کی ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اہل حدیث اور فقہ پر اس قدر کام؟ یہ مولانا ممدوح کے بے تعصب اور متوازن مزاج ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ "نقوش عظمت رفتہ" اور "بزم ارجمنداں" یہ دونوں کتابیں دراصل ان لوگوں کے سوانحی اور تاثراتی خاکے ہیں، جن سے مولانا اسحاق بھٹی کو ملنے، انھیں دیکھنے، ان کے پاس بیٹھنے، ان سے کسب فیض کرنے اور ان سے دوستی رکھنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ یہ تذکرے کیا ہیں۔ چلتی پھرتی اور بولتی چالتی تصویریں ہیں، جو انسان کو اپنی کشش کے حصار میں اس طرح لے لیتی ہیں کہ اگر ان سے نکلنا بھی چاہے تو نہیں نکل سکتا۔ ہر ایک کتاب کی ضخامت تقریباً سات سو صفحات ہے۔ اس قدر ضخامت لیکن از اول تا آخر اتنی سلاست کہ اب اس وصفِ نگارش کے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ "نقوش عظمت رفتہ" میں مولانا سید داؤد غزنوی، حافظ محمد گوندلوی، مولانا عبیداللہ سندھی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات قادری، اور مولانا احمد علی لاہوری جیسے اکابر علما کا تذکرہ ہے۔ علاوہ ازیں مرحوم حمید نظامی، سید محمد متین ہاشمی، مولانا کوثر نیازی اور ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے تذکروں سے بھی یہ کتاب مزین ہے۔ "بزم ارجمنداں" میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مفتی محمد حسن، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، رئیس احمد جعفری، مفتی جعفر حسین، میاں محمد شفیع (م ش) اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسے لوگ جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ اس فہرست میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ مسلک کے سبھی لوگ شامل ہیں۔ یہی اعتدال پسندی اور

رواداری مولانا محمد اسحاق بھٹی کے انتخاب، اسلوب اور مزاج کو ممتاز اور دلکش بناتی ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی جیسے درویش، قانع، صابر و شاکر اور محنتی لوگ بہت کم رہ گئے ہیں اور شاید ادبی زبان میں کہتے ہوں:

لازم ہے زمانے پہ کرے قدر ہماری
ہم لوگ قمر لوٹ کے آیا نہیں کرتے

نقوش عظمت رفتہ/ بزم ارجمنداں

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری ہمارے ملک کے کاروان علم کے ممتاز رکن ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے بارے میں ان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کی متعدد کتابیں معرض اشاعت میں آچکی ہیں، جن سے خوانندگان محترم نے بے حد استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔ مولانا آزاد کے علاوہ بھی بہت سی شخصیات پر انھوں نے لکھا اور نہایت تفصیل سے لکھا۔

بھٹی صاحب سے ان کے مراسم طویل مدت سے قائم ہیں اور مبنی بر اخلاص۔ ان کی دو کتابوں (نقوش عظمت رفتہ اور بزم ارجمنداں) پر انھوں نے خاصا طویل مضمون سپرد قلم کیا تھا جو 7 رجنوری 2000ء کے ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں چھپا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں بھٹی صاحب اور ان کی ان کتابوں کے سلسلے میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے، جی چاہتا ہے کہ ان تاثرات کو اس کتاب کے قارئین کے علم میں لایا جائے (مرتب)۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی اردو کے صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز ہیں۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف اور بلند پایہ محقق ہیں۔ وہ مستند عالم دین بھی ہیں۔ ان کی زندگی کا طویل حصہ صحافت میں بسر ہوا ہے۔ انھوں نے ہر طرح کے مسائل پر لکھا ہے اور ان کے موضوعات و مباحث کا دائرہ ادب و سیاست، تاریخ و تعلیم، سیرت و سوانح، مذہب و صحافت اور اس کے مختلف گوشوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کی تحریروں میں معلومات اور علمی نکات کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ ان کے قلم اور زبان، دونوں سے لطائف کے پھول جھڑتے ہیں۔ وہ تحریر میں افکار کے موتی پروتے ہیں۔ ان کی تحریرات متن کے حسن اور اسلوب نگارش کی رنگینی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ افکار و معانی کا طلسم قاری کے احساسات پر چھا جاتا ہے۔ ان کے گلشن زار الفاظ و مضامین کا زائر و سائر ایک بات دیکھا، دوبارہ دیکھنے کی ہوس کا

نعرہ لگاتا ہے اور اس کے سحر حلال سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ مختصر اور مفصل دونوں طرح کی تحریریں لکھنے پر قادر ہیں۔ ان کے اختصار میں اعجاز اور تفصیل میں دلکشی کی خوبی موجود ہوتی ہے۔ وہ بات سے بات پیدا کرتے اور مباحث کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن تحریر و نگارش کی رنگینی، بیان کی طوالت اور واقعات کی تفصیل کا احساس نہیں ہونے دیتی۔

ان کی تحریر و نگارش کی سحر انگیزی اور افکار و معانی کی قیامت خیزیاں ان کی تمام تحریروں اور تصنیفوں میں موجود ہیں۔ لیکن "نقوش عظمت رفتہ" اور "بزم ارجمنداں" میں یہ خوبیاں اپنے درجہ کمال اور معراج پر ہیں۔ یہ دونوں کتابیں عہد رفتہ اور عہد حاضر کے اہل فضل و کمال کے سوانح و سیرت اور افکار و خدمات کے تذکرے میں ہیں۔ ان میں بلا تفریق مذہب و مسلک، مسلمان، سکھ، شیعہ، سنی، اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی، جماعت اسلامی اور بلا تمیز دائرہ فکر و فن علمائے دین، ادیب، خطیب، صحافی ہر دائرہ علم و عمل کی شخصیات ہیں۔ نقوش عظمت رفتہ میں اکیس اور بزم ارجمنداں میں انیس شخصیات ہیں۔ یہ دونوں مجموعوں کی بنیادی شخصیات ہیں۔ اس لیے کہ بعض شخصیات کے ضمن میں کئی کئی شخصیات کے تراجم و تذکرے آ گئے ہیں۔ مثلاً مولانا داود غزنوی کا تذکرہ پورے خانوادہ غزنویہ کا تذکرہ ہے، جس میں اسلاف سے لے کر اخلاف تک کتنے ہی بزرگ ہیں۔ مولانا کوثر نیازی کے سلسلے میں جماعت اسلامی کے نظام عقائد و افکار کی نصف درجن سے زیادہ شخصیات آ گئی ہیں۔ کتاب کا کوئی مضمون صاحب عنوان کے تذکرے تک محدود نہیں رہا۔ ہر تذکرہ شخصیت کے سوانح و افکار اور سیرت و خدمات کا رنگین گلدستہ بن جاتا ہے۔ عنوانات کو شمار کیجیے تو ان کی تعداد ساٹھ تک پہنچ جاتی ہے اور صرف ایک طالب علم کے سوا تمام اپنے اپنے دائرہ علم و عمل کی عظیم و ارجمند شخصیات ہیں۔ [1] اب ایک دو کے سوا کوئی شخصیت اس دنیا میں موجود نہیں اور ان میں بیشتر کو ہم نے دیکھا بھی نہیں۔ لیکن فاضل مصنف نے ان کا تذکرہ اتنی مہارت اور ایسی خوبی سے لکھا ہے کہ وہ ہمارے گرد و پیش کی دنیا میں چلتی پھرتی اور ہنستی

---

[1] ایک سے مراد فاضل مضمون نگار ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری کی ذات ایچ ذات گرامی ہے۔ ان کا تذکرہ بزم ارجمنداں میں کیا گیا ہے۔

بستی نظر آنے لگتی ہیں۔ ان کی موضوع شخصیات میں کوئی معصوم نہیں۔ محفوظ عن الخطاء کا عقیدہ بھی وہ کسی کے بارے میں نہیں رکھتے اور بعض تو مسلمان ہی نہیں لیکن ان کے ہاتھ میں ادیب کا قلم تھا۔ وہ فقہ و افتاء کے مسند نشین نہ تھے کہ کفر و اسلام کے فیصلے کرتے اور جنت و دوزخ کے مستحقین کی فہرست تیار کر دیتے۔ انھوں نے انسانی، علمی اور ذہنی، فکری اور فنی کمالات کو پیش نظر رکھا ہے اور ہر شخصیت کے تذکرے کے لیے خوبیوں کو چن لیا ہے اور کوتاہیوں اور کمزوریوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ان کے تذکرے پڑھ کر خیال آتا ہے کہ کوئی بھی نکما نہیں زمانے میں۔ ہر کسی میں کوئی نہ کوئی خوبی ہی نہیں کئی کئی خوبیاں موجود ہوتی ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے تو ہم ان سے سبق سیکھ سکتے ہیں۔ ان کے تذکرے اذکروا موتٰکم بالخیر کا نہایت عمدہ نمونہ ہیں۔

کسی شخصیت کی صرف خوبیوں کے ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اس کی کمزوریوں پر پردہ ڈالا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بے محل بات کوئی ان کے قلم سے نہیں نکلی۔ البتہ اگر کوئی موقع آ گیا ہے تو اس کے بیان میں ان کے قلم نے کوئی کوتاہی بھی نہیں کی۔ سیاہ کو سفید کہنے سے ان کے قلم نے صاف انکار کر دیا ہے۔ لیکن ان کا اسلوب بیان ایسا ہے کہ بات دل پر گراں نہیں گزرتی۔ اب ہمیں اگر کوئی بات اچھی نہیں لگتی تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہمارا ذوق شدت پسند۔ ابھی اس اخلاق و تہذیب سے آشنا نہیں ہو سکا ہے۔ فاضل مصنف ایک خاص دائرہ فکر کے نامور صاحب قلم ہیں۔ علم و عمل اور عقیدہ و فکر کے ہر دائرے میں ان کے اپنے مختارات اور محبوبات و مالوفات ہیں لیکن تہذیب و معاشرت میں وہ زندگی کے آداب و رسوم کے تارک نہیں۔ وہ وسیع القلب ہیں۔ تعصب و تنگ نظری کی ہوا نے بھی ان کی فکر کے دامن کو نہیں چھوا۔ ان کا قلم تصنیف و تالیف کے فنی آداب اور معاشرت و تمدن کی اخلاقیات سے واقف اور تحریر کی شائستگی اور بیان کے حسن و خوبی سے متصف ہے۔ وہ سخت سے سخت بات بھی مناسب اور ملائم الفاظ اور مؤثر انداز میں کہہ سکتے ہیں۔ پیش نظر دونوں کتابوں میں اس کی متعدد اور بہترین مثالیں موجود ہیں۔

کسی کتاب میں موضوع سے متعلق معلومات کی فراوانی، فکر کی بلندی اور زبان و

اسلوب بیان کی خوبیوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ محمد اسحاق بھٹی کی دونوں کتابیں ہر اعتبار سے اس معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ان کے ایک ایک ورق میں معلومات کے ڈھیر ہیں۔ ہر نیا صفحہ ایک نئے باب علم کا افتتاح ہے۔ صفحے کی ہر سطر سے تازہ افکار کے چشمے ابلتے ہیں اور سطر کا ہر جملہ ایک نئے جہان فکر و مستی سے روشناس کراتا ہے۔ غالب نے اپنے سلک اشعار میں پروئے جانے والے لفظوں کو گنجینہ معنی کا طلسم کہا تھا۔ مجھے اپنی اس رائے میں کوئی شبہ نہیں کہ اسحاق بھٹی کی یہ کتابیں افکار کا طلسم زار اور معانی کا گنجینہ ہیں۔ ان میں تاریخ و سوانح، مذہب و سیاست اور دیگر مختلف متباین علوم کو انھوں نے حسن و صحت کے ساتھ اس طرح باہم آمیز کیا ہے کہ ان کے کمال فن کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے واقعات و تواریخ کی صحت کا خیال بھی رکھا ہے۔ زبان کے درجۂ استناد کا پایہ بلند اور اسلوب بیان و طرز نگارش کو رنگینی اور دل کشی نے پوری کتاب کو ایک چمن زار بنا دیا ہے۔

اہل حدیث کو عام طور پر متعصب اور تنگ نظر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ مستثنیات سے قطع نظر یہ ان کی دینی عصبیت، اسلامی حمیت اور دین داری کا لازمی تقاضا ہے۔ لیکن اس کتاب کے مصنف نے اس خیال کا بھی ایسا بطلان کیا ہے کہ شاید اب اہل حدیث پر کوئی شخص یہ الزام نہ لگا سکے۔ ایک ہزار دو سو انہتر (1269) صفحات کی دو کتابوں میں ایک مقام بھی ایسا نہیں کہ انھیں اس الزام کا مورد قرار دیا جا سکے۔ ان کا قلم ہر کسی کے ذکر میں مؤدب اور مہذب رہا ہے۔ اگر کہیں طنز ہے تو بلا تفریق اور نہایت لطیف۔ اگر ایسے مقامات کا شمار کیا جائے، جہاں انھوں نے طنز سے کام لیا ہے یا کسی شخصیت کے کسی مضحک پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان کے اہداف کی دوسرے تمام افراد سے اہل حدیث کی تعداد زیادہ ہوگی۔ کسی سنی حنفی دیوبندی، بریلوی کا تذکرہ دیکھ جائیے، شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی اہل حدیث صاحب علم کے رشحات فکر ہیں۔ عقائد میں رسوخ، کتاب و سنت سے کمال عشق، نہایت حمیت اسلامی، عصبیت دینی کے ساتھ یہ کشادہ دلی اور دوسرے مذاہب و مسالک کے بزرگوں کے تذکار میں یہ احترام اور ایسی رواداری کا التزام ہر اہل قلم کے بس کی بات نہیں۔ احترام انسانیت کا یہ ذوق قلم کی صناعی نہیں، فطرت کی حنابندی ہے۔ یہ خوبی محض مشق تحریر اور

سعی کسب سے حاصل نہیں ہوتی، حسن ذوق کا یہ فرشتہ خدا کے خاص خاص بندوں پر نازل ہوتا ہے۔ مصنف کا قلب اس کے فیضان سے مالا مال ہوا ہے۔ اس کا اظہار ان کی تحریر کے ایک ایک لفظ سے ہوتا ہے۔

دونوں کتابیں نہایت دلچسپ، معلومات افزا اور فکر انگیز ہیں۔ میں نے ان کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے اور ذہن وفکر کو اس کی معلومات وافکار سے آراستہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم نہیں میرے خیالات پہلے ہی سے ایسے تھے یا کتابیں پڑھتے ہوئے مصنف کے فکر کے سانچے میں ڈھلتے چلے گئے۔ اس کی سطر سطر پر مجھے یہ خیال آیا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ یہ بات کسی ادیب اور مصنف کے فن کی کامیابی کی بڑی مثال ہے۔ میں نے اس کے لفظوں، اس کی ترکیبوں، جملوں کی ساخت اور اسلوب بیان پر بار بار ٹھہر ٹھہر کر غور کیا ہے اور سوچا ہے کہ آئندہ اپنی تحریروں میں ان سے کس طرح استفادہ کیا جائے؟ یہ کتابیں پڑھ کر محسوس کرتا ہوں کہ میں نے ایک نئے ادیب صاحب طرز انشا پرداز کو دریافت کیا ہے ۔حالاں کہ یہ ادیب اور مصنف پچھلے تیس سال سے نہ صرف میرے سامنے تھا بلکہ اس سے عقیدت و نیاز کا رشتہ تھا اور اگرچہ اس کے بعض مضامین علم وانشا سے بالکل ناواقف نہ تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ واقعی مقام ناآشنا نہ تھا۔ فہرست ابن ندیم سے لے کر سلسلہ فقہائے ہند تک مصنف کے قلم پر علمی موضوعات ومباحث کا غلبہ رہا تھا اور انھیں وہ سب کچھ کہنے کا موقع نہ ملا تھا جو ان کا اپنا مطالعہ اور مشاہدہ تھا اور جو کچھ انھوں نے خود محسوس کیا تھا اور بیان کرنا چاہتے تھے اور بیان نہ کر سکے۔ اس لیے ان کے ادیبانہ کمال اور انشا پردازی کے وہ جوہر جو وہاں نہ کھل سکے تھے، وہ ''نقوش عظمت رفتہ'' اور ''بزم ارجمنداں'' میں ظاہر ہوئے ہیں۔ یہاں چونکہ ان پر کسی خاص علم وفن کے حدود ومقتضیات کی پابندی نہ تھی، اس لیے ان کتابوں میں ان کا جوہر قابلیت اور قلم کے محاسن پوری طرح نمایاں ہو گئے۔

بعض اکابر اہل علم اور مشاہیر اصحاب قلم کی تحریرات زبان و بیان اور اسلوب نگارش کی تزئین کے لیے میرے ہمیشہ پیش نظر رہی ہیں اور میں نے ان سے کم وبیش فائدہ اٹھایا ہے۔ اب اس فہرست میں ایک نئے ادیب اور انشا پرداز کا اضافہ ہو گیا ہے۔ آئندہ

میں اس سے سیکھوں گا کہ چٹکیاں کیسے لی جاتی ہیں۔تنقید کا اسلوب کیا ہونا چاہیے۔لطیف طنز اور مزاح کی مثال کیا ہوتی ہے۔کسی مسئلے سے اعراض کیسے کیا جاتا ہے، کسی اختلافی بحث سے قلم کو کس طرح روک لیا جاتا ہے، کسی ناپسندیدہ منظر سے نظروں کو کس طرح ہٹا لیا جاتا ہے اور کسی خوش گوار بات کو کس طرح سے دلنشیں بنایا جا سکتا ہے۔کسی مختصر بیان کو رفتہ رفتہ کس طرح پھیلایا اور ایک دم کس طرح سمیٹ لیا جاتا ہے۔بات سے بات کیوں کر پیدا کی جاتی ہے۔مختلف اذکار و معلومات کو کیسے مربوط کرتے ہیں اور تاریخ، مذہب، سیاست کے مسائل کے رنگا رنگ پھولوں کو کس طرح گوندھتے ہیں اور کیسے گجرا بناتے ہیں اور یہ کہ سادگی سے رنگینی کا کام کیسے لیا جاتا ہے اور حسن سادگی کی مثال کیا ہوتی ہے؟

مصنف نے جن شخصیات پر قلم اٹھایا ہے انھیں تاریخ، مذہب، سیاست اور علم وتہذیب وادب کا زندہ جاوید اور ناقابل فراموش حصہ بنا دیا ہے۔مصنف تذکرہ نویسی کے فن کا ایسا ماہر استاد، پختہ علم ادیب اور بے مثال انشا پرداز ہے کہ لوگ اس امید پر موت کو گلے لگانے کو تیار ہو جائیں گے کہ انھیں اس تذکرہ نویس کی توجہ اور قلم نصیب ہو جائے۔

اگرچہ ہم اپنے اندر یہ صلاحیت نہیں پاتے کہ ان کتابوں کے مشمولات کا فنی تجزیہ کریں لیکن ہم یہ جستجو کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ یہ کتابیں کس فن سے تعلق رکھتی ہیں۔ہم نے شعرا ادباء کے تذکرے اور علما وفضلا اور مشائخ کے تراجم دیکھے ہیں، خاکوں کے مجموعے نظر سے گزرے ہیں۔شخصیات پر مختصر مضامین کے مجموعوں سے بھی ذوق ناآشنا نہیں رہا۔ سوانح وسیرت کی کتابیں پڑھی ہیں اور ان کے مطالعہ ونظر سے تذکار وتراجم، سوانح، سیرت، خاکوں اور سوانحوں کے مجموعوں اور مستقل اور جامع تصنیفات کے خصائص کا ایک دھندلا سا تصور ذہن میں پیدا ہو گیا ہے، لیکن اسحاق بھٹی کی نقوش عظمت رفتہ اور بزم ارجمنداں کو کس فن میں شمار کیا جائے اور صنف ادب کے کس خانے میں رکھا جائے؟ یہ فیصلہ دشوار ہے اور ان میں بہترین سراپوں اور خاکوں کے نمونے ہیں۔قلمی چہروں کی ایسی خوب صورت مثالیں ہیں کہ اردو کے بہترین چہرہ نگاروں کو مات دیتے نظر آتے ہیں۔علما ومشائخ کے تذکروں کا انداز ان میں پایا جاتا ہے۔یہ فضلا اور اہل فن کے تراجم کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

ان میں شخصیات کے مطالعے میں بہترین مضمونوں کی خوبیاں موجود ہیں اور کچھ مضمون ایسے بھی ہیں جو تصانیف کی حدوں کو چھوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کتابوں کے مشمولات میں تذکاروتراجم، سوانح وسیرت، خاکہ نگاری اور سراپا نویسی اور تفصیلی مضامین سے شخصیات پر جامع تصانیف تک کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ گویا کہ ان کتابوں میں شامل نگارشات جامع الاوصاف ہیں۔ انھیں کسی ایک صنف کے تحت نہیں رکھا جاسکتا۔

میں ان دونوں کتابوں کی اشاعت پر مصنف کے ساتھ ناشر کو بھی مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ کسی ناشر کی بڑی خدمت اور شائقین علم وادب پر بڑا احسان ہے کہ وہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب مدظلہ کی اتنی دلآویز اور بے مثال کتابیں چھاپ دے۔

بزم ارجمنداں

اسلام آباد سے شائع ہونے والا ششماہی مجلہ "نقطہ نظر" خالص علمی مجلہ ہے۔ اس کے ایڈیٹر اور بانی پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) ہیں، جن کا شمار پاکستان کے ممتاز مصنفین و مؤلفین اور بلند پایہ مقالہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اکتوبر 2000 تا مارچ 2001 کے "نقطہ نظر" میں بھٹی صاحب کی کتاب "بزم ارجمنداں" پر طویل تبصرہ کیا ہے۔ ذیل میں اس تبصرے کے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ (مرتب)

جناب محمد اسحاق بھٹی وطن عزیز کے علمی حلقوں میں ادارہ ثقافت اسلامیہ (لاہور) کے ایک رفیق اور ادارے کے مجلّے "المعارف" کے مدیر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ انھوں نے ادارے سے اپنے زمانہ انسلاک (1965ء--1997ء) میں لکھنے پڑھنے کا جو متنوع کام کیا اس میں محمد بن اسحاق ابن الندیم کی "الفہرست" کے ترجمے نیز "برصغیر پاک وہند میں علم فقہ"، "فقہائے ہند"، "ارمغان حنیف" اور "برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش" کی تصنیف و تالیف کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ تاہم جناب بھٹی صاحب کا تصنیفی سرمایہ اس کے علاوہ بھی ہے جو غیر مرتب شکل میں اخبارات و جرائد کے صفحات میں منتشر ہے، یا بعض دوسرے بزرگوں کے نام سے چھپ گیا ہے۔ "سید داؤد غزنوی سیدی وابی" کے نام سے سید ابوبکر غزنوی نے ایک اپنے اور دو تین دوسرے مضامین کا اضافہ کر کے جو مجموعہ مضامین شائع کیا تھا، اس کا ہیولیٰ جناب بھٹی نے تیار کیا تھا اور ان کی دعوت پر ہی اہل قلم نے مضامین لکھے تھے (دیکھیے زیر نظر کتاب کے صفحات 285-286)۔ اسی طرح امام زید پر شیخ ابوزہرہ کی کتاب کا جو ترجمہ مولانا رئیس احمد جعفری کے نام سے شائع ہوا (اردو اکیڈمی۔ بہاول پور، 1971) اس کا بڑا اور فنی حصہ جناب بھٹی صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے (صفحات 436-437)

جناب بھٹی نے اہل حدیث حضرات کے علمی و اصلاحی ماحول میں آنکھ کھولی اور بدو شعور سے انھیں اپنے وقت کے نمایاں رجال اہل حدیث سے ملنے، ان کی محفلوں میں بیٹھنے اور ان سے اخذ و استفادہ کا موقع ملا۔ ابتداءً بطور طالب علم اور پھر رفیق و جلیس کی

حیثیت سے۔ قیام پاکستان کے بعد جب ''مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان'' کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس تنظیم کے ناظم دفتر تھے۔ اس کا ترجمان ''الاعتصام'' جاری ہوا تو پہلے ''مدیر معاون'' اور پھر ''مدیر مسئول'' ہو گئے۔ اپنا پرچہ ''منہاج'' جاری کیا' الاعتصام'' اور ''منہاج'' کے ساتھ دوسرے مسلکی جرائد کے صفحات بھی ان کی تحریروں سے سجتے رہے۔ انھوں نے اہل حدیث حضرات کی رہنمائی اور جماعتی تنظیم میں ایک عرصے تک بہت فعال کردار ادا کیا ہے۔ مزید برآں جناب بھٹی مزاجاً خوش مزاج اور وضع دار فرد ہیں۔ جس سے ایک بار رابطہ ہوا مسلکی یا سیاسی اختلاف سے قطع نظر اشتراک ذوق کی بنا پر تعلق قائم رکھا اور وہ تعلق نباہنے کا فن بھی خوب جانتے ہیں۔ اس لیے ان کا حلقۂ احباب مسلکی دائرے سے باہر بھی بہت وسیع ہے۔

جناب بھٹی کچھ عرصے سے اپنی یادوں کی انجمن سجائے ہوئے ہیں اور یہ یادیں انھوں نے اپنے مختلف بزرگوں اور احباب کے گرد سجائی ہیں۔ تین برس پہلے انھوں نے اکیس شخصیات ـــ زیادہ تر معروف اور چند ایک نسبتاً کم معروف ـــ کے سوانحی خاکوں کا مجموعہ ''نقوش عظمت رفتہ'' کے نام سے پیش کیا تھا۔ اس سلسلے کا دوسرا مجموعہ ''بزم ارجمنداں '' پیش نظر ہے۔ اس کے لیے جن انیس رجال دین و دانش کا انتخاب کیا گیا ہے، ان میں ''نقوش عظمت رفتہ'' کی روایت برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف عدداً حصہ غالب ''رجال اہل حدیث'' کو حاصل ہے، بلکہ کتاب کا تقریباً دو تہائی حصہ بھی ان کی نذر ہوا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد علی لکھوی، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عبدالکریم گرنتھی، مولانا عبدالمجید سوہدروی، قاضی عبدالعزیز منصور پوری، مولانا محمد صدیق لائل پوری، حکیم عبدالشکور شکراوی، مولانا معین الدین لکھوی اور مولانا عبداللہ گورداس پوری کے ساتھ جناب مصنف کی ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیلات، ربط و تعلق کی کیفیات اور ان کی شخصیتوں کے نمایاں خدوخال اجاگر کیے گئے ہیں۔

اہل حدیث بزرگوں کے علاوہ باقی آٹھ رجال میں مولانا اشرف علی تھانوی کے مجاز بیعت مفتی محمد حسن امرتسری، شیعہ عالم دین مفتی جعفر حسین، تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد، مدیر ''اقدام'' م۔ش (میاں محمد شفیع)۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے احوال و آثار پر متعدد کتابوں کے مرتب و مصنف ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری اور ادارہ ثقافت اسلامیہ

میں جناب بھٹی صاحب کے رفقا خلیفہ عبدالحکیم، شاہ محمد جعفر پھلواروی اور رئیس احمد جعفری شامل ہیں۔

تعلقات کی نوعیت کے حوالے سے یہ سوانحی خاکے چھوٹے بڑے ہیں، اور اسی حوالے سے ان کے مندرجات کی شکل متعین ہوئی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خاکے میں عقیدت ومحبت کی فراوانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا آزاد کے چندوہ خطوط بھی مکتوب الیہم کے تعارف کے ساتھ درج کر دیے گئے ہیں جو حسن اتفاق سے جناب مصنف کے ہاتھ لگ گئے تھے اور ان کا جناب مصنف سے کوئی براہ راست تعلق نہیں۔ اسی طرح خاکے میں مولانا آزاد اور علامہ اقبال کے روابط پر روشنی ڈالی گئی ہے یا مولانا آزاد پر کیے گئے بعض اعتراضات رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان باتوں کا جناب مصنف کی یادداشتوں سے کم اور تحقیق وتصنیف سے زیادہ تعلق ہے۔

اہل حدیث علما کے خاکوں میں ان کی سوانحی معلومات اور شخصی خوبیوں کے ساتھ مسلک، جماعتی تنظیم، ان بزرگوں کی علمی وتصنیفی خدمات اور سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاکوں کا زیادہ دلچسپ حصہ وہی ہے جہاں جناب مصنف ذاتی حوالے سے گفتگو کرتے ہیں اور کتابی معلومات پیش نہیں کرتے۔

جناب مصنف کو لطیفہ بیان کرنے کا فن آتا ہے اور اس کا استعمال ادارہ ثقافت اسلامیہ کے رفقاء پر لکھتے ہوئے خوب کیا گیا ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم، شاہ محمد جعفر پھلواروی اور رئیس احمد جعفری جیسے متین وسنجیدہ قلم کاروں کی زندگیوں کا یہ پہلو بہت دلچسپ ہے۔ جہاں "اپنے پیاروں" پر طنز کیا گیا ہے، داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ مثال کے طور پر:

> بعض (اہل حدیث) حضرات —— آج کل صوفیہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی اور یہ غلط کردار لوگ ہیں۔ ممکن ہے ان کا واسطہ ایسے ہی لوگوں سے پڑا ہو جنھیں صوفی کہا جاتا ہے، اور غلط کردار ہیں۔ حالانکہ غلط کردار علمائے دین اور حفاظ قرآن بھی ہو سکتے ہیں۔ غلط کرداری کسی صوفی کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، ہمارا واسطہ کسی غلط کردار صوفی سے نہیں پڑا۔ ہمارا تعلق ہمیشہ نیک سیرت

صوفیہ اور عالی مرتبت اہل علم سے رہا ہے (ص 215).

جناب مصنف نے بعض بزرگوں سے پچاس ساٹھ برس پہلے ملاقاتوں کا جو نقشہ جس جزئیات نگاری کے ساتھ کھینچا ہے، اس سے ان کی "قوت حافظہ" پر رشک آتا ہے۔ 21 جون 1947ء کو وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ مولانا آزاد سے ملے تھے۔ چوکیدار نے انھیں کمرے میں بٹھایا اور مولانا کو اطلاع دی۔ بالفاظ مصنف:

"میں نے بیٹھتے ہی چاروں طرف نظر دوڑا کر کمرے کا جائزہ لیا، قالین بچھا ہوا تھا، دروازوں پر بادامی رنگ کے کھدر کے پردے لٹک رہے تھے۔ صوفوں پر بھی کھدر کا کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ درمیان میں دیوان رکھا تھا جو اونچائی میں صوفوں سے قدرے کم تھا۔ الماریوں میں کتابیں تھیں، جن کی جلدیں نہایت خوب صورت تھیں اور سنہری حروف میں ان کے نام لکھے تھے۔ اتنے میں میرے بالکل سامنے کے دروازے کا پردہ ہلا، مولانا کمرے میں داخل ہوئے اور فرمایا: "السلام علیکم" ــــ مولانا نے انگوٹھے والی براؤن رنگ کے چمڑے کی چپل پہن رکھی تھی جو عام طور پر اس زمانے میں گھر میں پہنی جاتی تھی۔ اب اس چپل کا رواج نہیں رہا۔ سر پر اونچی دیوار کی سیاہ رنگ کی ٹوپی، سفید کھدر کا قدرے تنگ پائنچے کا پاجامہ، سفید کھدر کی بغیر کالر کے قمیص جس کے بٹن کھدر کے دھاگوں کو اکٹھا کر کے بنائے گئے تھے۔ اوپر کا بٹن کھلا ہوا اور آستینیں کہنیوں تک چڑھائی ہوئیں ــــ (ص 29)

کتاب نہ صرف زبان و بیان کے لحاظ سے دلچسپ ہے، بلکہ وطن عزیز کے دینی حلقوں کے بارے میں جاننے کے لیے اس کا مطالعہ از حد مفید ہے۔ بہت سی معلومات پہلی بار سامنے آئی ہیں۔ مثال کے طور پر شاہ محمد جعفر پھلواروی نے اپنی کتاب "کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" میں یہ نقطۂ نظر اختیار کیا تھا کہ "کمرشل انٹرسٹ" ربو کی تعریف میں نہیں آتا۔ جناب مصنف نے لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی اس رائے سے زبانی رجوع کر لیا تھا (ص 376)۔ اسی طرح یہ اطلاع کہ مولانا غلام رسول مہر نے مولانا آزاد کی "انڈیا ونز فریڈم" کا اردو ترجمہ کیا تھا جو چھپ نہ سکا اور اس کا مسودہ [نقل] محفوظ ہے (صفحات 467-468)۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ۔۔ اپنی تصانیف کے آئینے میں

عصمت اللہ قلعوی

ملک عصمت اللہ قلعوی ضلع گوجراں والا کے قصبہ قلعہ میہاں سنگھ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا غلام رسولؒ کے پڑپوتے ہیں۔ حضرت مولانا ممدوح مستجاب الدعوات عالم دین تھے۔ان کی قبولیت کی دعا کے حیرت انگیز واقعات کتابوں میں درج ہیں۔وہ حضرت سید عبداللہ غزنوی کے رفیق اور ارادت مند تھے۔حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے ان دونوں نے ایک ساتھ علم حدیث پڑھا تھا۔مولانا غلام رسول 1228ھ (1813ء) میں پیدا اور 1291ھ (1874-75ء) میں فوت ہوئے۔بھٹی صاحب نے ان کے مفصل حالات فقہائے پاک و ہند تیرہویں صدی ہجری (جلد سوم) (یعنی فقہائے ہند کی دسویں جلد میں لکھے ہیں۔(از صفحہ 46 تا 105)۔۔ملک عصمت اللہ اسی عظیم القدر بزرگ کے پڑپوتے ہیں۔ان کا اسلوب تحریر بے حد دلچسپ ہے کبھی کبھی "الاعتصام" میں ان کے مضامین پڑھنے کو میسر آجاتے ہیں۔اب ذیل میں بھٹی صاحب کے متعلق ان کا مضمون پڑھیے (مرتب)

ستر کی دہائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ایک روز مولانا عطاء اللہ حنیفؒ صاحبؒ سے درس لے کر ان کے گھر سے باہر نکل رہا تھا کہ گلی کے عین سامنے واقع دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے گیٹ سے نکل کر سیڑھیاں اترتے ہوئے سفید لباس میں ملبوس ایک شخص پر نگاہ پڑی۔ اکہرا بدن، مناسب قد، سیاہ بال، چہرے پر سیاہ چھوٹی سی داڑھی، گندمی رنگ، مسکراہٹ لبوں پر پھیلی ہوئی اس طرح کہ سفید دانت صاف نظر آ رہے تھے۔کوئی دوسرا شخص ساتھ تھا اور وہ اس سے محو گفتگو تھے۔بات بات پر مسکراتے اور مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے۔ان کا یہ انداز گفتگو بڑا دلکش لگا۔جی چاہا کہ آگے بڑھ کر نیاز مندانہ سلام عرض کروں لیکن ہمت نہ ہوئی۔ایک ناشناسائی کی دیوار حائل تھی، دوسرا ان کی شخصیت کا رعب طاری ہو گیا تھا، اس لیے جی کی بات جی میں رہ گئی۔کسی سے استفسار پر پتا چلا کہ یہ ہفت روزہ الاعتصام کے

ایڈیٹر ـــ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ہیں۔ پھر ایک روز مولانا سے ملاقات ہوگئی۔ کب ہوئی، کہاں ہوئی اور کیسے ہوئی، اب کچھ یاد نہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ ملاقات ہوگئی اور اب ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ مضمون ان کے ساتھ عقیدت کا ادنیٰ سا اظہار ہے۔

بھٹی صاحب نے سینکڑوں نہیں، ہزاروں علما وفقہا اور شخصیات کے خاکے اور سوانح لکھے ہیں لیکن اپنے بارے میں کوئی مضمون لکھا ہے نہ کوئی ایسی کتاب ترتیب دی ہے، جس سے خود ان کے بارے میں کچھ جانا جا سکے۔ اس مایوسی اور تاریکی میں اگر امید کی کرن پھوٹی ہے تو وہ خود ان کے اپنے انداز بیان سے پھوٹی ہے۔ انھوں نے لکھنے کا ایسا انداز اپنایا ہے جسے ''حدیث دیگراں'' کے پردے میں ''سر دل براں'' کہنے کا عنوان قرار دیا جا سکتا ہے۔ شخصیات کے خاکے لکھتے ہوئے درمیان میں موقع نکال کر اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ کہنے کے باوجود بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ اس لیے ذیل کی سطور زیادہ تر انھی کے فرمودات سے مستفاد ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی 15 / مارچ 1925ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام میاں عبدالمجید اور دادا کا نام میاں محمد تھا۔ چھ سال کی عمر میں سکول میں داخل ہوئے۔ دریں اثنا ناظرہ قرآن مجید اور اردو کی چند کتابیں جو اسلامی احکام ومسائل پر مشتمل تھیں، اپنے دادا مرحوم سے گھر پر پڑھیں۔ 1933ء میں جب کہ وہ چوتھی جماعت کے طالب علم تھے، مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کوٹ کپورے تشریف لے گئے تو ان سے قرآن مجید کا ترجمہ اور سیرت رسول کی مشہور کتاب ''رحمۃ للعالمین'' (تصنیف قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ) پڑھی۔ دادا نے اپنے پوتے اور استاد نے اپنے شاگرد کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ خود ان کی زبانی سنیے۔

''میں کوٹ کپورہ میں مولانا (عطاء اللہ حنیف) کی شاگردی میں داخل تھا۔ ہمارا اور ہمارے اکثر رشتہ داروں کا تعلق ٹرانسپورٹ سے تھا۔ ایک مرتبہ دس بارہ بسوں کا قافلہ کھیپ یا کنوایا، پاسنگ کے لیے لدھیانہ کو روانہ ہوا۔ یہ 1939ء کی بات ہے۔ دس گیارہ

سال کے ہم چھ سات لڑکے ان کے ساتھ چلے گئے۔تقریباً ایک ہفتہ وہاں رہنا پڑا۔ان دنوں اس نواح میں نئے نئے سینما ہال بنے تھے اور ان میں فلمیں چلنے لگی تھیں۔ایک دن سب لوگ شام کے وقت سینما کی طرف روانہ ہوئے۔میں بھی اپنے والد کے ساتھ تھا۔ وہاں فلم دیکھی جس کا نام ''سوتیلی ماں'' تھا۔

اب آگے سنیے کیا ہوا:

''ہم واپس اپنے گھر آئے تو کسی نے میرے دادا مرحوم کو میرے متعلق بتا دیا کہ اس نے دوسرے لوگوں کے ساتھ فلم دیکھی ہے۔پہلے تو انھوں نے بتانے والے سے فلم کا مطلب سمجھا، پھر میری طرف توجہ فرمائی اور مارنا شروع کر دیا۔مار کھاتے کھاتے میرا برا حال ہو گیا اور میں نے توبہ کی کہ آئندہ یہ کام نہیں کروں گا۔لیکن وہ میری توبہ سے مطمئن نہیں ہوئے۔ مجھے مولانا عطاء اللہ صاحب کے پاس لے گئے۔انھوں نے بھی فلم کے مطالب و معانی سمجھنے کے بعد اس فقیر پر دادا جان والا عمل دہرایا۔ان کے حضور بھی ہم نے رو رو کر توبہ کی اور رحم کے طالب ہوئے۔اس کے بعد ہم نے فلم نہیں دیکھی۔'' ❶

زمانہ کتنا آگے نکل چکا ہے کہ کبھی ایک فلم کا دیکھ لینا گناہ کبیرہ تصور کیا جاتا تھا لیکن اب ٹی وی کی برکت سے گھر گھر سینما ہال اور تھیٹر کھل چکے ہیں۔اب برائی کو روکنا یا برائی کو برائی سمجھنا تو کجا برائی کا احساس بھی ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آدمی سے خطا و لغزش کا صدور تعجب خیز امر نہیں اور خصوصاً اس وقت جب کہ وہ شعور کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا ہو۔بھٹی صاحب اپنی اس لغزش کو چھپانا چاہتے تو چھپا سکتے تھے لیکن انھوں نے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں لکھا ہے۔

---

❶ اختصار از نقوش عظمت رفتہ ص 278-279

اب آیئے تربیت کے دوسرے پہلو پر اور وہ بھی ان کے اپنے الفاظ ہیں:

"جماعت اہل حدیث کے پرانے بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ ان کے عقیدت مندوں میں سے اگر کوئی ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہونے کا متمنی ہوتا تو وہ اس سے بیعت لیتے تھے لیکن بیعت ان کے نزدیک ضروری اور لازمی نہ تھی۔ میرے لیے بھی میرے دادا میاں محمد مرحوم نے حضرت شاہ محمد شریف گھڑیالوی سے درخواست کی تھی کہ یہ میرا پوتا ہے، اسے آپ اپنے حلقۂ بیعت میں داخل فرمالیں۔ شاہ صاحب نہایت متقی بزرگ تھے۔ میری عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی تھی۔ میں نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد مجھے مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب نے ایک بزرگ مولوی کمال الدین کے حلقۂ بیعت میں شامل کر دیا تھا۔ (1)

مندرجہ بالا اقتباس سے عیاں ہے کہ مولانا محمد اسحاق بھٹی تصوف وسلوک کی منزلوں سے آشنا اور اس راہ کے راہرو ہیں۔ مانا کہ بیعت "ضروری" اور "لازمی" نہیں لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بیعت بہرحال اخلاقی اور روحانی تربیت کا ذریعہ ہے۔ اس کی افادیت اور اہمیت کو مولانا بھٹی صاحب سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔ اس لیے کہ وہ خود یکے بعد دیگرے "بزرگوں کے حلقہ بیعت میں شامل رہ چکے ہیں۔ تعجب کہ "ضروری" ہے لیکن یہ روحانی ترقیوں کا زینہ ہے۔ کوئی بھی اس کی افادیت اور ضرورت کا منکر نہیں۔ "پرانے بزرگ" نہ صرف بیعت کے قائل رہے ہیں بلکہ بیعت لینا ان کا معمول بھی تھا۔ یہ "جدید" بزرگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ خود انفرادی طور پر بھی اس پر عمل سے گریزاں ہیں اور جماعتی اور مسلکی طور پر بھی۔ اغلباً یہی سبب ہے کہ ہمارے ہاں اخلاق اور روحانیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، الا ماشاء اللہ۔

1937ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب "مرکز الاسلام" گئے تو اسحاق

---

(1) بزم ارجمنداں ص 582-581

بھٹی صاحب بھی ان کے ہم راہ وہاں چلے گئے۔ 1938ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحبؒ فیروز پور چلے گئے مولانا بھٹی صاحب بھی فیروز پور چلے گئے۔ جہاں ان سے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس لیا۔ 1940ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے حکم سے گوجراں والا چلے آئے۔ جہاں مولانا اسماعیل سلفیؒ اور حافظ محمد صاحب گوندلویؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور یوں سولہ سترہ سال کے اس جوان رعنا نے درس نظامی کے مروجہ نصاب میں سند فراغت حاصل کر لی۔

کچھ عرصہ بعد مولانا بھٹی صاحب نے دریائے ستلج کے ہیڈ سلیمان کی میں کلرکی کی لیکن جلد ہی چھوڑ کر مرکز الاسلام کا رخ کیا جہاں مارچ 1943ء سے جون 1947ء تک بطور معلم خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران ریاست فرید کوٹ کی سیاست میں بھی حصہ لیا جس کے صلے میں کچھ عرصہ فرید کوٹ اور فیروز پور جیل میں رہے۔

اسیری سے رہائی کے بعد ہندوستان کے سابق صدر گیانی ذیل سنگھ نے ان سے قرآن مجید پڑھا اور تھوڑا سا اس کا ترجمہ بھی۔

مولانا کی سیاسی زندگی کا آغاز فرید کوٹ سے ہوا اور فرید کوٹ ہی میں اختتام کو پنجاب میں جنگ عظیم دوم سے پہلے متحدہ ہندوستان کی ریاستوں میں ایک سیاسی جماعت قائم ہوئی جس کا نام آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس تھا جو بعد میں پرجا منڈل کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کی ایک شاخ ریاست فرید کوٹ میں قائم کرنے کے لیے صلاح مشورے ہونے لگے تو بھٹی صاحب بھی کبھی کبھی ان میٹنگوں میں شامل ہوتے رہے۔ 1946ء میں ریاست فرید کوٹ کی پرجا منڈل کی تنظیم کی گئی تو مولانا اس کے جنرل سیکرٹری بنے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد 1945ء کے آخر میں پنجاب کی ریاستوں میں تحریک آزادی شروع ہوئی۔ یہ تحریک بہت زوردار تھی۔ 1946ء میں اس نے شدت اختیار کر لی اور ریاست فرید کوٹ بھی اس تحریک کی زد میں آ گئی۔ مولانا بھٹی صاحب نے اس تحریک میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ اس کے روح رواں بنے رہے۔ آخر کار گرفتار ہو کر جیل پہنچے، جہاں انھیں سنگین کوٹھڑیوں میں اسیر رکھا گیا۔ جیل میں اسیری کے دوران ان پر مقدمہ چلایا گیا اور مختلف دفعات قائم کر کے طویل قید کی سزا سنائی گئی لیکن کچھ عرصہ بعد راجہ فرید کوٹ ہر اندر

سنگھ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے مذاکرات کے نتیجے میں رہا ہو گئے۔

اسیری کے دوران مہاراجہ فرید کوٹ کے اشارے پر جیل حکام نے مولانا بھٹی صاحب کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی ترغیب دی اور کہا کہ اگر وہ ایسا کرنے کا وعدہ کریں تو انھیں رہا کر دیا جائے گا۔ بصورت دیگر ان کی تمام جائداد بحق سرکار ضبط کر لی جائے گی۔ مولانا اپنے موقف پر نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ ہر قسم کی ترغیب و تحریص اور دھمکیوں کے باوجود مسلم لیگ میں شمولیت سے انکار کر دیا۔

1947ء میں جب ملکی حالات بہت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئے تو ریاست فرید کوٹ میں مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کے لیے دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کی، سردار عبدالرب نشتر سے بھی ملے۔ نشتر صاحب نے تو صرف تسلی دی لیکن مولانا آزاد سے گفتگو کے نتیجے میں ریاست فرید کوٹ کے مسلمان قتل و غارت گری سے محفوظ رہے اور سب وہاں سے امن وامان سے نکل آئے۔

20راگست 1947ء کو شام کے بعد کوٹ کپورے کی غلہ منڈی میں امن کمیٹی کا جلسہ ہوا جس میں مولانا بھٹی صاحب شریک ہوئے اور تقریر بھی کی (غالباً یہی ان کی آخری سیاسی تقریر تھی) دوسرے دن (یعنی 21 اگست کو) ایک سو تیں افراد کے ساتھ گھر سے صبح پانچ بجے ٹرک پر سوار ہو کر (گھر سے نکلے اور) مغرب کے بعد 8 بجے قصور پہنچے اور پھر جڑاں والا کے گاؤں چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور میں اقامت گزیں ہو گئے۔

تقسیم ملک اور حصول آزادی کے بعد مولانا کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ چک نمبر 53 گ۔ب منصور پور میں اقامت گزیں ہونے کے بعد حصول معاش کا مسئلہ سرفہرست تھا۔ اس کے لیے انھوں نے کاروبار کی ٹھانی۔ کچھ دوسرے ساتھیوں کی شراکت سے آٹھ سو من بھوسہ خریدا جسے دو قسطوں میں بیچا۔ چار سو من بھوسے کی پہلی قسط بادامی باغ لاہور لا کر فروخت کی تو بیس روپے نقصان اٹھایا۔ باقی بھوسہ راولپنڈی لے جا کر فروخت کیا جس سے تمام اخراجات نکال کر اور لاہور کا خسارہ پورا کر کے کل پچپن روپے منافع ہوا۔ اس طرح ان کی پہلی اور آخری تجارت اپنے انجام کو پہنچی۔

آزادیٔ وطن کے بعد جو مسلمان ہندوستان کی سکونت ترک کر کے پاکستان آئے

وہ مختلف مقامات پر بکھر گئے تھے۔ مشرقی پنجاب کے بہت سے علاقوں میں مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے لوگ اچھی خاصی تعداد میں آباد تھے۔ وہ وارد پاکستان ہوئے تو کوئی کہیں جا بسا، کسی نے کہیں جا کر ٹھکانا بنایا۔ اس صورت حال کے پیش نظر جماعت اہل حدیث کی تنظیم کی تجویز پیش ہوئی تو 24/ جولائی 1948ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں کم وبیش دوسو افراد نے شرکت کی۔ اس میں مولانا بھٹی صاحب بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں جمعیت اہل حدیث کی تاسیس کی گئی۔ 8 دسمبر 1948ء کو مولانا بھٹی صاحب کو جمعیت اہل حدیث کا آفس سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ مولانا خود لکھتے ہیں:

> ''مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام سے تھوڑا عرصہ بعد مجھے اس کا ناظم دفتر مقرر کیا گیا۔ اس لیے یہ عرض کروں تو حق بجانب ہوں گا کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے تمام معاملات سے آگاہ اور اس کے رموز واسرار سے باخبر ہوں۔'' [1]

مرکزی جمعیت اہل حدیث کے معاملات اور رموز واسرار جن سے مولانا بھٹی صاحب آگاہ اور باخبر ہیں، اہل حدیث عوام کی امانت ہیں اور بحیثیت امین مولانا بھٹی صاحب کو یہ امانت جماعت کے افراد کو واپس کرنی چاہیے، اگرچہ ان میں کچھ پردہ نشینوں کے نام ہی کیوں نہ آتے ہوں۔

اگست 1949ء میں گوجراں والا سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' جاری ہوا۔ فروری 1950ء میں اس کے معاون ایڈیٹر بنے۔ معاون ایڈیٹر بن کر وہ گوجراں والا پہنچے تو انھیں حکم ہوا کہ وہ کل صبح کی نماز کے بعد کاتب کے گھر جائیں اور اخبار کے مضامین کی پروف ریڈنگ کریں۔ اس روئیداد کا اگلا حصہ نہایت دلچسپ اور پر لطف ہے۔ اسے میں لکھوں گا تو ڈر ہے کہ کہیں سوء ادب کے زمرے میں نہ آجائے، لہٰذا اسے بھٹی صاحب کے اپنے الفاظ میں پڑھیے:

---

[1] کاروان سلف ص 444

''میں سوچنے لگا کہ ریڈنگ کے معنی ہیں پڑھنا اور پروف کہتے ہیں دلیل اور ثبوت اور گواہی کو۔۔۔! یہ اخبار کی پروف ریڈنگ کا کیا مطلب ہوا۔۔؟ مضامین کو گواہی، دلیل اور ثبوت کے لیے پڑھنا؟ یہ کیا بات بنی۔۔؟ ساری رات ہم اسی چکر میں رہے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ معاون ایڈیٹر صاحب پروف ریڈنگ کے لفظی معنی سے باخبر اور عمل سے بے خبر تھے۔'' [1]

اس اقتباس کو ایک بار پھر پڑھیے۔ اگرچہ اس میں مزاح کا رنگ غالب ہے تاہم اس کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں کہ کام سے جو ناواقف اور انجان شخص کے ذہنی خوف اور اس کی اس کیفیت کو جس مہارت اور پُرکاری کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے، یہ انہی کا حصہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مولانا بھٹی صاحب ایک ماہر اخبار نویس کی حیثیت سے ابھرے۔ ہفت روزہ الاعتصام میں ایسے معرکہ آرا اداریے لکھے جن کی ایک دنیا معترف تھی۔

مولانا محمد اسحاق نے پندرہ سال تک الاعتصام کی ادارت کے فرائض سرانجام دیے۔ دو سال معاون ایڈیٹر کی حیثیت سے اور تیرہ سال بطور ایڈیٹر کام کیا۔ 1965ء میں مولانا الاعتصام کی ادارت سے الگ ہو گئے۔ اس اثناء میں اپنا اخبار سہ روزہ منہاج بھی جاری کیا لیکن کاغذ کی کم یابی کی وجہ سے جاری نہ رہ سکا اور اجرا کے سوا سال بعد اپریل 1959ء میں بند ہو گیا۔

کہنے کو مولانا بھٹی صاحب الاعتصام کی ادارت سے الگ ہو گئے لیکن علیحدگی کے باوجود اس اخبار کی محبت ان کے دل سے نہیں نکلی۔ مولانا نے الاعتصام کو نہیں بھلایا اور الاعتصام نے انھیں نہیں بھلایا کہ آج بھی ان کا نام ''الاعتصام'' کی مجلس ادارت میں شامل ہے۔

الاعتصام سے علیحدگی کے بعد ہفت روزہ ''توحید'' کی ادارت سنبھالی لیکن کچھ

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص 173

عرصہ بعد اس سے بھی علیحدگی اختیار کرلی اور ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے۔اس سے ان کے سفر حیات میں ایک نیا موڑ آیا اور زندگی کا رخ صحافت سے تصنیف وتالیف کی طرف مڑ گیا۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں رہ کر سب سے پہلے محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق کی معروف عربی کتاب ''الفہرست'' کا ترجمہ کیا۔یہ ترجمہ حواشی اور اشاریے سمیت مطبوعہ شکل میں تقریباً ایک ہزار صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔اس کے بعد ''برصغیر پاک وہند میں علم فقہ'' شائع ہوئی۔بعد ازاں ''فقہائے ہند'' لکھی، جو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔یہ پہلی صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک کے ہزاروں فقہائے برصغیر کے حالات وسوانح کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس کے بعد ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' تصنیف کی۔اس میں ان صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا تذکرہ ہے جو مختلف اوقات میں برصغیر پاک وہند تشریف لائے۔مولانا محمد حنیف ندویؒ کے حالات وسوانح میں ''ارمغان حنیف'' لکھی جو چار سو صفحات پر محیط ہے۔اس کے علاوہ بے شمار مقالات ومضامین لکھے۔پنجاب یونیورسٹی کے اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں تیس بتیس مقالے شائع ہوئے، جن میں قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں پر تقریباً اڑھائی سو صفحات کے چار مقالے بھی شامل ہیں۔روزنامہ ''امروز'' میں بنات اسلام، کے عنوان سے ہر اتوار کو اسلامی تاریخ کی کسی بڑی خاتون پر مضمون لکھتے رہے۔یہ سلسلہ تقریباً تین سال جاری رہا اور بہت سی قابل احترام خواتین کے حالات قلم بند کیے۔اس کے علاوہ ٹیلی ویژن پر بہت سے پروگرام کیے۔ریڈیو پاکستان سے بے شمار تقریریں مختلف موضوعات پر نشر ہوئیں۔ریڈیو کے ایک پروگرام ''زندہ تابندہ'' میں چالیس کے قریب بڑی شخصیتوں پر انھوں نے لکھا اور ریڈیو سے نشر ہوا۔پھر ''قصوری خاندان'' کے نام سے کتاب لکھی۔عظمت رفتہ کے نقوش اجاگر کرنے کے لیے اکیس عظیم شخصیات کو موضوع قلم بنایا تو 640 صفحات پر مشتمل ''نقوش عظمت رفتہ'' وجود میں آ گئی۔اس کے بعد انیس ارجمندوں کی محفل سجائی تو ''بزم ارجمنداں'' ظہور میں آئی۔یہ کتاب 630 صفحات پر مشتمل ہے۔پھر بیس سلفی شخصیات پر مبنی ایک کارواں نکالا تو یہ کارواں ''کاروان سلف'' میں ڈھل گیا۔نہیں معلوم ابھی کتنی اور کتابیں ان کے زیر ترتیب وتسوید ہیں۔اس طرح ان

کی تحریریں تیس بتیس ہزار سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ابھی ان کا قلم ماشاءاللہ رواں دواں ہے۔ خدا کرے ان کا قلم یوں ہی گوہر بار رہے اور تا ابد رہے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مولانا مسلکاً اہل حدیث ہیں، اسی مسلک کے عالمین وحاملین کے حضور انھوں نے زانوائے تلمذ تہ کیے اور انہی حضرات میں انھوں نے زندگی بسر کی۔ اس لیے اس مسلک کے ساتھ گہری وابستگی اور والہانہ محبت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ اس کی گواہی اپنوں ہی نے نہیں بلکہ اغیار نے بھی دی ہے۔ ایک دن حکومت پنجاب کے محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر جنرل ان سے ملاقات کے لیے ان کے دفتر تشریف لائے۔ وہ ان کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ علیک سلیک کے بعد بولے: ''میں بہت سے اخبار ورسائل پڑھتا ہوں لیکن تمھارے جیسا اہل حدیث مبلغ میں نے کوئی نہیں دیکھا، تم غیر مسلموں پر بھی مضمون لکھو تو اس میں بھی اہل حدیث کا ذکر ضرور لے آتے ہو۔''

مسلک کے ساتھ اس گہری وابستگی اور والہانہ محبت کے باوجود تعصب نام کو نہیں۔ اسی لیے انھوں نے شخصیات پر بلا تفریق مذہب وملت لکھا ہے۔ مسلک کے بارے میں ان کا تصور نہایت اجلا اور نکھرا نکھرا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''میرے نزدیک اہل حدیث اس ذوق، اس ثقافت، اس اعتدال، اس توازن، اس وسط، اس میانہ روی، اس حسنِ اسلوب، اس رواداری، اس شائستگی، اس طریق عمل اور اسلوبِ زیست کا نام ہے جس کی تعلیم ہمیں صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور جس پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ہر بات پر لڑنے جھگڑنے اور ''ٹھسن مکی'' ہونے کا نام اہل حدیثیت نہیں ہے۔'' ❶

اسحاق بھٹی کو اپنے ہم مسلک اہل علم اور اہل قلم حضرات سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اور ہیں لیکن جب وہ اپنے ماحول پر نگاہ ڈالتے ہیں تو انھیں مایوسی ہوتی ہے۔

---

❶ نقوش عظمت رفتہ ص 228

اپنے ہم مسلک اہل علم کو اپنے مشن سے ہٹا دیکھتے ہیں تو بے اختیار ان کے قلم سے یہ الفاظ پھسل جاتے ہیں:

''جماعت اہل حدیث اس دور میں جن حالات سے گزر رہی ہے اور جو راہ اس کے اکابر نے اختیار کر رکھی ہے، وہ نہ علم کی راہ ہے، نہ سیاست کی، اس کے پیش نظر مجھے توقع نہیں کہ جماعتی طور پر تصنیف و تالیف کا کام ہو سکے گا۔'' ❶

رہے عوام الناس تو ان کی حالت اس سے بھی پتلی ہے۔ ان کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''نہایت افسوس ہے کہ اب دعا اور وظائف اور تصوف کی روایت جماعت اہل حدیث میں ختم ہو گئی ہے بلکہ میں نے سنا ہے کہ بعض برخود غلط لوگ اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔''

مولانا بھٹی صاحب شگفتہ مزاج آدمی ہیں۔ جس مجلس میں بیٹھ جائیں وہ کشت زعفران بنی رہتی ہے۔ بات بات پر پھلجھڑیاں پھوٹتی ہیں اور شگوفے کھلتے ہیں۔ جہاں ضرورت ہو وہاں لطیفوں کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کی شگفتہ مزاجی کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

''ادارہ ثقافت اسلامیہ میں جعفر شاہ صاحب بھی تھے اور رئیس احمد جعفری بھی۔ دونوں خوش طبع تھے۔ جعفر صاحب یا جعفری صاحب سے کوئی صاحب ملاقات کو آتے تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہم نے کبوتر اور کبوتری کی طرح جوڑا رکھا ہے، جعفر بھی اور جعفری بھی۔ آپ کو کس کی ضرورت ہے؟ اس سے وہ محظوظ ہوتے۔ ملاقات کو آنے والے بھی خوش ہوتے۔'' ❷

یہی شگفتگی ان کی تحریروں کے لازمی جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ سنجیدہ سے سنجیدہ موضوع ہی کیوں نہ ہو، لکھتے ہیں تو موضوع مسکرانے لگتا ہے اور حروف گنگنانے لگتے ہیں۔

---

❶ کاروان سلف ص 13 ❷ نقوش عظمت رفتہ ص 23

بایں ہمہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری کے بقول، ان کے مضامین میں معلومات کی فراوانی ، مشاہدات کی دلکشی، تاثرات کا حسن، مطالعے کی رنگینی، فکر کی پختگی، عقیدے کی محکمی، الفاظ اور جملے نہایت مؤثر اور اسلوب بہت دل آویز ہوتا ہے۔

بھٹی صاحب کو ابتدائی دور زندگی ہی سے شخصیات سے دلچسپی رہی، اس لیے شخصیات ہی ان کے قلم کا موضوع ٹھہریں۔ جس شخصیت پر لکھا اس کے عہد کی پوری تاریخ سامنے لا کھڑی کر دی۔ جس شخصیت پر قلم اٹھایا اسے زندۂ جاوید کر دیا۔ بقول مشفق خواجہ صاحب ''شخصیات پر لکھنے والا آپ سے بہتر اس وقت کوئی نہیں۔ آپ لکھتے نہیں کار مسیحائی فرماتے ہیں، جس نے مردوں کو چلتے پھرتے دیکھنا ہو، وہ آپ کے مضامین پڑھ لے۔''

ان اعلیٰ اور بلند پایہ صفات کا حامل ہونے کے باوجود ان کی طبیعت میں انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ مولانا معین الدین لکھوی صاحب ان کے ہم درس بھی رہے ہیں اور گہرے دوست بھی، دوستی ہمیشہ مساوات کی متقاضی ہوتی ہے اور ہم پلہ افراد میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے مقابلے میں ان کا انکسار دیکھیے:

> میرا یارانہ تو ان (مولانا معین الدین لکھوی) سے بے شک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرا ان سے کوئی جوڑ نہیں اور میں کسی پہلو سے بھی ان سے ہم سری کا تصور نہیں کر سکتا۔ یہ دودمانِ فضل وکمال کے صاحبِ علم رکن، میں ایک معمولی گھرانے کا نیم خواندہ فرد، انھوں نے معرفت وادراک کی فضا میں شعور کی دہلیز پر قدم رکھا، میں نے بے علمی کے ماحول میں پرورش پائی۔ یہ تقویٰ وصالحیت کے خوش نما دائروں میں پلے بڑھے، میں نے بے عملی کے سایوں میں ماہ وسال کے سفر کا آغاز کیا۔ یہ ہر آن خدمت دین میں متحرک و مستعد رہے، میں نے آوارگی اور بے پروائی کے عالم میں وقت ضائع کیا۔ یہ اپنی محنت اور اللہ کی مدد سے دینی ودنیوی اعتبار سے اونچے مرتبے پر پہنچے، میں اپنی سست روی کے باعث قلم کی مزدوری سے آگے نہ بڑھ پایا۔ تاہم میں

اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ اس کے باوجود انھوں نے مجھے تعلق خاطر کا مستحق گردانا اور اپنے وسعت پذیر حلقہ احباب میں شامل رکھنے کا اعزاز بخشا۔'' ❶

قارئین یہ تو جانتے ہیں کہ بھٹی صاحب نے دو صاحب کمال بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس لیے وہ خود بھی تصوف وسلوک کی منزلوں کے شناسا ہیں۔ سلوک کے بلند درجے پر فائز ہونے کے باوجود جب انکسار پر اترتے ہیں تو انکسار کی آخری حدوں کو چھو لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ سلسلۂ بیعت کا آغاز اپنے گھر سے کروں مگر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ میرے گھر کا کوئی فرد میری بات نہیں مانے گا کیونکہ گھر کے سب افراد جانتے ہیں کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔'' ❷

لیکن پھر بھی اپنی صلاحیتوں کا اعتراف بطور تحدیث نعمت بایں الفاظ کرتے ہیں:

''ایک ایک واقعہ جمع کرنا، ہر واقعہ کو زیر غور لانا اور پھر خاص ترتیب کے ساتھ تمام واقعات کو صفحۂ قرطاس پر چسپاں کرنا بڑا محنت طلب کام ہے۔ یہ سب چیزیں خاص طریقہ، خاص ڈھنگ، خاص ذہن، خاص سلیقہ اور خاص قرینہ چاہتی ہیں۔ یہ واعظوں اور مقرروں کے بس کا روگ نہیں۔

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے فقیر کو اس نعمت سے بہرہ مند فرمایا ہے اور اس نے اللہ کی مدد سے ان سب کوائف کو ایک خاص اسلوب کے ساتھ تحریر مضبوط سلک میں پرو دیا ہے۔'' ❸

بھٹی صاحب کی قوت مشاہدہ اور حافظہ دونوں بلا کے ہیں۔ مشاہدہ کرتے ہیں تو

---

❶ بزم ارجمنداں ص 535,534

❷ بزم ارجمنداں ص 583

❸ کاروان سلف ص 376

نگاہِ دوررس وہاں تک پہنچتی ہے جہاں عام نگاہ نہیں پہنچ پاتی۔ لکھتے ہیں تو پورا واقعہ اپنی تمام جزئیات و تفصیلات کے ساتھ سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ اس لیے مشاہدے کا عمق اور بیان میں تفصیل ان کی تحریروں کا خاصہ ہے۔

ان کے صبح کے وقت کچھ معمولات ہیں جن میں سے ایک معمول یہ ہے کہ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ جس دن کسی وجہ سے قرآن مجید نہ پڑھ سکیں تو بقول ان کے وہ فکر مند رہتے ہیں کہ خدا جانے ان کا یہ دن کیسے گزرے گا۔

اللہ تعالیٰ ان کو صحت بخشے اور عافیت و سلامتی کے ساتھ انھیں تا دیر قائم رکھے۔ ہماری دعا ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

محمد اسحاق بھٹی کی یادداشتیں

(جناب قدرت اللہ چودھری)

کونسل آف نیشنل افیئرز لاہور کے اخبار نویسوں اور کالم نگاروں کی ایک تنظیم ہے۔ 7- جولائی 2006ء کو شام کے بعد اس کا ہفتہ وار اجلاس اواری ہوٹل میں منعقد ہوا، جس میں صحافیوں کے علاوہ ہائی کورٹ کے بعض ریٹائرڈ جج بھی موجود تھے اور وکلاء بھی۔ اجلاس میں بھٹی صاحب کو بطور مہمان خصوصی دعوت دی گئی تھی۔ مقصد آزادیٔ برصغیر کے بعض رہنماؤں سے متعلق ان کا نقطۂ نظر معلوم کرنا تھا۔ کونسل کے ایک رکن جناب قدرت اللہ چودھری ہیں جو روزنامہ ''پاکستان'' (لاہور) کے گروپ ایگزیکٹو ایڈیٹر ہیں۔ وہ اس میٹنگ میں شامل تھے۔ انھوں نے ''محمد اسحاق بھٹی کی یادداشتیں'' کے عنوان سے 9 جولائی 2006ء کو روزنامہ ''پاکستان'' میں کالم لکھا جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ اس میں بھٹی صاحب کی سماجی، علمی، سیاسی اور تحقیقی زندگی کے بہت سے گوشے قارئین کے علم میں آئیں گے۔ مطالعہ فرمائیے۔ (مرتب)

فضل الٰہی چودھری صاحب جب مغربی پاکستان اسمبلی کے سپیکر تھے، وہ ایک پارلیمانی وفد کے ساتھ بھارت گئے۔ اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ اس وفد کی ملاقات طے شدہ نہیں تھی، لیکن پارلیمنٹ ہاؤس کی راہداریوں سے گزرتے ہوئے ان کی نظر ایک تختی پر پڑی: ''مولانا ابوالکلام آزاد، وزیر تعلیم'' وہ یہ تختی پڑھ کر رک گئے۔ چونکہ ملاقات کا کوئی وقت معین نہیں تھا، اس لیے دربان نے انھیں اندر نہیں جانے دیا۔ اس دوران اندر سے ایک ملاقاتی نے باہر آنے کے لیے دروازہ کھولا تو چودھری فضل الٰہی اندر گھس گئے اور مولانا ابوالکلام آزاد سے براہ راست جا مخاطب ہوئے۔ ابھی تعارف و تمہید کا سلسلہ شروع ہوا ہی تھا کہ باہر سے دربان نے آکر مولانا کو بتایا کہ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو باہر کھڑے ہیں اور ملاقات کی اجازت چاہتے ہیں (پڑھنے والے اور پروٹوکول کی باریکیوں پر نظر رکھنے والے حیران نہ ہوں، وزیر اعظم نہرو، ہمیشہ اپنے وزیر تعلیم سے ملنے خود ان کے پاس جاتے تھے) تھوڑی دیر بعد وزیر اعظم آکر بیٹھ گئے، لیکن فضل الٰہی

چودھری نے ان کی موجودگی میں ہی مولانا آزاد سے پوچھ لیا کہ آپ تو کہتے تھے: ''پاکستان نہیں بن سکے گا، اگر بن گیا تو چل نہیں سکے گا۔'' لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان نہ صرف بن گیا ہے بلکہ چل بھی رہا ہے۔ مولانا آزاد نے چودھری صاحب کو بتایا کہ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ پاکستان بن نہیں سکے گا، یا چل نہیں سکے گا، میں تو یہی کہتا رہا کہ پاکستان نہیں بننا چاہیے۔ یہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے مسئلے کا حل نہیں ہے۔ یاد رکھیے ہندوستان ایک ملک تھا اور ایک ملک ہے، جب کہ پاکستان ایک تجربہ ہے، اسے کامیاب بناؤ۔''

یہ بات ممتاز سکالر، ادیب اور متعدد وقیع کتابوں کے مصنف مولانا محمد اسحاق بھٹی نے کونسل آف نیشنل افیئرز کی ہفتہ وار میٹنگ میں اپنی یادداشتوں کے حوالے سے کہی۔ بھٹی صاحب عمر عزیز کی 81 بہاریں دیکھ چکے ہیں، لیکن ان کی یادداشت کا یہ عالم ہے کہ انھیں تاریخ اور سن تک ایسے یاد ہیں، جیسے یہ کل کا واقعہ ہو۔ انھیں یہ بھی یاد ہے کہ جب مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر مولانا محمد داؤد غزنوی نے انھیں اپنے دفتر کا آفس سیکرٹری بنانے کے لیے جڑاں والا میں ان کے گاؤں آدمی بھیجا تو وہ کماد کے کھیت میں ''گوڈی'' کر رہے تھے۔ بھٹی صاحب کی گفتگو کا انداز یہ ہوتا ہے کہ ''اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے؟''

آپ ان سے کوئی سوال کرتے ہیں تو وہ اس کے جواب کے لیے آپ کو ماضی مرحوم میں لے جاتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مولانا آزاد اور چودھری فضل الٰہی والا واقعہ انھیں پروفیسر محمد سرور جامعی نے اس روز سنایا، جس روز مشرقی پاکستان کا سقوط ہو رہا تھا۔ پروفیسر سرور جامعی اور محمد اسحاق بھٹی دونوں ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ریسرچ سکالر تھے اور ان کے کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ محمد اسحاق بھٹی نے آزادیٔ ہند اور قیام پاکستان کی جدوجہد کے حوالے سے اپنی یادداشتوں کو تازہ کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس پر مولانا ابوالکلام آزاد کی گہری چھاپ تھی اور فیصلوں میں ان کی رائے کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، بلکہ سارے فیصلے ان کی رائے کے مطابق ہی ہوتے تھے۔ نہرو، ابوالکلام آزاد کی ہر بات مانتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے سعید احمد اکبر آبادی اور پنڈت سندر لال کے حوالے بھی

دیے۔ انھوں نے کہا: ''جواہر لال، مولانا ابوالکلام کے محتاج رہتے تھے۔'' انھیں یہ بھی یاد تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اگرچہ قیام پاکستان کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھے، لیکن ان کی رائے یہ تھی کہ مسلم لیگ کو تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال پر راضی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ انھوں نے کہا کہ مولانا آزاد چاہتے تھے کہ مسلم لیگ پورے بنگال، پورے پنجاب اور پورے آسام کے مطالبے سے دستبردار نہ ہو، لیکن مسلم لیگ نے اس مطالبے پر زور نہیں دیا، نتیجے کے طور پر پنجاب اور بنگال تقسیم ہو گئے اور بدترین فسادات انھی دو صوبوں میں ہوئے۔

محمد اسحاق بھٹی نے اپنی یادداشتیں بیان کرتے ہوئے اپنی جو رائے قائم کی، اس میں قطعاً اس بات پر اصرار نہیں کیا کہ ان کی رائے کو سو فی صد درست سمجھا جائے۔ انھوں نے حاضرین سے کہا کہ وہ اپنی رائے بیان کرتے ہیں، لیکن دوسروں کو بھی اپنی رائے قائم کرنے اور اسے بیان کرنے کا کلی حق حاصل ہے۔ ان کا خیال تھا کہ علمائے کرام کو اپنے مخالفین کے ساتھ اپنے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے فریق مخالف کے مقام و مرتبے کا لحاظ رکھنا چاہیے اور اختلاف کرتے ہوئے کسی کے احترام میں کمی نہیں آنی چاہیے۔ انھوں نے جہاں کہیں بھی کسی عالم سے اختلاف کا اظہار کیا اس کی عزت و احترام کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا۔

اپنی گفتگو میں انھوں نے تحریک آزادی کے رہنماؤں کی شخصیتوں کے درمیان تقابل و موازنے سے گریز کیا، تاہم ایک سوال کے جواب میں انھوں نے تفصیل سے بتایا کہ قائداعظم نے بیک وقت بڑی بڑی جماعتوں اور بڑے بڑے رہنماؤں کو سیاسی میدان میں شکست دی، حالانکہ یہ لوگ بڑے قد آور تھے اور بلا کے عوامی مقرر تھے... ''انھوں نے بیک وقت پوری کانگریس، پوری جمعیت علمائے ہند اور پوری مجلس احرار اسلام کو شکست دی۔'' کانگریس کے قائدین تو قد آور تھے ہی، لیکن مولانا حسین احمد مدنی استاد الاساتذہ تھے۔ مفتی کفایت اللہ، حفظ الرحمن سیوہاروی جیسے علماء اور ان کے ہزاروں شاگردوں کو بھی قائداعظم نے شکست سے دوچار کیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین، حبیب الرحمن لدھیانوی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا محمد علی جالندھری جیسے آتش بیان مقرروں کی شعلہ بار تقریروں کے مقابلے میں قائداعظم کوئی عوامی مقرر نہیں تھے، نہ لوگ ان

کی زبان سمجھتے تھے، وہ انگریزی میں بات کرتے تھے، جس کی عوام کو سمجھ نہیں آتی تھی، لیکن اس کے باوجود انھوں نے قائداعظم کے پیغام کو سمجھا اور قبول کیا۔ ان کے مقابلے میں ابوالکلام آزاد ہار گئے، نہرو ہار گئے، گاندھی ہار گئے، پٹیل ہار گئے، مولانا حسین احمد مدنی ہار گئے، سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہار گئے.... ''ان سب لوگوں کو اکیلے قائداعظم نے ہرایا''.... مسلم لیگ کے پاس کوئی دوسری ایسی شخصیت نہیں تھی جو ان جماعتوں اور ان رہنماؤں کو ہرانے کا دعویٰ کر سکے۔ چودھری خلیق الزمان، لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر جیسے رہنما بھی یہ دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ انھوں نے لیاقت علی خان کے مشہور مکے کا ذکر کرتے ہوئے ''موجودہ بادشاہ'' کے مکے کا بھی ذکر کر کے محفل کو کشت زعفران زار بنا دیا۔

محمد اسحاق بھٹی نے جن رہنماؤں کے ساتھ کام کیا، ان کا ذکر بڑی محبت سے کیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی کے بارے میں یہ خوش گوار انکشاف بھی کیا کہ وہ اتنی اچھی اردو بولتے تھے کہ مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں ان کا درس سننے اور ان کی اردو سے لطف اندوز ہونے کے لیے مولانا ظفر علی خان بھی آیا کرتے تھے۔ اردو کا ذکر چلا تو انھوں نے آصف علی کا مولانا آزاد کے بارے میں یہ فقرہ دہرایا: ''ہاں وہ اچھی اردو لکھ لیتے ہیں۔'' یاد رہے کہ یہ وہی ابوالکلام ہیں جن کے بارے میں بھارت کے سابق صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا تھا کہ اردو زبان ہمیشہ اس بات پر فخر کرتی رہے گی کہ وہ ابوالکلام کی زبان سے بولی اور ان کے قلم سے لکھی گئی۔ گیانی ذیل سنگھ، جو بعد میں بھارت کے صدر بنے، کے بارے میں بڑی دلچسپ باتیں بتائیں۔ ان کا کہنا تھا کہ گیانی ذیل سنگھ بہت ہی غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے غریب کہ مجھ سے بھی زیادہ۔''.... اسحاق بھٹی صاحب کو یہ تسلیم کرنے اور بتانے میں کوئی عار نہیں محسوس ہوتی، بلکہ ایک گونہ راحت ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، بلکہ پس منظر بھی خالصتاً دیہاتی تھا۔ وہ جماعت اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں شریک تھے۔ انھیں یاد ہے کہ کس طرح اس اجلاس میں جماعت اسلامی قائم ہوئی، جس میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منظور نعمانی جیسی شخصیتیں بھی شامل ہوئیں، جنھوں نے اس موقع پر تجدید ایمان کی اور

باقاعدہ کلمہ طیبہ پڑھا۔

میاں طفیل محمد اس زمانے میں وکالت کرتے تھے، پتلون کوٹ پہنتے اور ٹائی لگاتے تھے۔ محمد اسحاق بھٹی کو یہ بھی یاد ہے کہ مولانا مودودی اس زمانے میں ایک وجیہ شکل اور خوب صورت نوجوان تھے۔ چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔ نفیس لباس پہنتے تھے، میرے ذہن میں، اپنے دیہاتی پس منظر کی وجہ سے، عالم دین کا تصور اس سے مختلف تھا۔ میں نے دیکھا بڑی بڑی داڑھیوں والے علمائے دین ان کے سامنے ہمہ تن گوش بیٹھے تھے۔" پھر انھوں نے قیام پاکستان کے بعد کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن وہ مولانا مودودی کی عصر کے وقت منعقد ہونے والی مجلس میں چلے گئے۔ مولانا محمد حنیف ندوی اور ملک نصر اللہ خان عزیز ان کے ہمراہ تھے۔ ایک صاحب پہلے سے وہاں موجود تھے، جنھیں مولانا نے اشارے سے چلے جانے کو کہا۔ اس کے بعد مولانا نے اپنے ملاقاتیوں کو بتایا کہ صبح ان کے سامنے دودھ والے کے حوالے سے ایک ایسا لطیفہ سرزد ہوا ہے، جسے سنانے کے لیے مجھے کوئی "مناسب لوگ" نہیں مل رہے تھے، لیکن اب آپ لوگوں کو یہ لطیفہ سنایا جا سکتا ہے۔ پھر مولانا نے جو لطیفہ سنایا، اس کے سنانے میں اسحاق بھٹی بھی شرما گئے اور ساتھ ہی کہا کہ مولانا شگفتہ مزاج شخصیت تھے۔ یبوست کی لکیریں ان کے چہرے پر نہیں تھیں۔ پھر انھوں نے حاضرین کے اصرار پر لطیفہ سنا دیا جو لکھنے سے زیادہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

اسحاق بھٹی کی شخصیت کا خاصا یہ ہے کہ قدرت نے انھیں ہر قسم کا علم فیاضی سے عنایت کیا ہے۔ وہ اظہار کا ایک خاص ملکہ رکھتے ہیں۔ وہ گفتگو کرتے ہوئے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ وہ اردو خوب صورت لکھتے ہیں، لیکن اردو بولتے ہوئے جگہ جگہ پنجابی کا تڑکا لگاتے جاتے ہیں۔ لہجہ بھی خالص پنجابی ہے۔ مگر اس تڑکے اور اس لہجے کا اپنا لطف و سرور ہے۔ ان کی مجلس میں احساس ہوتا ہے: "وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔" ہندوستان اور پاکستان کے چوٹی کے رہنماؤں کے بارے میں انھوں نے جو تاثرات قائم کیے ہیں، وہ بھی خالصتاً ان کے اپنے ہیں، جس کا اظہار ان کی تحریروں اور گفتگوؤں میں یکساں ہوتا ہے۔ شخصی خاکوں کے بارے میں ان کا انداز ظریفانہ نہیں، بلکہ عالمانہ ہے۔ اس مجلس میں انھوں نے جن رہنماؤں کا تذکرہ کیا، چھوٹے چھوٹے جملوں میں ان پر مختصر تبصرہ بھی کیا۔ مثلاً

مولانا محمد علی جالندھری کے بارے میں کہا: ''وہ پنجابی میں تقریر کرتے تھے، آغاز میں تقریر اچھا تاثر نہیں چھوڑتی تھی، جی چاہتا تھا کہ جلسے سے بھاگ چلیں، مگر آہستہ آہستہ وہ سماں باندھ دیتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بارے میں کہا: لوگ انھیں سننے کے لیے جلسوں میں کھانا اور پانی بھی ساتھ لاتے تھے۔ وہ کئی کئی گھنٹے بلا تکان بولتے تھے۔''

محمد اسحاق بھٹی کی گفتگو اتنی دلنشیں اور شیریں تھی کہ اختتام پر سننے والوں نے کہا:

''یہ حکایت لذیذ اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے سننے کے لیے بھٹی صاحب کے ساتھ مزید کئی نشستیں رکھی جائیں۔ لیکن خود بھٹی صاحب انکسار اور کسر نفسی کا مجسمہ ہیں۔ علمائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے ایک موقع پر کہا: ''آپ چاہیں تو مجھے بھی ان میں شمار کر لیں۔''

محترم ہارون الرشید کا کالم

جناب ہارون الرشید صاحب پاکستان کی صحافت کے مشہور رکن ہیں۔ آج کل روز نامہ ''جنگ'' سے وابستہ ہیں۔ 2006ء میں ان کا تعلق روز نامہ ''نوائے وقت'' سے تھا۔ اسی زمانے میں بھٹی صاحب کی کتاب صوفی محمد عبداللہ مرحوم ومغفور کے حالات میں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

اس کتاب پر ہارون الرشید نے 24 نومبر 2006 کے نوائے وقت میں اپنے مخصوص انداز میں کالم لکھا۔ صوفی صاحب دار العلوم تعلیم الاسلام اوڈاں والا اور جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے بانی تھے۔ جوانی کے ابتدائی دور میں جماعت مجاہدین میں شمولیت اختیار کی اور برصغیر کی انگریزی حکومت کے ساتھ سرگرم جہاد ہوئے۔ مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ جناب ہارون الرشید اور ان کے خاندان کے اکثر معزز ارکان صوفی صاحب مرحوم کے حلقہ ارادت و عقیدت میں شامل ہیں۔ ذیل میں ہارون الرشید کا کالم پڑھیے اور ان کے اسلوب کالم نگاری کو سامنے رکھ کر پڑھیے۔ (مرتب)

ہر لکھنے والا مصنف نہیں ہوتا اور ہر کتاب، کتاب نہیں ہوتی۔ کتاب وہ ہوتی ہے جو قلوب پہ طلوع ہو اور باطن میں ایک برق دوڑا دے۔

کتاب ایک واقعہ نہیں ہوتی۔ ایک عادت، قرینہ، اسلوب اور طرز حیات ہوتی ہے۔ آدمی یہ روگ پالتا ہے تو دل کے دشت میں ایک نخلستان آباد کرتا ہے۔ پھر جب بھی ٹھیس لگے، جب بھی خلوت کی تمنا ہو اور جب بھی جشن منانے کو جی چاہے، وہ اس نخلستان میں پناہ لیتا ہے۔ ہزار طرح کہ یہاں گل بوٹے ہیں، پھولوں اور پھلوں سے لدے شجر ہیں، سر شام اور سحر دم درختوں اور ان کے درمیان بہتے چشموں کے اوپر بشاشت بھرا نیلا آسمان ہے اور راتوں کو آسمان پر ستاروں کی قندیلیں دمکتی ہیں۔

آدمی کتاب پڑھتا ہے، بشرطیکہ واقعی کتاب ہو، ایک سچے دل سے پھوٹی ہو تو وہ ماضی اور مستقبل کے سنگم پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ پھر گزرے ہوئے وقتوں کے دھندلے نقوش اس پر اجاگر ہونے لگتے ہیں، حتیٰ کہ وہ بیتی ہوئی صدیوں کے پراسرار کرداروں سے سوال

کرتا اور انھیں خوش دلی سے جواب دیتے ہوئے سن سکتا ہے۔ گویا وہ سب کاروانوں کی گرد میں زندہ ہے اور تاریخ کی لوح پر دائم رہنے والے نقوش اور ان اہل عزم کا ہم نفس، جن کا لکھا، کبھی مٹ نہیں سکتا۔

کتاب ایک واقعہ نہیں، مزاج اور طرز زندگی ہوتی ہے، لیکن کبھی وہ ایک چونکا دینے والا حادثہ بن جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک حادثہ اس قاری پہ بیت گیا ہے۔ اپنی خوبیوں، خامیوں اور کمالات کے ساتھ یہ جناب اسحاق بھٹی کی تحریر ہے۔ اپنے اسلوب میں وہ ایک دیہاتی داستان گو ہیں، قصہ چھیڑتے ہیں تو رفتہ رفتہ، بہت ہی سہج، کہانی کو پھیلا دیتے ہیں۔ پھر جب آپ سیکڑوں مناظر کے ایک منظر کی وسعت میں حیران ہوتے ہیں تو وہ منظر اور اس میں پھیلے کرداروں کو سمیٹنے اور مجتمع کرنے لگتے ہیں، حتیٰ کہ آپ چہروں کو پہچان لیتے اور کہانی کے کرداروں سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ لاہور کی گلیوں میں پیدل چلتے اور کہانی کہتے، جناب اسحاق بھٹی کو ساٹھ برس ہونے کو آئے۔ اس داستان آرائی میں ہمیشہ برقرار رہنے والا دلکشی کا بھید یہ ہے کہ افسانہ ساز، ہمیشہ سچی کہانی کہتا ہے، آدم زاد ہی نہیں، داستان کے درخت، پھول، پودے حتیٰ کہ ان پیڑوں کے پتے اور جڑیں بھی سچی ہوتی ہیں۔ گھاٹ گھاٹ کا انھوں نے پانی پیا ہے اور نگر نگر گھومے ہیں۔ ہوائی جہازوں میں نہیں جو اڑتا ہوا جیل خانہ ہوتا ہے اور جس کے مسافر اپنا بھید نہیں کھولتے۔ ریل گاڑیوں، تانگوں میں دوسروں کی سنتے اور اپنی سناتے ہیں۔

رات کا دوسرا پہر تھا، میں نے آتش دان روشن کیا اور پہلا ورق پڑھا، مسجد قبا کے میناروں سے مؤذن کی دلکش آواز ابھری تو خبر ہوئی کہ شب بیت چکی اور کچھ دیر میں صبح کاذب کے بطن سے صبح صادق کا نور پھوٹ بہے گا۔

یہ کتاب ایک پوری زندگی ہے... ایک ایسے آدمی کی زندگی، جس نے تمام فیصلے خود صادر کیے اور کوئی قہرمان تو کیا کارکنان قضاوقدر بھی جس کا راستہ کبھی نہ روک سکے۔ جو عمر بھر قادر مطلق کے سامنے سربسجود رہا لیکن اپنے گردوپیش پھیلی، چیختی چلاتی زندگی کو کبھی اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ابھی جوانی کے سحر انگیز ایام اس پر طلوع نہ ہوئے تھے کہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ اس نے صادر کر دیا اور پھر نصف صدی تک اس فیصلے پر ڈٹا رہا۔

ایک مصور، جس نے خونِ جگر سے ایک تصویر بنائی اور نغمہ گر، جس نے سب سُروں کو ملا کر ایک سر بنا دیا۔ ایک سہانا سپنا جو پچپن برس کی ریاضت میں اپنی جزئیات تک پورا ہوا حتیٰ کہ جدائی کی ساعت آ پہنچی۔ پھر یہ آدمی، یہ صوفی اس طرح مٹی کو سونپا گیا کہ لاکھوں انسان اس کی پاک باز، بے ریا، سچی اور یک سو زندگی پر شہادت دے رہے تھے۔ یہ ریشمی رومال تحریک کے منفرد کردار صوفی محمد عبداللہ کی داستانِ حیات ہے۔ ایک مبارک اور کھری زندگی جو مبارک لوگوں کے درمیان ایک بلند اور بابرکت مقصد کے لیے بتائی گئی تا آں کہ ایک مثال بن گئی اور ہمیشہ ایک مثال رہے گی۔

یہ ایک اور طرح کا کردار ہے — جیسے پشاور کے قلعہ بالا حصار، لاہور کی مال روڈ، کراچی کی شاہراہ فیصل، کوئٹہ کے جناح بازار، اسلام آباد کے بلیو ایریا میں کوئی بانکا شہسوار اچانک نمودار ہو۔ روتی، بسورتی، شکوہ سنج زندگی، لیزر کی گاڑیوں اور سیاسی لیڈروں کے دھواں چھوڑتے بیانات، چیختی چلاتی دیو ہیکل بسوں، پٹواریوں، تھانیداروں اور ان سے ملتی جلتی شکلوں والے دانشوروں، قانون دانوں اور حاکموں کے درمیان دریوزہ گر شاعروں اور ادیبوں کے مجمعوں کے درمیان، وہ بانکا سوار، بے نیاز گزر جائے اور در و دیوار پہ بھی نگاہ نہ کرے۔ اجلے پیرہنوں والے فکری بھکاریوں اور تہذیبی نقالوں پر جو مفکر، رہنما اور لیڈر کہلاتے ہیں، سرسبز کھیتوں میں بہتے پانیوں سے گزر کر کچے مکانوں کی کسی بستی میں جا اترے، کوئی دعویٰ اور اعلان کیے بغیر، کسی مطالبے، دکھاوے اور توقع کے بغیر، ساری سچی زندگی ان کے گرد آلود راستوں پہ گزار دے۔ پھر جب وہ دھرتی کو سونپا جائے تو خلق حیرت سے پوچھتی پھرے کہ جس نے کبھی کچھ نہ مانگا تھا، کبھی کچھ جمع نہ کیا تھا، وہ اتنے بے شمار لوگوں کو، اس قدر اتنا بے حساب کس طرح عطا کر سکا۔

"صوفی محمد عبداللہ" --- یہ ایک گم نام زندگی کی کہانی ہے، جس نے کبھی شہرت کی آرزو نہ کی لیکن زندگی ہی میں وہ ایک پر اسرار لوک کہانی بن گیا۔ ہر شخص نے جسے صوفی سے واسطہ پڑا، اپنے آپ سے کچھ سوال ضرور کیے۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آدمی کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے، اتنے اداروں اور اتنے آدمیوں کا بوجھ اٹھانے کے باوجود وہ اتنا سبک اور شاداں کیسے ہے۔ ہمیشہ اس قدر نیک نام اور ہمیشہ اتنا یک سو کیوں کر۔ اس زندگی کی کچھ

جھلکیاں دکھائی جاسکتی ہیں مگر شاید بدذوقی ہو۔ یہ کہانی ورق ورق پڑھنے اور واقعہ واقعہ غور کرنے کی ہے۔ پھر پھولوں کے ڈھیر میں اس دھاگے کو تلاش کرنے کی، زمستانوں کے اس درویش ٹالسٹائی نے، جس کے بارے میں یہ کہا تھا کہ ہار اسی سے بنتا ہے، پھولوں سے نہیں۔

یہ کتاب ادیبوں، شاعروں، سیاسی کارکنوں، مولویوں اور دانشوروں کے لیے نہیں ہے، فروغ نفس کے آرزومند ریاکاروں کے لیے ہرگز نہیں جو جھوٹ پڑھتے اور ریا لکھتے ہیں۔ یہ ان نوجوانوں کی کتاب ہے، جو زندگی کے بیکراں سٹیج پر پہلا قدم رکھنے، منزل کی تلاش اور تمنا میں بے تاب اور آرزومند ہیں۔ جو پورا سچ معلوم کرنے کے خواہاں ہیں۔ جو جاننا چاہتے ہیں کہ کس طرح ساری زنجیریں ایک ساتھ ٹوٹ گرتی ہیں اور آدمی اتنا بلند کیسے ہوسکتا ہے کہ چاند، ستارے اور آسمانوں کو زمین کی خبر دیتے فرشتے اس پہ رشک کریں۔ جو طالب علم قرآن کی ان آیات کے مفہوم، اپنے قلوب پہ طلوع کرنے کے آرزومند ہیں کہ ''ادخلوا فی السلم کافۃ'' اور یہ کہ اللہ کے دوست وہ ہیں جن پر خوف اترتا ہے اور نہ وہ اپنے باطنوں میں غم گھولتے ہیں'' یہ کتاب ان کی ہے۔

ہر کتاب، کتاب نہیں ہوتی اور ہر لکھنے والا مصنف و محقق اور صاحب دانش نہیں ہوتا۔ ''صوفی محمد عبداللہ: حالات، خدمات، آثار'' ایک کتاب ہے اور جناب محمد اسحاق بھٹی ایک مصنف۔ مصنف وہ آدمی ہوتا ہے جو سرابوں سے گزرتا ہے اور پھر چشمہ حیوان پر جا پہنچتا ہے، تھکا ہارا، آبلہ پا، درماندہ اور اکیلا، لیکن جب وہ اپنا سبو لبریز کرتا ہے تو زمین و آسمان اسے حیرت اور مرعوبیت سے دیکھتے ہیں — تلاش حق، اس پر سچا فیصلہ اور اس سچے فیصلے کی نذر ایک پوری زندگی — بس اتنی سی کہانی ہے۔ روز ازل خداوند نے فرشتوں سے کہا تھا: میں جانتا ہوں اور تم جانتے نہیں ہو۔ وزیرآباد کے محمد عبداللہ نے یہ بھید جان لیا تھا اور محمد اسحاق بھٹی نے، جنھیں معلوم نہیں، مولانا کیوں کہتے ہیں، اس بھید کے نشیب و فراز کی کہانی لکھ دی ہے۔ اس مٹی کی کہانی جو چاندنی میں آخر شب کی دعاؤں میں پاکیزہ چشموں کے پانی سے گوندھی گئی۔ اس چاند کی داستان جس نے ہزاروں دلوں میں جلوہ کیا لیکن متشکل صرف ہمارا قلم کار کرسکا۔ آسمان ایسی ہستی روز نہیں بھیجتا اور ایسی داستان آئے دن نہیں لکھی جاتی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کی تذکرہ نگاری

ہم عصر تذکرہ نگاروں کے پس منظر میں

مولانا عبدالمعید عبدالجلیل (علی گڑھ، ہند)

مولانا عبدالمعید عبدالجلیل کا تعلق علی گڑھ (ہندوستان) سے ہے۔ ان کے مضامین ومقالات ہندوستان کے رسائل وجرائد بالخصوص اخبار ''ترجمان'' (دہلی) میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے ان کے وسعت مطالعہ کا پتا چلتا ہے۔ زیر مطالعہ مضمون بتاتا ہے کہ وہ بھٹی صاحب کی تحریروں اور ان کے انداز نگارش سے بہت متاثر ہیں اور یہ طویل مضمون اسی تاثر کا نتیجہ ہے جو یکم دسمبر 2006ء کے ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں چھپا۔ یہ مضمون دہلی کے اخبار ''ترجمان'' میں بھی چھپ چکا ہے، ملاحظہ فرمایئے: (مرتب)

مولانا محمد اسحاق بھٹی کی تحریروں سے زمانے سے شناسائی ہے۔ فقہائے ہند و پاک کے سلسلے کو بھی دیکھنے کا موقع ملا، دائرۂ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) اور تاریخ ادبیات ہندو پاک میں بھی ان کی تحریروں کو پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ الاعتصام کی پرانی فائلیں جو جامعہ سلفیہ (بنارس) میں طلبا کی انجمن کی لائبریری اور جامعہ رحمانیہ (بنارس) میں ملیں ان کی بھی ورق گردانی کی اور جب تذکرہ وتراجم پر ان کا سلسلہ اشاعت پذیر ہونا شروع ہوا اور اس کی خبر لگی تو بڑے شوق نے اسے ادھر ادھر سے لے کر اور اس کوچۂ عشق میں رسوا ہو کر پڑھا اور کسی نہ کسی طرح پاکستان سے مہنگے داموں نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں اور کاروان سلف کو حاصل کیا اور دوسرے سارے کاموں کو معطل کر کے پورے انہماک سے انھیں پڑھا اور ان کی اہمیت کے تقاضوں کو پورا کر کے پڑھا۔ کہیں رویا، کہیں مسکرایا، کہیں قہقہہ لگایا، کہیں عش عش کیا، کبھی جرعہ جرعہ ان سے قلب وذہن کو سیراب کرنے کی کوشش کی۔ کبھی حیرتوں اور حسرتوں میں غوطہ زن ہوا۔ گاہے بلند قامت علماء کے علم و تقویٰ کا تمنائی بنا۔ بارے اپنی ناکامیوں اور تہی دستیوں پر ماتم کیا۔ اخیر میں قافلہ حدیث سے مستفید ہوا اور توقع ہے اس سلسلے کی دوسری کڑیاں بھی جلد ضیا بار ہوں گی۔

کتابوں کا مطالعہ دنیا کا سب سے زیادہ دلچسپ، اہم اور مفید عمل ہے۔ لیکن نہ ہر

کتاب پڑھنے کی ہوتی ہے نہ ہر کتاب مفید ہوتی ہے۔ اور ہر مفید کتاب بھی ایسی نہیں ہوتی کہ قاری اس کے ساتھ یارانہ نباہتا جائے اور ذوق وشوق کا قافلہ حرف وحکایت کا ساتھ دے لے جائے۔

تذکرہ وتراجم اور سوانح عمری کی کتابیں مطالعے کے لیے سب سے زیادہ دلچسپ اور آسان ہوتی ہیں۔ ان کا موضوع انسان ہوتا ہے۔ تجریائی یا مومیائی انسان نہیں، زندہ انسان۔ زندہ انسان سے مراد یہ ہے کہ ان میں قافلہ حیات موضوع بحث ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی کی تفصیلات، علم وفضل، تقویٰ وطہارت، دینی وعلمی کاوشیں اور جدوجہد، انسان کے ذوق ورجحانات، ترجیحات، عقائد واعمال سب کچھ اس میں آ جاتے ہیں۔

ان کے مطالعے میں دلچسپی کا سامان بایں طور ہے کہ انسان، انسان ہے۔ حدود وجہات انسانی حدود حیات ہوتے ہیں اور ان سے انسان اپنے بناؤ بگاڑ اور رجحانات کے تغیر میں اثرات قبول کرتا ہے۔ زندگی گزارتا ہے اور اللہ کی عطا کردہ لمحات حیات کو صحیح ڈھنگ سے برت لے جانا انسان زندگی کا سب سے اہم فن ہے۔ عظام عصر اپنی اس دانش مندی اور اپنے دینی وعلمی خصائص وامتیازات کے سبب عام لوگوں کے لیے دلچسپ موضوع بن جاتے ہیں۔

مسلمان شہداء اللہ فی الارض ہوتے ہیں۔ ان کی شہادت عملی، علمی، اخباری اور تعلیمی ہر طرح ہوتی ہے۔ تذکرہ رجال کی اہمیت اس سبب سے ہے اور اسی بنیاد پر اس فن کو محدثین نے پروان چڑھایا اور محفوظ کیا اور جب رجال کی علمی وعملی اخباری اور تعلیمی شہادت تدوین حدیث کے تعلق سے مکمل ہوگئی تو اس فن نے نیا موڑ لیا اور بلند مرتبت لوگوں اور علوم وفنون کے ماہرین کے تذاکر مدون ہونے لگے۔ مقصد یہی تھا کہ تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانے میں اس فن سے مدد ملے اور اسلامی تہذیب وثقافت کی اصالت اور دینی استناد کا تسلسل قائم رہے اور تاریخ، انسانی جدوجہد کا ایک شفاف آئینہ بنی رہے تاکہ فرد اور اسلامی معاشرہ برابر صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

انھیں جعل سازیوں، مبالغہ آرائیوں اور قصص واوہام کے دھندلکے وراثت میں نہ ملیں۔ لیکن برا ہو فرقہ پرستی کا جس نے محدثین کے سلسلۂ ذہبیہ کو تباہ کر دیا اور علم وثقافت،

فکروفن کے لیے جماعت محدثین نے صحابہ وتابعین کے جس مستند منہج کو پروان چڑھایا اور اصالت واستناد کی جو اساس رکھی ان سب کو تنگ نظری اور تعصب نے برباد کر دیا۔ علوم وفنون کے ہر شعبے میں جو معیار محدثین نے متعین کیا، اسے نظر انداز کر دیا گیا۔

تذکرہ نویسی مولانا محمد اسحاق بھٹی کا موضوع رہا ہے اور انھوں نے تذکرہ نویسی پر عمر صرف کی ہے اور زندگی بھر اس موضوع پر کام کرتے رہے ہیں۔ کبھی لکھنے کے لیے مواد جمع کیا، کبھی اخبارات میں لے کر گئے۔ کبھی ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پہنچے، کبھی مجلات وجرائد میں کسی شخص پر لکھا۔ اس موضوع پر چلتے پھرتے وہ مواد حاصل کرتے رہے اور اس کا استحضار انھیں ایسا رہا کہ جب چاہا حافظے کو پکارا یا تحریری ریکارڈ کو ٹٹولا اور اسے علمی دستر خوان پر سجا کر رکھ دیا۔ اس سلسلے میں انھیں ہمیشہ ازحد انہماک رہا۔

بھٹی صاحب کے تراجم میں قاری کو بے شمار خوبیاں ملیں گی۔ ان میں خاکہ نگاری کی چاشنی بھی ہے اور تذکرہ نگاری کا فن بھی ہے۔ اور دونوں کو ایک ساتھ نبھا لے جانے کے لیے جس فنی اور علمی مہارت کی ضرورت ہے وہ اللہ نے ان کو عطا فرما دی ہے۔ خاکہ نگار تذکرہ نویسی نہیں کر پاتے اور تذکرہ نویس خاکہ نگاری نہیں کر پاتے۔ خاکہ نویس شخصیت کی شبیہ اپنے قلم سے بناتا ہے اور تذکرہ نویس رجال وشخصیات کے کارناموں اور ان کے واقعات حیات کو تکمیل کرتا ہے۔ رشید احمد صدیقی کا قلم خاکہ نگاری میں سب سے زیادہ طاق تھا۔ ''ہم نفسان رفتہ'' ان کے قلم کا شاہکار ہے۔ بات سے بات نکالنے اور کسی شخص کی بہترین و پرکشش شبیہ تیار کر دینے میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ خاکہ نگاری ایک اختلاقی کام ہے، جس کا تعلق شخصیات اور اعاظم رجال سے ہوتا ہے۔ خاکے کی تحریروں کو انسان پڑھ لے، انسپائریشن حاصل کر لے۔ قلم کے جمالیاتی کمال سے احساسات انسانی میں شفافیت پیدا ہو جائے یا پھر اس سے انسان کے اندر نشاط تازہ کا ایک جھونکا آ جائے جو لمحوں میں انسانی فکر وشعور کو بلندی تک اٹھا دے یا اس کے اندر موجود پژمردگی یا بے حسی کو احساس وشعور میں بدل دے۔ بس خاکہ نگاری کا عمل یہیں ختم ہو جاتا ہے، بشرطیکہ خاکہ نگار فنی وفکری بلوغت رکھتا ہو۔

تذکرہ نگاری میں اگر تخلیق واختلاق کا عمل جاری ہوا تو وہ تذکرہ نگاری نہیں رہے

گی، بلکہ یہ سلسلہ اساطیری راہ پر لگ جائے گا اور اس پر افسانہ طرازی کا الزام عائد ہوگا جو تذکرہ نگاری کی بالکل ضد ہے۔ تذکرہ نگاری کا تعلق تاریخ سے ہونے کے سبب ضروری ہوتا ہے کہ تذکرہ نگار کسی آمیزش یا مبالغہ کے بغیر حقائق و واقعات کو اسی طرح ضبط تحریر میں لائے جس طرح کہ وہ وجود میں آئے اور جیسا کہ وہ ہیں۔ رنگ آمیزی، ملاوٹ مبالغہ آرائی، اساطیریت اور افسانہ طرازی سے تذکرہ نگاری کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ تذکرہ نگار اس طرح شخصی واقعات و حقائق کو منضبط کرے کہ وہ مستند بھی ہیں اور فریضہ شہادت کی ادائیگی کے آئینہ دار بھی اور تاریخی ریکارڈ بھی بن جائیں۔ علم و ثقافت کا سرمایہ بن جائیں اور انسان کو ممیز کرنے کا ذریعہ بھی ہوں۔ یہی تذکرہ نگاری کا جوہر اور کمال ہے۔ جو تذکرہ نگار واقعات کے انبار سے اس جوہر کو کشید کرے، وہی کامیاب تذکرہ نگار ہے اور اگر تذکرہ نگار اپنی تذکرہ نگاری میں استنادی خطوط پر نہیں چل پاتا یا اس دھرتی کے انسان کو دنیا کی مخلوق دکھلانے کی بجائے آسمان کی مخلوق دکھلا رہا ہے اور شخصی واقعات کو سماجی بنانے کے بجائے ان میں افسانہ طرازی کرتا ہے تو وہ تذکرہ نگاری پر ظلم کرتا ہے، وہ تذکرے کو اساطیری بنا رہا ہے۔ اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تذکرہ مرتب کرے بلکہ وہ کل انسانی جدوجہد کے ساتھ ظلم کرتا ہے اور اپنے آلودہ قلم سے فکری آلودگی اور آوارگی پھیلاتا ہے۔

اسی طرح اگر تذکرہ نگار کی فنی و فکری سطح بالکل پست ہے، اس کے احساسات پژمردگی کا شکار ہیں، اس کا قلم اتنا بودا ہے کہ تذکرہ نگاری کا جوہر کشید نہیں کر سکتا تو وہ بھی اس کا اہل نہیں کہ تذکرہ نگاری کے لیے قلم اٹھائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہر فکر و فن کے تقاضے ہوتے ہیں۔ اگر ان کو پورا کرنے کی ہمت نہیں یا ان کے لیے جگر کاوی نہیں ہو سکتی تو ان کا رنگ نکھر نہیں سکتا۔ لیکن انسان ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کماحقہ محنت کرے، خون دل جلائے تو ان کا رخ سنوار سکتا ہے اور ان کو نکھار سکتا ہے۔

محمد اسحاق بھٹی کو اپنے موضوع کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جگر کاوی آتی ہے۔ انھوں نے اپنی تذکرہ نگاری کی فکری و فنی صلاحیتوں کو پوری طرح نکھارا ہے اور برس ہا برس سے انھوں نے اسے اپنے فکر و عمل کا محور بنایا ہے اور قلم کے اندر جولانی لانے کے لیے

انھوں نے دماغ سوزی بھی کی ہے اور دل سوزی بھی۔ قلم میں توانائی اور جولانی اس وقت آتی جب دل سوزی اور دماغ سوزی دونوں شامل ہوں۔ اگر ان میں سے ایک عنصر ہاتھ سے گیا تو تحریر میں نظافت، اثر اور توانائی نہیں آسکتی۔

تذکرہ نگاری کا مقصد اس کے آداب و تقاضے اور اس کی تاریخی افادیت اور اس کے دینی تقاضے بھی بھٹی صاحب کے پیش نظر ہیں۔ ان کا عقیدہ اور ان کا اسلوب اس سلسلے میں ان کا بھرپور معاون ہے اور جس علمی ماحول میں وہ رہے اور جن عظام عصر کی عنایتوں اور شفقتوں، حوصلہ افزائیوں اور خیر اندیشیوں سے فیض یاب ہوئے ان کا بھی ان پر بے حد اثر ہے جو ان کی تحریروں میں جلوہ فگن ہو رہا ہے۔ بھٹی صاحب کا سلسلہ تحریر ان کا خرمن حیات ہے۔ انھوں نے اس کو دانہ دانہ گوشے گوشے سے چنا ہے۔ سعدی کا یہ شعر ان ہی کے لیے ہے:

تمتع زہر گوشۂ یافتم زہر گوشۂ توشۂ یافتم

برصغیر کا یہ المیہ ہے کہ اور خاص کر ہماری جماعت کا، یہاں کبھی اجتماعی کام راس نہیں آیا۔ والا جاہ سید السادات نواب صدیق حسن خان صاحب سے لے کر اب تک جتنے بھی علمی کام ہوئے، سب انفرادی کوششوں کے مرہون منت ہیں۔ بڑھاپے میں اعصاب جواب دینے لگتے ہیں، جسمانی قویٰ مختل ہو جاتے ہیں، ہوش و حواس میں کمی آجاتی ہے، انسان نسیان کا شکار ہو جاتا ہے۔

ان الثمانین و قد بلغتها
قد اخرجت سمعی الی ترجمان

لیکن بھٹی صاحب پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم احسان ہے اور اس کا بے پناہ کرم ہے کہ ثمانین کی سرحد میں داخل ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں اتنا حوصلہ عطا ہوا اور اتنی توانائی ملی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ انھیں بارگاہ الٰہی سے اتنی توفیق حاصل ہوئی کہ برصغیر کی پوری جماعت کے رجال اور دعوت و جہاد کو ریکارڈ کر کے جماعت کے وجود اور اس کی جڑیں مضبوط کر رہے ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ خود اپنی جماعت کی جڑیں کھودنے میں لگے ہیں اور دوسرے اپنی خود غرضانہ اور فریب آمیز تحریروں سے بلاوجہ ملت کے پشتیبان اور بلا

شرکت غیرے قائد بن رہے ہیں۔ محمد اسحاق بھٹی کی تحریریں اور علمی کاوشیں اس عمر میں ماشاء اللہ اور زیادہ تاب ناک اور نکھر گئی ہیں اور سلسلۂ تصنیف میں اللہ کے فضل سے مزید تیزی آ گئی ہے۔

رجال وسیر، تذاکر اور تاریخ سے شرائع، انسانی وجود، مرتبہ و مقام اور حیثیت طے ہو جاتی ہے۔ اگر نااہل اپنی غفلتوں اور بے شعوریوں سے اپنی نفی کرتے ہیں تو آہستہ آہستہ ان کا وجود ہی کالعدم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جن کا اپنے وقت میں قیادتی دور رہا ان کے وجود کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ جماعت اہل حدیث کے افراد اور عظام نے جس طرح برصغیر کی ملت اسلامیہ کی ہمہ جہتی خدمت کی ہے آج تک اس کا باوزن، بھرپور اور مؤثر ریکارڈ نہیں آ پایا۔ بات یہ ہے کہ جب اجتماعیت اور شعوریت کی قلت ہو تو ایسے ہی اساس ہائے حیات بکھر جاتی ہیں اور زندگی کی کڑیاں مفقود ہو جاتی ہیں اور لوگ نفسانفسی کا ایک شکار بن جاتے ہیں کہ ہر شخص شعور کی بجائے شکار کا دلدادہ ہو جاتا ہے اور اقتناص مواقع ہی کے پیچھے ساری صلاحیتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ دو سو سالہ تاریخ میں جماعت حقہ کے کتنے ہی تاب ناک اور روشن باب ہیں جو بند ہو گئے ہیں، انھیں اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی نہیں جانتے اور جو بدبخت احساس کمتری یا جہل و خودغرضی کا شکار ہو گئے ہیں انھیں جماعت اور اس کی تاریخ اور عظام، کم تر، اور غوغائیت اور غوغا پسند بڑے اہم اور قابل نظر آتے ہیں اور انھیں ان کی اطاعت گزاری اور ان کے آگے پیچھے چلنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ وہ اسی میں مسرور اور مگن رہتے ہیں۔

بھٹی صاحب کا یہ سلسلہ اور دوسرے سلسلے پوری جماعت کے اوپر بہت بڑا احسان ہیں جس کے صلے کی تمنا کیے بغیر وہ پورے انہماک کے ساتھ ان کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔

بھٹی صاحب کے اس سلسلے کی خوبیاں بے شمار ہیں۔

بھٹی صاحب نے ہر مجموعے میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ہر ایک میں اعاظم رجال کو اسی طور پر رکھا ہے کہ کتاب کی وقعت بہ حیثیت مترجمین یکساں رہے۔ انھوں نے تاریخی ترتیب کو پیش نظر نہیں رکھا ہے نہ حروف تہجی کو بلکہ ہر مجموعے میں کچھ

چھوٹوں اور کچھ بزرگوں کو ایک ساتھ رکھا ہے تا کہ دونوں کا مجموعہ مل کر کتاب کی وقعت میں توازن کا باعث بنے اور ہر مجموعہ یکساں دلچسپی، کشش اور انجذاب کا حامل رہے۔ اس طرح ہر فن کے باکمال ہر مجموعے میں موجود ہیں۔ یکسانیت کی بجائے انھوں نے عظمت اور شہادت حق کو مختلف تصویروں کو حسن ترتیب کے ساتھ سجانے کی کوشش کی ہے اور ہر فن میں جامعیت کے حامل، موزوں اور بزرگوں کو ہر مجموعے میں رکھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر مجموعہ یکساں وقیع نہ ہوتا جن میں کاملین عظام اور فن میں جامع ہوتے وہ زیادہ اہمیت دیے جاتے اور جن میں خردوں کا تذکرہ ہوتا تو اس کو سابق الذکر کے مقابلے میں اہمیت کم ملتی۔

بھٹی صاحب نے ہر مجموعے میں اپنے اسلوب اور لب ولہجے کی شگفتگی کو یکساں طور پر ملحوظ رکھا ہے اور ہر مجموعے میں حرارت زندگی اور بے ساختگی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ یہ بھٹی صاحب کے قلم کا ایسا وصف ہے جو عام مصنفین میں نہیں پایا جاتا۔ ہر مصنف ہر مجموعے میں نہ شگفتگی برقرار رکھ پاتا ہے اور نہ حرارت اور زندگی کو نباہ پاتا ہے۔ اتنے طویل قلمی سفر میں رہوار قلم تھکن کا شکار نہ ہو، اس کی شگفتگی برقرار رہے، بے ساختگی میں کمی نہ آئے۔ لطافت، وقار اور سنجیدگی وحقیقت ہر جگہ قلم کا خاصا بنا رہے، یہ مہارتِ فن کی دلیل ہے اور مصنف کی علمی وادبی شخصیت کے پُر بہار اور صدا بہار ہونے کی نشانی ہے۔

بھٹی صاحب عظام کرام کے تذکرے کے ضمن میں ہر مجموعے میں چار چیزوں کا خاص طور پر التزام کرتے ہیں۔ تخاطبات، استہلالات، استدراکات اور لطائف۔ ان سے کئی فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قاری کا ذہن کتاب سے ہٹتا نہیں۔ اس کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر کہیں اکتاہٹ محسوس ہو تو فوراً تھوڑی دیر کے لیے توجہ ہٹا کر نشاط تازہ حاصل کیجیے اور پھر موضوع کی طرف آجایئے۔ اس عام فائدے کے علاوہ ہر ایک کے الگ الگ فوائد ہیں۔

تخاطبات

بھٹی صاحب نے عام تذکرہ نگاروں کی طرح صرف مواد اکٹھا کرنے اور اسے

خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کرنے پر اکتفا نہیں کیا، انھوں نے اپنی تحریروں کو زندہ بنانے کے لیے اور قاری کے ذہن کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لیے تخاطب کے طرز کو موقع بہ موقع استعمال کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ اپنے تخاطبات کے ذریعے منزل بہ منزل قاری کی رہنمائی کرتے ہیں۔ موضوع کو مختلف مراحل میں بیان کرتے ہیں اور ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف منتقل ہوتے وقت وہ قاری سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اب آیئے آگے چلتے ہیں۔ اب ادھر کا رخ کرتے ہیں۔ اب آخری مرحلے میں آیئے وغیرہ وغیرہ۔ غائب سے حاضر کی طرف اور حاضر سے غائب کی طرف منتقل ہونا فصاحت و بلاغت کا ایک وصف ہے۔ بھٹی صاحب نے اس اسلوب کو حسب ضرورت اور حسب اقتضا استعمال کیا ہے۔ اس کی کثیر مثالیں قاری کو ان کے چاروں مجموعوں میں ملیں گی۔ اس اسلوب میں برجستگی بھی ہوتی ہے اور اس سے شگفتگی بھی پیدا ہوتی ہے اور مصنف ان کے ذریعے اپنی کتابوں میں موجود رہتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں سے الگ نہیں رہتا۔ تخاطب میں ''انا'' اور ''میں'' کا مسئلہ رہتا ہے لیکن بھٹی صاحب اس ''انا'' اور ''میں'' سے خود کو قاری پر ٹھونستے نہیں، نہ اس کے ذریعے واقعات اشخاص وعظام پر پرسنلائز کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ان کی ''میں'' قاری کو دوست بناتی ہے اور انھیں انداز محبوبیت عطا کر دیتی ہے۔

استہلالات

ذکرِ استہلالات بھٹی صاحب کا خاص وصف ہے۔ وہ کسی بھی عالم کے تذکرے کے مواد خاص کو ذکر کرنے سے قبل اور موضوع خاص کے اصل واقعات زندگی بیان کرنے سے پہلے وہ کسی اہم نقطے یا واقعہ سے شروعات کرتے ہیں، جن کا تعلق ان سے اور شخصیت مذکور سے ہو۔ اس طرح مختلف استہلالی شروعات کے ذریعے وہ قاری کے ذہن کو اپنی مٹھی میں کر لیتے ہیں اور قاری کو یہ تجسس ہو جاتا ہے کہ دیکھیں آگے کیا ہے اور بسا اوقات استہلال طویل بھی ہو جاتا ہے جو بظاہر تفصیلاتِ حیاتِ فرد سے میل نہیں کھاتا، لیکن اس کے اندر کوئی علمی یا ادبی نکتہ ہوتا ہے۔

استہلالات مختلف ڈھنگ کے ہوتے ہیں۔ کبھی ذاتی، کبھی تاریخی، کبھی

جغرافیائی، کبھی معاشی، کبھی معاشرتی اور کبھی بغیر استہلال کے نفس موضوع پر آ جاتے ہیں۔ لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اسلوب نگارش میں تنوع بڑا مؤثر ہوتا ہے اور استہلات جس قدر اچنبھا پن اور اچھوتا پن لیے ہوتا ہو اور جس قدر دلکش اور جاذب نظر ہو، یا جس قدر معنویت کا حامل ہو، یا اس کے اندر تاثیر ہو، اس کے بہ قدر نفس مضمون کے لیے تجسس بڑھتا ہے۔ اور استہلال نفس مضمون سے جس قدر لاتعلق ہوتا ہے اور کمزور، پھیکا اور بدمزہ اور بے تکا ہوتا ہے اس کے بقدر نفس مضمون کے متعلق تاثر بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

بھٹی صاحب کے استہلالات کی خوبی یہ ہے کہ انھیں وہ نفس مضمون کی ڈوری سے مضبوطی سے باندھ کر رکھتے ہیں اور تمہید ایسی حسین اور خوب صورت بناتے ہیں کہ نفس مضمون میں تجسس بڑھ جائے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے استہلالات نفس مضمون کے لیے رہنما ہوتے ہیں جو ایک سلیقہ مند میزبان کی طرح گرم جوشی کے ساتھ قاری کا استقبال کرتے ہیں اور ان کے گھر میں لا کر گھر والوں سے متعارف کراتے ہیں۔

بھٹی صاحب کے استہلالات کبھی خاکہ نگاری کا کام دیتے ہیں جو تذکار عظیم میں تصویر عظمت کے لیے فریم کا کام کرتے ہیں اور یہ فریم ان کو حسین تر خاکہ پیش کرتا ہے۔

استہلال اگر تکلفات اور تصنعات کے بوجھ تلے دبا ہو تو وہ نفس موضوع کو عیب دار بنانے کے لیے کافی ہوتا ہے اور تطویل لاطائل کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

استدراکات

مولانا محمد اسحاق بھٹی نفس موضوع کے درمیان کثرت سے استدراکات لاتے ہیں۔ یہ استدراکات ان کے تلخ و شیریں تجربات کا نچوڑ ہوتے ہیں یا ان کے اندر کسی معاشرتی و سماجی خوبی یا خرابی کی تفصیل آ جاتی ہے، یا خیر پر تبصرہ ہوتا ہے یا شر پر۔ استدراکات جس قدر طویل ہوتے ہیں اسی قدر ان کے اندر جوش و جذبہ ہوتا ہے، یا آہ اور واہ کا ذکر آتا ہے۔ یہ استدراکات اپنے اندر بڑی اہمیت لیے ہوتے ہیں۔ وہ ایک دردمند اور مخلص دل کی آواز ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے کے بدلتے رجحانات، اشخاص و افراد کی

اچھی یا بری ترجیحات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اچھی قدروں کے سمٹنے اور برے اقدار کے پھیلنے پر ماتم ہوتا ہے۔ علماء کے اخلاقی زوال، سیاست کی آوارگی، شرفاء کی قلت، رذیلوں کی کثرت، بے مروتی اور طوطا چشمی پر حیرت اور حسرت کا اظہار ہوتا ہے۔ غرضیکہ ایک حساس اور تین نسلوں کے مشاہد کی حیثیت سے وہ ان استدراکات میں وہ سب کہہ دیتے ہیں جنھیں ایک حساس انسان کو کہنا پڑتا ہے۔

استدراکات اگر نفس ناطقہ کا حصہ بن جائیں اور نفس موضوع کے برخلاف ایران اور توران کی کہانی بن جائیں تو وہ عیب بن جاتے ہیں لیکن اگر ان کا سرا موضوع سے جڑا ہو تو یہ اس کے لیے نقش و نگار بن جاتے ہیں۔ استدراکات کے اندر زور، تاثیر، برجستگی اور آمد بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ یہاں مثالیں اقتباسات کی شکل میں نہیں دی جارہی ہیں۔ قاری بھٹی صاحب کی تحریریں براہ راست پڑھے اور ان سے مستفید ہو۔

لطائف

لطائف بذات خود زندگی اور زندہ دلی کی علامت ہیں۔ بھٹی صاحب لطائف سے کئی کام لیتے ہیں۔ وہ اپنے لطیفوں سے تفریح طبع کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں، اکثر ان سے تنقید کا کام بھی لیتے ہیں۔ لطیفوں کے ذریعے کسی کی چٹکی لیتے ہیں، کہیں اس سے طنز کا کام لیتے ہیں، کہیں کسی کے فکر و نظر پر اس سے نقد کرنا مقصود ہوتا ہے، کہیں مختلف فیہ اشخاص و تنظیمات کی حقیقت بتانے کے لیے لطیفوں سے کام لیتے ہیں۔ لطیفوں سے کام لینے کا سلیقہ سب کو نہیں آتا، نہ سب کے پاس لطیفہ گوئی کا فن ہوتا ہے اور فن لطیفہ گوئی آ بھی جائے تو اس کا صحیح مصرف سب کو معلوم نہیں ہوتا۔ بھٹی صاحب اپنے لطیفوں سے وہ کام لیتے ہیں جو لمبی عبارتوں اور تنقیدی جملوں سے نہیں لیا جاسکتا۔ دراصل ہنرمندی اور سلیقہ مندی کا بھی یہ ایک فن ہے۔ لطیفوں سے محاکات و کنایات کا وہ حسین پیرایہ ہوتا ہے کہ ذہین انسان اسے سمجھ لے اور کم فہم بے حسی کا شکار ہو کر رہ جائے اور تیر چلانے والے کا تیر بھی چل جائے۔ لطیفے کے حوالے سے حقیقت کی نقاب کشائی بڑی دلآویز ہوتی ہے اور اس کے ذریعے تنقید طبع انسانی پر شاق نہیں گزرتی۔ لیکن یہ کام نکالنے کے لیے مہارت چاہیے، تاکہ لطیفوں کی

لطافت برقرار رہے، وہ پھکڑ پن میں نہ تبدیل ہو جائے۔

یہ چند باتیں نفس موضوع سے بظاہر خارج خوبیوں کے متعلق عرض کی گئی ہیں۔ اب کچھ باتیں نفس موضوع سے متعلق ہو جائیں۔ تذکرہ نگاری کی ابتدا محدثین نے اس لیے کی تھی تاکہ حدیث کی استنادی حیثیت کی تشکیل ہو سکے اور جب تدوین حدیث کا دور گزر گیا تو اس کی نوعیت بدل گئی لیکن اس کا مقصد جیسا کہ عرض کیا گیا قافلہ حق اور علم و ثقافت کے لیے سیادت و قیادت تھا یا دوسرے لفظوں میں شہادت حق کی ادائیگی کی تاریخ مرتب کرنی مقصود تھی اور انفرادی جانچ مقصود تھی کہ کس کس عالم نے کیا کچھ فروغ حق اور علم کے لیے جدوجہد کی اور اس کے نتائج علم و عمل سے کیا کچھ لوگوں کو شعور جادہ مل سکتا ہے۔

تذکرہ نگاری میں ہمیشہ مثبت پر دھیان رہتا ہے، منفیات پر نہیں۔ یہاں کسی کی اخلاقی کمزوریوں کی روداد نہیں لکھی جاتی، نہ انسان کی خطاؤں کی فہرست بنائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مُردوں کی خطاؤں کا ذکر برائی سے گھناؤنا عمل ہے۔ وہ گیا، اس کے ساتھ اس کا عمل بھی گیا۔ البتہ اگر عقیدہ و عمل کی ایسی برائیاں اور خرابیاں ہیں جن سے انسانی فکر و عمل متاثر ہو سکتا ہے تو انھیں بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خوبیوں کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ وہ نمونہ بن سکیں اور کارناموں کو ریکارڈ کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے راہ عمل بنیں یا ان سے تہذیبی و تمدنی ضرورتوں میں مدد مل سکے۔

علمائے عظام کی خوبیوں اور ان کے کارناموں کو بیان کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر ان کو علمی اصولوں اور تحقیقی پیمانوں کے مطابق ریکارڈ نہ کیا جائے تو یہی تہذیب و تمدن کے نمونے فکر و عمل میں جمود پیدا کرنے اور فکر انسانی کو بے عمل بنانے میں بڑا اہم رول ادا کرتے ہیں۔ امت اسلامیہ کی بربادی کرنے اور اس کو معطل بنانے میں سلبی طرز تذکرہ نگاری کا بڑا ہاتھ ہے۔

مبالغہ آرائی، اندھی عقیدت اور بے جا مدح سرائی اور اپنے فرقے کے آدمی کو سب سے بڑا اور اونچا ثابت کرنے کے گمراہ کن جذبے نے سلبی سوانح عمریوں اور تذکروں کو جنم دیا اور دوسرے فرقے کو لوگوں کو گرانے اور بونا ثابت کرنے کے معاندانہ رویے نے اہدار حقائق اور اہدار عظام کا کام کیا۔ یہ دونوں سلبی رویے ایک ساتھ چلے اور انھوں نے

کاروان علم وفن کو دو طرح نقصان پہنچایا۔ ایک تعمیہ وتمویہ کے ذریعے، ایک اہدار اور دوسرا ہدم کے ذریعے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے محدثین کا طرز اختیار کیا ہے۔ تذکرہ نگاری کا محدثانہ اصول اور مقصدیت ان کے پیش نگاہ ہے۔ انھوں نے نہ کسی محبوب شخصیت کی عظمت کا مینار چننا پسند کیا ہے، نہ خوبیوں اور کارناموں کے گرد وپیش انھوں نے مبالغہ آرائی اور بے جا وصف کا جھاڑ جھنکار جمع کیا ہے۔ ان کے مجموعوں میں عظام رجال سے متعلق مضامین و تفصیلات کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسی دھرتی پر بستے تھے اور اسی زمین کی مخلوق تھے۔ اسی مٹی سے وہ بنے تھے اور انسانی ضرورتیں انھیں پوری طرح لاحق تھیں اور وہ اپنے ہی ماحول کے پروردہ تھے اور اسباب حیات کو انھوں نے استعمال کیا، ان سے پرہیز کو وہ تقویٰ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی ذات سے نہ برکتوں کو وابستہ کیا، نہ حوران بہشتی کو ان کے گرد گھمانے کی کوشش کی، نہ جبہ ودستار سجا کر انھیں عظمت کے تخت پر بٹھا کر ہٹو بچو کا ماحول بنایا۔ انھوں نے جو دیکھا، جس بات کا مشاہدہ کیا، وہی ان کے نوک قلم پر آیا۔ انھیں نہ کسی کی عظمت کے اعتراف میں تذبذب ہے، نہ کسی کی صلاحیتوں کی کمی کی خانہ پری کرنے کی خواہش ہے۔ ہر میدان میں جو جیسا ہے، اس کے رجحانات، ترجیحات، اخلاق ومزاج، شخصی خوبیوں، سیاسی، سماجی اور علمی کارناموں کو اسی طرح بیان کر دیا ہے۔ کبھی کبھی وہ طبائع و مزاج کی تصویر کشی میں ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جو دوسروں کے یہاں عیب شمردن میں گنا جائے گا اور دوسروں کو گوارا نہ ہوگا کہ اپنے بڑوں کی تصویر کشی کریں۔

بڑوں اور خردوں کی خوبیوں اور کارناموں کو توازن کے ساتھ ایسی ذمہ داری سے ریکارڈ کیا گیا ہے کہ ان کو پڑھ کر قاری آنکھ بند کر کے ان کو تقدس اور تبرک کا سامان نہیں بنا سکتا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر غور کرے گا اور اس کے دل میں امنگ پیدا ہوگی کہ ان کی خوبیاں اس کو بھی حاصل ہو جائیں اور ایسے کارنامے انجام دینے کی صلاحیت اسے بھی مل جائے۔ تذکروں کے سلبی اور مثبت ہونے کی یہی حد فاصل ہے کہ بڑے لوگ تقدس وتبرک کا سامان بن جائیں یا منارۂ راہ ومنزل۔ اگر ان سے تقدس وتبرک کی مہمیز ملے تو ایسے تذکرے کامیاب ہیں اور اثباتی رنگ وروپ لیے ہوتے ہیں۔

تذکرہ نگار یا سوانح عمری لکھنے والا اگر محبوب شخصیات کو پرپوز (Propose) کرے کہ انھیں بڑا تسلیم کر لیا جائے تو یہ تذکرہ نگاری کے سخت مخالف روش ہے۔ تذکرہ کرنا نہیں ہے، حقائق ریکارڈ کرنا ہے اور حقائق کو ریکارڈ کرنے کے لیے اسے ان تمام استنادی علمی اصولوں کو اپنانا ہوگا جو خوبیوں اور کارناموں کو صحیح رنگ میں پیش کرنے میں مدد دیں۔ روایتی ودرایتی۔ درایتی سے مراد حقائق کو سمجھنے کے لیے لغوی اور معنوی تقاضے ہیں نہ کہ شبلی، سرسید، اصحاب الرائے اور مستشرقین کی درایت۔ تمام ضابطوں کو مدنظر رکھنا، تذکرہ نگاری کے لیے اشد ضروری ہے۔

بھٹی صاحب نے تذکار عظام میں عام طور پر روایتی ودرایتی اصولوں کو مدنظر رکھا ہے اور اپنی قوت مشاہدہ، تجزیہ وتحلیل کی صلاحیت اور استنتاج نتائج کی استعداد کو اپنے تذکروں میں استعمال کیا ہے لیکن جب وہ اپنی ان صلاحیتوں کو موقوف کر کے دوسروں کے بیانات پر بھروسا کرنے لگتے ہیں تو یہ اعتماد انھیں بسا اوقات دغا دینے لگتا ہے۔ ان کی بہتری یہی ہے کہ کسی سے بھی کچھ لیں خاص کر خوبیاں اور کمالاتِ تذکرہ تو انھیں اپنے پیمانوں سے ناپیں تاکہ وہ ان کے معیار اور اسلوب کے مطابق آ جائیں۔ موجودین کے متعلق اس کا زیادہ خطرہ ہے کہ وہ خود اپنے متعلق اپنے بیانات کو زیادہ ہائی لائٹ (Highlight) کرنے کی کوشش کریں اور رائی کا پہاڑ بنانے لگ جائیں۔

بھٹی صاحب کے تذکرے کے مذکورہ بالا چاروں مجموعوں میں ایک بات یہ کھٹکتی ہے کہ کہیں کہیں تکرار موجود ہے۔ کوٹ کپورہ اور اس کے حالات وکوائف کے متعلق تکرار، مرکز الاسلام لکھوکے کے متعلق تکرار، ایک ہی خاندان کے مختلف افراد سے ملاقات کی ایک ہی کیفیت کا تکرار، غزنوی خاندان سے متعلق تکرار، مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالا اور مولانا عطاء اللہ حنیف کے متعلق تکرار کہیں عیب بن گیا ہے اور کہیں خوبی۔ پتا نہیں یہ تکرار شعوری ہے یا غیر شعوری۔ جو تکرار عیب میں داخل ہے اسے دور کر دیا جائے تو بہت بہتر ہے۔

اردو میں جب کسی فن پر لکھنے کی بات آتی ہے تو مختلف عنوانات میں شبلی، مودودی، سید سلیمان ندوی کا حوالہ دیا جاتا ہے یا ندوہ کا۔ میرا خیال ہے کہ کسی اہل حدیث

مصنف کے لیے نہ شبلی نمونہ ہیں نہ مودودی نہ سید سلیمان۔ شبلی کا منہج ناقابل اعتبار ہے۔ سید سلیمان ندوی کی علمیت سیرۃ النبی کے حوالے سے زیادہ وزن نہیں رکھتی اور مودودی نے اپنی تمام عمر کی کاوشوں پر اخیر عمر میں افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اہل حدیث کے لیے اگر تصنیف و تالیف میں نمونہ ہو سکتے ہیں تو نواب والا جاہ سید صدیق حسن ہو سکتے ہیں، ابوالکلام آزاد ہو سکتے ہیں، محمد سلیمان منصور پوری ہو سکتے ہیں، غلام رسول مہر ہو سکتے ہیں، عبدالعزیز میمنی ہو سکتے ہیں، عبدالسلام مبارک پوری، عبدالرحمن مبارک پوری، شمس الحق عظیم آبادی، محمد حنیف ندوی اور عبدالعزیز رحیم آبادی ہو سکتے ہیں، احسان الٰہی ظہیر ہو سکتے ہیں اور کیوں ہو سکتے ہیں؟ اس کی تفصیل سب کو معلوم ہے۔

اللہ کا ہزار شکر ہے کہ محمد اسحاق بھٹی نے اپنی راہ خود نکالی ہے۔ ان کا فکر اور فن دونوں اوج کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کا طرز نگارش شگفتہ، ان کی تحریر خوب صورت، ان کا اسلوب نرالا۔ لطافت، شگفتگی، برجستگی، معتدل عبارت آرائی، نہ طویل نہ مختصر۔ سلاست اور تاثیر لیے ہوئے۔ الفاظ کے الٹ پھیر سے معانی تخلیق کرنا اور نکتہ آفرینی کرنا، بزم علم کو حسین اور خوش گوار بنانے کے لیے محاوروں، کہاوتوں اور لطیفوں سے سجانا اور پُرکشش جملوں سے نکہت باد بہاری لانا ان کا کمال ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو زبان پر قدرت ہوتی ہے، وہ بھاری بھرکم الفاظ لا سکتا ہے۔ مترادفات کے ڈھیر لگا سکتا ہے۔ عربی فارسی کے ادق الفاظ استعمال کر سکتا ہے لیکن انھیں استعمال کر کے عبارت میں لطافت پیدا کر سکے، اسے شگفتہ بنا سکے، اس کو نہیں آتا۔

بھٹی صاحب کی تحریر پڑھتے چلے جایے، کہیں ثقالت یا پھیکا پن نہیں محسوس ہوتا۔ سلاست، روانی، برجستگی اور تاثیر ان کی تحریر کی بہت بڑی خوبی ہے۔ انھیں مہارت حاصل ہے، عبارت آرائی میں اور اسلوب سازی میں، ایک لمبی عمر سے وہ قلم سے یارانہ نباہ رہے ہیں۔ کبھی نشاط قلم میں لمحات توقف نہیں آئے، نہ قلم سے ان کا رشتہ کمزور ہوا، یہی مزاولت اور پیہم قلمی ممارست ہے جس نے ان کے قلم کو نکھار دیا ہے۔ انھوں نے ایسا اسلوب ڈیولپ (Develope) کیا ہے جو زندہ، مخاطب اور بیدار اسلوب ہے اور قاری کو بیدار رکھنے والا ہے۔ تحریر میں قاری کو اپنے اندر منہمک بنا دیں، یہ تحریر کا کمال ہوتا ہے۔ ایسا

اسلوب محض ہمہ جہتی علمی ادراک، شعور اور ادبی ذوق کا طالب ہے۔ اگر کسی کو یہ کمال حاصل نہیں تو وہ محمد اسحاق بھٹی صاحب کے اسلوب کا تتبع نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کا یہ سلسلہ اور اس کے سوا دوسرے سلسلے جماعت اہل حدیث برصغیر ہی نہیں اس علاقے سے تعلق رکھنے والے تمام اہل حدیث حضرات پر بڑا احسان ہے، یا یوں کہیے کہ انھوں نے تنہا سب کی طرف سے قرض اتار دیا ہے۔ برسوں سے میری تمنا ہے کہ عربی میں جماعت کی جامع تاریخ آ جائے اور اعلام کا تذکرہ بھی عربی میں تیار ہو جائے۔ ابھی تک نہ اس کے اسباب میسر ہیں نہ سکون۔ ہمارے وہ بزرگ جو بلا وجہ مجھے عدم استقلال کا طعنہ دیتے ہیں، خود ہی کسی جگہ نہ بیٹھ رہنے دینے کے لیے تگ ودو بھی کرتے ہیں۔ اب تک بھٹی صاحب کے چاروں مجموعوں میں مستقلاً سو سے زیادہ اعلام کا تذکرہ آ گیا ہے اور ان کے ضمن میں سینکڑوں لوگوں کا تذکرہ مرقوم ہے۔

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ اس کے بندے محمد اسحاق بھٹی کو اس کی طرف سے صحت ملے اور برابر مختلف سلسلوں کی تکمیل کے لیے توفیق حاصل رہے اور پیرانہ سالی میں جس طرح ان کی ہمت جوان ہے اسی طرح ان کی وابستگی کا سامان میسر رہے۔ آمین یارب العالمین۔
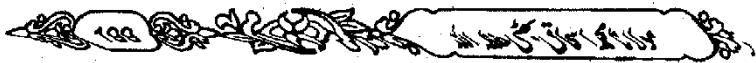
محترم محمد اسحاق بھٹی

برصغیر پاک و ہند کے عظیم مصنف اور مؤرخ اہل حدیث

مولانا صلاح الدین مقبول احمد ہندوستان کے ممتاز مصنف اور نامور محقق ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ان کی تصانیف وتالیفات کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے۔انھوں نے اردو میں بھی لکھا،لیکن زیادہ تر عربی میں لکھا اور جو کچھ لکھا نہایت تحقیق سے لکھا۔اردو ان کی مادری زبان ہے،لیکن انھوں نے جس انداز میں عربی میں داد تحقیق دی ہے،اس کا جواب نہیں۔عربی اسلوب نگارش میں وہ عرب مصنفین کا مقابلہ کرتے ہیں۔انھوں نے حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کی ایک اردو کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا ہے—بے حد خوب صورت ترجمہ!

مولانا صلاح الدین مقبول احمد کئی سال سے کویت میں اقامت گزیں ہیں اور وہاں کی جماعت اہل حدیث کے سرپرست ہیں جو پاکستانی اور ہندوستانی حضرات پر مشتمل ہے۔انھیں وہاں بڑے احترام کا مقام حاصل ہے۔درس و تدریس اور تصنیف وتالیف کی سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔کویت سے ایک ماہنامہ مجلہ ”امتی“(Ommaty) کے نام سے شائع ہوتا ہے۔اس مجلے کے جولائی 2008ء کے شمارے میں انھوں نے عربی میں بھٹی صاحب کے بارے میں مضمون لکھا۔ ڈاکٹر عبدالغفور راشد صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے عربی مضمون کا عنوان ہے:

”فضيلة الاستاذ محمد اسحاق بهتي

مؤرخ القارة الهندية الباكستانية الشهير“

اس کا اردو ترجمہ پڑھیے۔(مرتب)

میری انتہائی خوش بختی ہے کہ میں اس عظیم مصنف،نامور صحافی اور مشہور مؤرخ کے متعلق چند سطور لکھ رہا ہوں،جنھوں نے اپنی تمام تر زندگی تصنیف وتالیف،نشر واشاعت دین اور صحافت میں صرف کر دی۔انھوں نے بڑی ہمت اور عزم صمیم کے ساتھ اپنے گوہر بار قلم سے تقریباً پچاس ہزار صفحات اردو زبان میں تحریر کیے۔قرن اول سے لے کر عصر حاضر (پندرھویں صدی ہجری) تک تین ہزار علما وفضلا کے تراجم وتذکار سپرد قلم کیے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مصنف و مولف کو توفیق عطا فرمائی۔ انھوں نے برصغیر پاک وہند کے علمائے اہل حدیث اور اصحاب سنت کے تاریخی کردار کو نمایاں کرنے کے لیے کمر ہمت باندھی۔ انھوں نے اپنے رواں قلم اور جامع تحریروں سے ان سلفی شخصیات کو زندہ کیا جو نسیان کی وادیوں میں گم تھیں اور ان کے علمی، دعوتی، اجتماعی اور سیاسی کارناموں کو نمایاں کیا جو تاریخ کے کھنڈروں میں مٹی کے ڈھیر تلے مدفون تھے۔ ان عظیم ترین خدمات پر اللہ تعالیٰ انھیں اس جزائے خیر سے نوازے، جس سے وہ اپنے صالح بندوں کو نوازتا ہے۔

تعلیم اور جلیل القدر اساتذہ

ہمارے ممدوح مولانا محمد اسحاق بھٹی کی ولادت 15/مارچ 1925ء کو ہندوستان کے صوبہ مشرقی پنجاب کی ریاست فرید کوٹ کے شہر کوٹ کپورہ میں ہوئی اور انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد میاں محمدؒ سے حاصل کی۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے موصوف کو اپنے دور کے ان مشاہیر علما و اساتذہ سے استفادے کے مواقع فراہم کیے جو علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں بلند مرتبے پر فائز اور کتاب وسنت سے وابستگی کی تبلیغ و دعوت میں ممتاز تھے۔ یہ وہ چند عظیم القدر حضرات ہیں جنھیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔

1-- محدث کبیر حضرت حافظ محمد گوندلوی (متوفی 4 جون 1985) جنھوں نے تقریباً ستر برس صحیح بخاری کا درس دیا، جن کی خدمات جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریس کے لیے حاصل کی گئیں۔ ان کے جلیل القدر تلامذہ کی وسیع فہرست میں مولانا عبیداللہ محدث رحمانی (متوفی 5/جنوری 1994ء) مولف ''مرعاۃ المفاتیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح'' کا اسم گرامی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

2-- مولانا محمد اسماعیل سلفی (متوفی 20 فروری 1968ء) سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث (پاکستان) جنھوں نے پچاس سال تدریسی خدمات انجام دیں اور حدیث وسنت کے حفظ و دفاع کے سلسلے میں متعدد کتابیں لکھیں اور بے شمار مقالات تحریر فرمائے جن میں زیادہ تر کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

3-- مولانا محمد عطاء اللہ حنیف محدث بھوجیانی (متوفی 2 اکتوبر 1987ء)

شارح سنن نسائی اور بانی مجلّہ "الاعتصام" اور "دارالدعوۃ السّلفیہ" لاہور۔ مجلّہ الاعتصام اور دارالدعوۃ السّلفیہ دونوں وہ ادارے ہیں جنھوں نے علمی حلقوں میں سلفی دعوت وثقافت کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور کررہے ہیں۔

ان گرامی قدر اساتذہ کے علاوہ ہمارے ممدوح محمد اسحاق بھٹی نے جن مشہور زعماء سے علمی استفادہ کیا اور تحریر ونگارش کی تربیت حاصل کی، وہ دو بزرگ قابل ذکر ہیں۔

ایک مولانا سید محمد داؤد غزنوی (متوفی 16 دسمبر 1963ء) بانی وصدر مرکزی جمعیت اہل حدیث (پاکستان) جن کی شخصیت دین ودنیا کا حسین امتزاج تھی اور علمی اور سیاسی اور سلفی منہج کی خوب صورت علامت۔ انھوں نے پارلیمنٹ میں بھی قناعت کی دولت، عقیدے کی ثروت اور کردار کی عظمت کو قائم رکھا اور اپنی خاندانی حیثیت کی بھی حفاظت کی۔

دوسرے مولانا محمد حنیف ندوی (متوفی 12 جولائی 1987ء) جو لائق ترین مصنف اور علوم قرآن وحدیث اور فلسفہ اسلامی کی معروف کتابوں کے مصنف تھے۔

ہمارے ممدوح بھٹی صاحب نے ان مذکورہ عظیم شخصیات کا ذکر اپنی کتابوں میں تفصیل سے کیا ہے اور ان کے علم وفضل کے تمام پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ بقول شاعر

اُولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم

اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

عملی زندگی کا آغاز

ہمارے ممدوح مولانا محمد اسحاق بھٹی نے درسیات سے فراغت کے بعد تقریباً 1942ء میں عملی زندگی کا آغاز کیا اور اس وقت سے لے کر آج تک پون صدی پر محیط اپنی عمر عزیز تدریس اور تصنیف وتالیف میں صرف کردی۔ موصوف کئی رسائل وجرائد کے ایڈیٹر بھی رہے۔ درج ذیل سطور میں اختصار کے ساتھ ان کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

تصنیف وتالیف

بھٹی صاحب نے تصنیف وتالیف میں گراں مایہ خدمات انجام دی ہیں اور پچیس سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں جن میں ان کی کتاب "تاریخ فقہائے ہند" بھی شامل ہے جو دس جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے اور ڈیڑھ ہزار سے زائد بزرگان دین کے حالات پر مشتمل ہے۔ ان کی کتابیں تاریخ اہل حدیث، دعوت اہل حدیث اور برصغیر میں استعماری قوتوں کے خلاف سیاست وجہاد کے موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، کاروان سلف، نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، قافلہ حدیث اور دبستان حدیث جیسی قابل تحسین کتابیں۔

مضامین ومقالات

مولانا محترم کے بے شمار مضامین ومقالات متعدد رسائل وجرائد میں شائع ہوئے جب کہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مختلف موضوعات پر تقریباً تیس مقالات لکھے۔

رسائل وجرائد کی ادارت

بھٹی صاحب "الاعتصام" کے پندرہ سال مدیر رہے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے مجلّہ "المعارف" کے بائیس سال مدیر رہے اور ہفت روزہ "توحید" کی کئی ماہ ادارتی ذمہ داریاں نبھائیں، جب کہ ایک سال آٹھ نو ماہ سہ روزہ "منہاج" کی ادارت کی۔ یہ ان کا اپنا اخبار تھا۔

بھٹی صاحب نے بہت سی کتابوں پر جاندار تنقید کی اور ان پر بھرپور تبصرے کیے۔ یہ علمی اعتبار سے ان کا قابل قدر سرمایہ ہے۔ ان کے علمی مقام ومرتبہ کے پیش نظر کئی مؤلفین نے اپنی کتابوں پر ان سے مقدمات لکھوائے جو علمی وتحقیقی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تقریباً پینتیس برس انھوں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر مختلف موضوعات پر پروگرام پیش کیے جن میں بڑی جرأت کے ساتھ سلفی اصحاب علم کو روشناس کرایا۔ لوگوں کے لیے سلفی

المسلک شخصیات اوران کے کارناموں کو سننا اوران سے متعارف ہونا انتہائی غیر مانوس اور اجنبی فعل تھا مگر بھٹی صاحب نے یہ کام انتہائی خوش اسلوبی سے کیا اور ہمیشہ اپنے موقف کی صراحت کی۔ ان کی تمام تقاریر کو اگر صفحات قرطاس پر منتقل کیا جائے تو ہزاروں صفحات تیار ہو جائیں۔

محمد اسحاق بھٹی نے تصنیفی و تالیفی میدان کے ساتھ جماعتی و تنظیمی میدان میں بھی بے حد خدمات سرانجام دیں۔ جولائی 1948ء میں جب مرکزی جمعیت اہل حدیث کا قیام عمل میں آیا تو انھیں ناظم دفتر کی ذمہ داری سونپی گئی جسے انھوں نے کئی سال بحسن وخوبی نباہا۔ پھر ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے اور بتیس سال تک بطور مؤلف، مترجم اور مدیر مجلہ ''المعارف'' شاندار طریقے سے کام کیا۔

بھٹی صاحب سرکاری جھمیلوں اور غلام گردشوں سے دور رہے۔ سرکاری سطح پر مشیر عدلیہ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت کی پیش کش کی گئی لیکن انھوں نے تصنیفی و تالیفی عمل کو جاری رکھنے کی غرض سے اس سرکاری پیش کش کو قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ ان کا یہ فیصلہ ہر لحاظ سے بہتر تھا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے کسی چیز کو ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر شے عطا فرما دیتا ہے۔

جن لوگوں کو بھٹی صاحب سے شرف ملاقات نصیب ہوا وہ جانتے ہیں کہ وہ مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک اور معتدل مزاج رکھتے ہیں۔ ان کا تحریری ذخیرہ تاریخی، علمی، دعوتی اور سیاسی معلومات کا خزانہ ہے۔

محترم بھٹی صاحب کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ انھیں زعمائے ملت، مشائخ عظام، مشاہیر اساتذہ اور علمائے کبار کے ساتھ ہم نشینی کے مواقع میسر آئے، جن سے انھوں نے خوب استفادہ کیا اور پھر ان مجلسوں اور صحبتوں سے حاصل کردہ علم وحکمت کے جواہر الفاظ کی صورت میں کتابوں میں محفوظ کر دیے، جن سے آنے والی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں گی۔ انھوں نے شخصی خاکوں اور تذکروں کو جس حکمت و دانائی سے زینت قرطاس بنایا ہے، یہ ان کا منفرد کمال واعزاز ہے۔

نمایاں امتیازات

- بھٹی صاحب ممدوح کو قدرت نے مضبوط حافظے سے نوازا ہے۔ ان کی لوح حافظہ پر اسماء، مقامات، واقعات اور اوقات حتیٰ کہ تاریخ کے ماہ و سال بھی نقش ہیں۔ گفتگو کرتے ہوئے جب وہ کہتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ امر اس طرح واقع ہوا تھا تو بات حالات وقرائن سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔
- جس معاملے میں ان کا دل مطمئن ہو، اس کا ذکر کھلے بندوں بلا خوف لومۃ لائم کرتے ہیں۔
- واقعات کی تصویر کشی میں قدرت نے ان کو خاص ملکہ عطا کیا ہے۔ ان کی لکھی ہوئی حزن وملال والی بات پڑھنے والا رونے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اگر لطائف وظرائف کا سلسلہ جاری ہو تو ہم مجلسوں کی محض اس کے تصور سے ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔
- ان کے رواں قلم، پختہ رائے، بے تکلفانہ گفتگو، واضح تحریر، ادب عالیہ، ظریفانہ اسلوب اور مضبوط حافظے سے استفادہ کرتے ہوئے قاری کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔
- ان کے اس منفرد کمال کا اعتراف ہر شخص نے کیا ہے کہ وہ نقد وتعریف میں اپنے بیگانے کا خیال رکھے بغیر اصل واقعہ نوک قلم پر لاتے ہیں۔
- مختصر یہ کہ ان کی کتابیں سب کے لیے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف اکابر علماء، اصاغر طلبا اور تمام اہل فضل وعلم کرتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (الجمعہ:4)

  یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
  ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

- ان کی علمی شخصیت پر بہت سے مضامین ومقالات لکھے جا چکے ہیں۔ ان کی خاکہ نگاری پر ایم فل بھی ہو چکا ہے۔ اور علمی حلقوں نے ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف

کرتے ہوئے انھیں "مؤرخ اہل حدیث" کے عظیم لقب سے نوازا ہے۔

آخر میں ہماری اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمارے ممدوح جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنی علمی وادبی، تصنیفی وتالیفی اور فکری ونظری سرگرمیاں جاری رکھیں اور قوم کے اکابر واصاغران کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے رہیں۔ آمین۔

مؤرخ اہل حدیث ــــ مولانا محمد اسحاق بھٹی

محمد انور محمد قاسم سلفی

مولانا محمد اسحاق بھٹی بلا مبالغہ یادگار سلف ہیں ہفت روزہ "الاعتصام" اور اس کے بانیؒ سے ان کا تعلق اس قدر گہرا اور مضبوط ہے کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو ان کے ذکر کے بغیر تشنہ رہتا ہے۔ ان کے استاد گرامیؒ نے دارالدعوۃ السلفیہ کی تشکیل کے پہلے دن ہی سے ان کو اس کی مجلس عاملہ کا رکن نامزد کر دیا تھا۔

مولاناؒ کی وفات کے بعد محترم بھٹی صاحب کی الاعتصام اور اس کے کارکنان کے لیے محبت وشفقت باقی رہی بلکہ بے پایاں ہو گئی۔ بفضلہٖ تعالیٰ وہ اب تک ہفتہ دو ہفتہ میں دفتر الاعتصام تشریف لاتے، ہماری رہنمائی کرتے اور سرپرستی فرما رہے ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

کچھ عرصہ سے مولانا کا رہوارِ قلم تذکرہ اور سوانح کی شاہراہ پر رواں دواں ہے جس سے اہل حدیث... خصوصاً.... اور غیر اہل حدیث علماء وداعیان پر ان کی تالیفات منظر عام پر آ چکی ہیں جس سے ان کا تعارف ہر اردو پڑھنے والے حلقے تک پہنچ چکا ہے۔ اور اہل علم وقلم ان کی معلومات، حافظے اور انداز نگارش سے محظوظ ہوتے ہیں اور ان کے مداح ہیں۔

جون 2008ء میں ہمارے ممدوح بھٹی صاحب عمرے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، واپسی پر کویت کے بعض احباب جماعت کی خصوصی دعوت پر کویت بھی تشریف لے گئے۔ وہاں بھٹی صاحب تقریباً دو ہفتے مقیم رہے جہاں مختلف اصحاب علم، اہل قلم اور بعض عالمی شخصیات سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ کویتی احباب نے ان کے اعزاز میں کویت کے عظیم الشان قرطبہ ہال میں ایک خصوصی تقریب منعقد کی جس میں ان کی غیر معمولی پذیرائی کرتے ہوئے ان کو "مؤرخ اہل حدیث" کی شیلڈ دی گئی۔ اس تقریب میں ان کے لیے جو تعارف پڑھا گیا وہ ہم بصد خوشی ومسرت ان صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ تعارف ایک ہندوستانی نوجوان مولانا محمد انور سلفی نے عقیدت ومحبت میں ڈوب کر تحریر کیا ہے۔ یہ تعارف کویت کے اخبار "کویت ٹائمز" کی مدد سے قسطوں میں شائع ہوا۔ (احمد شاکر)

دور حاضر میں اگر تاریخ نویسی اور خاکہ نگاری کے متعلق بات کی جائے تو یہ ناممکن ہے کہ اس تعلق سے محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی S کا تذکرہ نہ ہو۔حقیقت یہ ہے کہ بھٹی صاحب نے اپنی شگفتہ تحریر اور جادو بیانی سے اس فن کو تازگی اور اس فکر کو بالیدگی عطا فرمائی ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے سارے برصغیر ہندو پاک میں گرچہ خاکہ نگار بے شمار ہیں لیکن مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی بات ہی کچھ اور ہے:

ہیں دنیا میں اور بھی سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

مولانا محمد اسحاق بھٹی وہ کہنہ مشق صحافی اور مؤرخ، عالم دین، تجزیہ نگار، خاکہ نگار ہیں جو تقریباً ساٹھ سال سے اپنے رشحات قلم کی عطر بیزی سے ایک دنیا کے طالبان علوم دینیہ وورثان علوم نبوت اور محبان اسلامی صحافت کی مشام روح کو معطر کیے ہوئے ہیں، گویا:

ع عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

میرے لیے یہ بات باعث سعادت ہے کہ اس عظیم مورخ، مصنف اور خاکہ نگار کا تعارف قارئین کی خدمت میں پیش کروں، جس نے اپنی زندگی کے ساٹھ سال لوح وقلم کی خدمت میں لگا دیے اور اس عرصے میں کم وبیش پچاس ہزار صفحات تحریر کیے، جسے اگر ایک ساتھ جمع کیا جائے تو کم از کم سو ضخیم جلدیں بنیں گی اور جن کی علمی خدمات پر طلباء ایم اے، پی ایچ ڈی کے مقالے لکھنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور برصغیر پاک وہند کے بے شمار مجلات ورسائل میں شائع ہونے والی جن کی تحریریں اردو دنیا کے چپے چپے میں پہنچ رہی ہیں، گویا:

کچھ قمریوں کو یاد ہے، کچھ بلبلوں کو حفظ
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اور جس کا قلم سیال 83 سال کی اس عمر میں بھی مضامین نو کے انبار لگا رہا ہے:

لگا رہا ہوں مضامین نو کے انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

اور جو اس عمر میں بھی صحافت کی آبرو بنے ہوئے ہیں، اور اس بڑھاپے میں بھی

جن کی یادداشت عہد رفتہ کو بس ایک آواز دے کر بلا لیتی ہے۔ گویا:

نظر میں عہد رفتہ ہے اب بھی حال کی طرح
سلف کا شیوہ سامنے ہے اک مثال کی طرح

آیئے اس پُر بہار شخصیت سے قارئین کی آدھی ملاقات کرادیں۔

نام ونسب اور ولادت

مولانا محمد اسحاق بھٹی بن عبدالمجید بن محمد بن دوست محمد بن منصور بن خزانہ بن جیوا آپ کے جدامجد جیوا مہاراجہ پٹیالہ کے درباری تھے۔ میاں جیوا کی آل اولاد طلب روزگار کے لیے پنجاب کے مختلف قصبوں اور دیہاتوں میں چلی گئی، جن میں سے اکثر تقسیم ملک سے پہلے کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) مشرقی پنجاب میں آباد ہو گئے۔ مولانا ممدوح کی پیدائش یہیں 15 مارچ 1925ء کو ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں دادا مرحوم سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا اور اردو لکھنا پڑھنا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ سرکاری سکول میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا۔

تعلیم وتربیت

طبیعت چونکہ علوم دینیہ کی طرف مائل تھی، اس لیے اس وقت کے جید عالم دین، شارح سنن نسائی اور دارالدعوۃ السلفیہ اور ہفت روزہ الاعتصام کے بانی حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جو موضع بھوجیاں، تحصیل ترن تارن، ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے اور جو اس وقت خطابت وتدریس کے لیے کوٹ کپورہ کی انجمن اصلاح المسلمین کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ بھٹی صاحب نے مولانا مرحوم سے نحو، صرف، بلاغت، عروض، منطق وفلسفہ، بیان ومعانی، فقہ واصول فقہ، حدیث وتفسیر کی ساری کتابیں جو اس زمانے میں درس نظامی میں شامل تھیں، 1933ء سے 1939ء کے عرصے میں پڑھیں۔ پھر 1940ء سے 1941ء تک شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد گوندلوی ؒ اور حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ؒ کی خدمت میں گوجراں والا میں رہ کر کسب فیض کیا۔ مشہور مجاہد آزادی، دینی، علمی اور سیاسی لیڈر حضرت مولانا محمد داود

غزنویؒ اور صاحب تصانیف کثیرہ و متکلم زمان حضرت مولانا محمد حنیف ندویؒ کی فیض صحبت و تربیت نے آپ کی علمی و فکری زندگی کو جلا بخشی۔ اپنے ان مشفق مربیان کرام کے متعلق مولانا خود رقم طراز ہیں:

''میری تربیت جن علمائے کرام میں ہوئی وہ نہایت اونچی شخصیتیں تھیں، اور وہ بے حد معتدل مزاج تھے اور اپنی بات مثبت انداز میں کرتے تھے، منفی نقطۂ نظر سے کوسوں دور تھے اور ان میں سے کسی نے بھی کفر و شرک، الحاد و بے دینی کے فتوے جاری نہیں کیے۔ وہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے خواہاں تھے اور اسی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ ان میں سے کسی نے نہ الحاد کی دکان لگائی، نہ یہ کفر کی تقسیم کے لیے کوشاں ہوئے، نہ لوگوں کو مشرک بنانے کا دھندہ کیا، نہ کسی کو جنت سے نکالنے اور جہنم میں داخل کرنے کی کوشش کی۔''

جہاد آزادی اور قید و بند

مولانا نے جن حالات میں ہوش سنبھالا، وہ برطانوی استعمار کے زوال اور صبح آزادی کے طلوع ہونے کا زمانہ تھا۔ انگریز اس خطے میں اپنے ناپاک قبضے کو دوام بخشنے کے لیے سارے گر اور ہتھکنڈے استعمال کر رہے تھے اور آزادی کے پروانے بھی حصول آزادی کے لیے سر پر کفن باندھ چکے تھے۔ وہ دور جس میں مولانا آزاد کے ''الہلال''، ''البلاغ'' مولانا محمد علی جوہر کے ''ہمدرد'' اور ''کامریڈ''، علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی، مولانا ظفر علی خان کے ''زمیندار'' اور تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون اور تحریک ''ہندوستان چھوڑ دو'' جیسی تحریکوں نے ہر اس شخص کو جس کے دل میں وطن عزیز کے لیے تھوڑا سا بھی جذبہ قربانی، سرفروشی کی تمنا لے کر سڑکوں پر کھینچ لایا تھا اور عالم یہ تھا کہ تاجروں نے تجارت چھوڑ دی، کسانوں نے ہل، علماء نے مدارس اور ملازمین نے اپنی سرکاری ملازمتوں کو چھوڑ کر ساری قوم استعمار کے آگے سینہ سپر ہو گئی تھی۔ بھلا ایسے حالات میں محمد اسحاق بھٹی تحریک آزادی وطن سے اپنا دامن کیسے بچا سکتے تھے۔

آپ نے استخلاص وطن کے لیے اپنی ریاست کی ''پرجا منڈل'' میں شمولیت اختیار کرلی، جس کے صدر اس زمانے میں گیانی ذیل سنگھ تھے، جو بعد میں مشرقی پنجاب کے

وزیراعلیٰ ، پھر مرکزی حکومت میں وزیرداخلہ اور پھر 1982ء سے لے کر 24 جولائی 1987 کے درمیانی وقفے میں ہندوستان کے صدر جمہوریہ بنے۔اوراس کے سیکرٹری ہمارے ممدوح مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب تھے،اس ''پرجامنڈل'' کو آزادی کی صبح تک کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور کس مدوجزر سے گزرنا پڑا بھٹی صاحب نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ''نقوش عظمت رفتہ'' میں اپنے دوست اور تحریک آزادی کے ہم سفر گیانی ذیل سنگھ کے تذکرے میں اس خوب صورتی سے بیان کی ہے کہ اس دور کی مشرقی پنجاب کی ساری جدوجہد آزادی کا حسین مرقع آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''دوسری جنگ عظیم کے بعد 1945ء کے آخر میں پنجاب کی ریاستوں میں پھر تحریک آزادی شروع ہوگئی۔ یہ تحریک بہت زوردار تھی اور 1946ء میں اس نے شدت اختیار کر لی تھی۔ ہماری ریاست بھی اس تحریک کی زد میں آ چکی تھی۔ ریاست میں دفعہ 144 نافذ تھی اور جلسے جلوس کی قطعی ممانعت۔ان حالات میں طے کیا گیا کہ دفعہ 144 توڑی جائے،سول نافرمانی شروع کردی جائے اور پانچ پانچ آدمی گرفتاریاں پیش کریں۔ اس کے لیے پہلے تو ہم لوگ فیروز پور گئے،وہاں گھوکھلے ہال میں سائبان نصب کیے اور ڈیرہ لگالیا،پھر فرید کوٹ شہر کے ریلوے اسٹیشن کو مرکز بنایا گیا جوانگریزی علاقہ ہونے کی وجہ سے ریاستی حکومت کی دسترس سے باہر تھا۔جون کا مہینہ گرمی کی شدت سے تپ رہا کہ دن کے گیارہ بجے پانچ آدمیوں کا پہلا جتھا نعرے لگاتا ہوا آیا اور ریلوے لائن عبور کر کے ریاست کی حد میں داخل ہوگیا۔اس جتھے میں دو مسلمان،میں (محمد اسحاق بھٹی) اور قاضی عبیداللہ (جن سے فرید کوٹ جیل میں گیانی ذیل سنگھ نے اردو اور قرآن پڑھنا سیکھا تھا) دو سکھ بھائی دیال سنگھ اور لہنا سنگھ اور ایک ہندو چیتن دیو شامل تھے۔ جہاں ہمیں فی الفور گرفتار کرلیا گیا، گرفتاری کی اس تقریب میں بے شمار لوگ جمع تھے جو ریاستی حکومت کے خلاف اور گرفتاری دینے والوں کے حق میں زوردار نعرے لگارہے تھے۔ کچھ مسلمان،سکھ اور ہندو ایسے بھی تھے جو چند گز کے فاصلے پر ریلوے اسٹیشن کے اندر کھڑے ہماری مخالفت میں تقریریں کررہے تھے۔ایک مولوی صاحب فرید کوٹ کے سکھ حکمران ہراندر سنگھ کو ''اولوالامر'' قرار دے کر اس

کی اطاعت کا اعلان فرما رہے تھے۔ ان تقریروں کا ہمارے بعض ساتھی اسی لب و لہجے میں جواب دینا چاہتے تھے، لیکن ہم سب کو خاموش رہنے کی تلقین کرتے رہے کہ یہ لوگ ہمیں اشتعال دلا کر تحریک کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، ہمارا فرض ہے کہ حالات کا پورے صبر و تحمل کے ساتھ مقابلہ کریں اور ہر صورت میں امن و شانتی کی فضا برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔"

فریدکوٹ جیل سے رہائی

اپنی رہائی کے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں:

"فریدکوٹ کے داروغہ جیل کا نام عجائب سنگھ تھا۔ بہت شریف اور نرم آدمی تھا، حتی الامکان کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا تھا۔ ایک دن دس بجے کے قریب وہ ہمارے پاس آیا اور کہا: میں صابن بھیج رہا ہوں، مہربانی کر کے آج آپ اپنے کپڑے دھولیں۔" ہم اس پر متعجب ہوئے کیوں کہ آج صابن ملنے والا دن (اتوار) نہیں تھا۔ دوسرے دن دس بجے کے قریب عجائب سنگھ آیا اور کہا: مہربانی فرما کر میرے ساتھ چلیے۔ وہ ڈیوڑھی میں لے گیا، ہم نے دیکھا کہ ایک گورے چٹے صاحب کھدر پوش وہاں تشریف فرما ہیں۔ ان کے ساتھ ریاست کے چیف سیکرٹری رام سنگھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر یہ دونوں صاحبان کھڑے ہو گئے اور سب سے ہاتھ ملائے۔ کھدر پوش آدمی نے چیف سیکرٹری سے کہا: "آپ تشریف لے جائیے میں ان سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

میں سمجھا کہ یہ بھیم سین سچر ہوں گے لیکن انھوں نے بتلایا: میرا نام سیف الدین کچلو ہے اور میں پنجاب کانگریس کا صدر ہوں۔" میں نے ان سے کہا: "پنجاب کانگریس کے صدر تو مولانا سید محمد داؤد غزنوی تھے۔" انھوں نے بتایا: نئے انتخابات میں مولانا داؤد غزنوی صدر نہیں رہے، اب یہ ذمہ داری مجھ پر ڈال دی گئی ہے۔ ڈاکٹر کچلو نے بتایا کہ باہر تحریک زوروں پر چل رہی ہے، حالات کا جائزہ لینے کے لیے کانگریس ہائی کمان نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ ایک دو دن میں پنڈت جواہر لال نہرو یہاں آ رہے ہیں، وہ مہاراجا سے گفتگو کریں گے، پرجا منڈل کے مطالبات مان لیے جائیں گے اور آپ لوگوں کو رہا کر دیا جائے گا۔

کچھ عرصے کے بعد پنڈت نہرو فرید کوٹ آئے، لیکن ریاست میں دفعہ 144 نافذ تھی، وہ بذریعہ ریل آئے۔ بہت بڑا ہجوم ان کے استقبال کے لیے فرید کوٹ کے ریلوے اسٹیشن پر جمع تھا۔ وہ ہجوم کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے شہر میں داخل ہونے لگے تو فیروز پوری دروازے پر ایک ہندو مجسٹریٹ کھڑا تھا۔ اس نے ان کو کاغذ دکھایا اور کہا کہ شہر میں دفعہ 144 نافذ ہے، آپ اندر نہیں جا سکتے۔ پنڈت جی نے کاغذ کا وہ پرزہ اس کے ہاتھ سے پکڑا اور اسے پھاڑ کر زمین پر پھینکتے ہوئے کہا: ''ہم اس طرح کے کاغذ کے پرزوں کو اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ پھر ہجوم سے مخاطب ہو کر بولے: بڑھو نوجوانو! اس کے بعد وہ غلہ منڈی گئے اور وہاں جا کر تقریر کی۔ بعد ازاں راجہ فرید کوٹ ہراندر سنگھ نے اپنی کار بھیجی اور پنڈت جی کو اپنے محل میں آنے کی دعوت دی۔ وہ وہاں گئے اور دونوں نے باہم بات چیت کی۔ اس کے نتیجے میں ہمیں رہا کر دیا گیا۔ [1]

یہ بھٹی صاحب کی دوسری گرفتاری تھی، جب کہ اس سے پہلے بھی وہ 1939ء میں وطن عزیز کی آزادی کے لیے کچھ عرصہ فیروز پور جیل میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل چکے تھے۔ گویا بھٹی صاحب نے سیاست میں قدم اس دور میں رکھا تھا جس کے متعلق شورش کاشمیری مرحوم نے فرمایا تھا:

ہم نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا
جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں

تقسیم ملک کے بعد

تقسیم ملک کے بعد کیا بیتی؟ آپ خود اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

14 اگست 1947ء کو ملک تقسیم ہو گیا تو 21 اگست 1947ء کو ہم اپنے قدیم مسکن سے نکلے اور قصور آ گئے۔ ایک مہینہ دس دن وہاں رہے۔ پھر اپنے خاندان کے ساتھ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کی تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر 53 گ۔ ب

---

[1] نقوش عظمت رفتہ ص 555-556

منصور پور آ گئے، یہ وہی لائل پور ہے جسے ہم نے مسلمان بنا کر "فیصل آباد" کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔ کافر کو مسلمان بنایا جائے تو سنا ہے بہت ثواب ہوتا ہے۔ چنانچہ حصول ثواب کے لیے ہم نے بے شمار گلیوں، محلوں، سڑکوں اور دیہاتوں، قصبوں اور شہروں کو مسلمان بنا دیا ہے۔ اور اللہ کی مہربانی سے اس طرح ہم جنتی ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں سکولوں، کالجوں کو بھی ہم نے دائرۂ اسلام میں داخل کر لیا ہے۔ اور اس طرح جنت الفردوس میں داخلہ اپنے لیے پکا کر لیا ہے۔ ہمارے موجودہ گاؤں کو چک 53 گ۔ ب ڈھیسیاں بھی کہا جاتا ہے۔

بہر حال جب ہم گھر سے نکلے تو کوئی چیز ہمارے پاس نہیں تھی، نہ کوئی کپڑا، نہ کوئی چھوٹا بڑا برتن۔ میری عربی، اردو، فارسی کی تین سو کے قریب کتابیں تھیں وہ بھی وہیں رہ گئیں اور دو سندیں بھی جو مشفق ترین اساتذہ نے انتہائی کرم فرماتے ہوئے، اس کم علم اور بے عمل کو عطا فرمائی تھیں، کتابوں میں رہ گئیں۔ ❶

بھٹی صاحب یہ بیان کرتے ہیں:

24 جولائی 1948 کو مرکزی جمیعت اہل حدیث مغربی پاکستان کا قیام لاہور میں عمل میں آیا تو کرم فرما اساتذہ (حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ) کے کہنے پر مجھے اس کا ناظم دفتر بنا دیا گیا۔ اس کے صدر حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ تھے۔ پھر 19 اگست 1949ء کو گوجرانوالا سے جب ہفت روزہ الاعتصام جاری ہوا تو اس کے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندویؒ کو مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے اس اخبار کا معاون مدیر بنا دیا گیا۔ یہ میری زندگی کا نیا تجربہ اور نیا دور تھا۔ مجھے لکھنے پڑھنے سے دلچسپی تھی اور یہ دلچسپی بہت جلد میرا پیشہ بن گئی۔ ❷

---

❶ ص: 21 ❷ خودنوشت سوانح حیات ص: 27

میدان صحافت میں

حالات نے کروٹ لی اور 15 مئی 1951ء کو مولانا محمد حنیف ندوی ریسرچ فیلو کی حیثیت سے ادارہ ثقافت اسلامیہ (لاہور) سے منسلک ہو گئے۔ ان کی جگہ بھٹی صاحب کو ''الاعتصام'' کا ایڈیٹر بنا دیا گیا۔ آپ پندرہ سال تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ اس دور میں بے شمار علماء و زعماء سے میل ملاقات اور گفتگو کے مواقع ملے، جن سے آپ نے خوب استفادہ کیا۔ اور اس دوران آپ نے ''الاعتصام'' کے کئی خاص نمبر شائع کیے، جن میں فروری 1956ء کو شائع ہونے والا ''حجیت حدیث نمبر'' اور مئی 1957ء کو شائع ہونے والا 1857 نمبر قابل ذکر ہے، جو کہ جہاد آزادی کا ایک اہم تحقیقی باب اور برصغیر کی سیاسی دستاویز ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی عید نمبر اور آئین نمبر وغیرہ کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ اخبار الاعتصام کے دفتر کے متعلق دلچسپ معلومات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بڑے سائز کے سولہ صفحات کے اخبار کا میں خود ہی خاکروب، خود ہی چپراسی، خود ہی کلرک، خود ہی منیجر اور خود ہی ایڈیٹر تھا۔ یعنی ان تمام مناصب پر میں اکیلا قابض تھا'' الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے بڑی توفیق عطا فرمائی تھی۔ اسی دوران جنوری 1958ء اپنا ذاتی اخبار سہ روزہ ''منہاج'' جاری کیا جو اپریل 1959ء تک جاری رہا۔ نیز اس دوران بھٹی صاحب روزنامہ ''امروز'' میں کئی سال تک مضمون نویسی اور کالم نگاری کرتے رہے۔ نیز مشہور صحافی جناب مجیب الرحمٰن شامی کے ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' میں ایک عرصے تک شخصیات پر سلسلہ تحریر جاری رکھا۔ کچھ مدت ان کے روزنامہ ''پاکستان'' میں لکھتے رہے۔''

پھر حالات نے ایک اور پلٹا کھایا تو 30 مئی 1965ء کو اخبار ''الاعتصام'' کی ادارت سے مستعفی ہو کر چند ماہ حضرت مولانا سید محمد داود غزنویؒ کے صاحب زادے سید ابوبکر غزنویؒ کے ساتھ مل کر ہفت روزہ ''توحید'' جاری کیا، پھر 18 ستمبر 1965ء کو اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی

21 اکتوبر 1965ء کو مشہور تحقیقی ادارہ ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' نے بغیر کسی

درخواست کے ریسرچ سکالر کی حیثیت سے بھٹی صاحب کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ وہ ادارہ ہے جو برصغیر کے معروف محققین کا مرکز تھا جن میں شیخ محمد اکرام، مولانا محمد حنیف ندوی، سید جعفر شاہ پھلواروی، رئیس احمد جعفری وغیرہم شامل رہے۔ یہ ایک نیم سرکاری ادارہ تھا، جس میں بھٹی صاحب کو خالص تحقیقی میدان سے واسطہ پڑا۔ آپ کے لیے یہ علم کی نئی وادی تھی جس میں آپ کو قدم رنجہ ہونے کا موقع ملا۔ اس ادارے میں آ کر بھٹی صاحب کے علمی جوہر ایسے کھلے کہ میدان تحقیق کے متوالوں کے لیے علم کا ایک دبستان وجود میں آ گیا۔ اس ادارے سے آپ بتیس (32) سال وابستہ رہے اور اس دوران آپ کے رشحات قلم سے مندرجہ ذیل کتابیں معرض وجود میں آئیں، ان میں سے کچھ آپ کے اشہب قلم کی عطر بیزیاں ہیں اور کچھ قدیم کتابوں کا ترجمہ، تحقیق اور تعلیق:

1۔ الفہرست: محمد بن اسحاق بن ندیم الوراق البغدادی (متوفی 391ھ) کی عربی تالیف ہے، جو بہت سے علوم وفنون اور ان کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ نو سو چودہ (914) صفحات پر مشتمل اس کتاب کا آپ نے ترجمہ کیا۔ بے شمار مقامات پر حواشی لکھے اور اشاریہ بنایا، یہ کتاب 1969ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ سے چھپی۔

2۔ برصغیر میں علم فقہ: صفحات: 400

3۔ فقہائے پاک وہند (دس جلدوں میں): 3650 صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی تک کے فقہائے کرام کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اپنے موضوع کی یہ واحد کتاب ہے جو برصغیر کے علما وفقہا کے بارے میں اردو میں لکھی گئی۔ اس موضوع پر آپ نے پاکستان کی سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب ایس اے رحمان صاحب کے مشورے سے قلم اٹھایا۔

4۔ برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش: صفحات 224 طبع 1989ء۔

5۔ ارمغان حنیف: آپ کے استاد محترم مولانا محمد حنیف ندوی کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ صفحات: 371 طبع 1989ء۔

6۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علما کا حصہ (1857ء تک کے شمالی ہند کے علما پر مشتمل ہے): یہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب کی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا، جسے آپ نے

ایڈٹ کیا، اس پر مقدمہ لکھ کر ادارہ ثقافت اسلامیہ سے شائع کرایا۔ صفحات 224 طبع 1989ء۔

7- شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کی علمی خدمات: یہ ڈاکٹر ثریا ڈار (سابق چیئرپرسن شعبہ عربی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور) کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جسے بھٹی صاحب نے ایڈٹ کیا اور اس کی عربی و فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا اور اس پر مقدمہ لکھا اور پھر "ادارہ ثقافت اسلامیہ" نے شائع کیا۔ صفحات: 325، طبع 1991ء۔

8- شروح صحیح بخاری: یہ محترمہ غزالہ حامد کا ایم اے کا مقالہ ہے جسے بھٹی صاحب نے ایڈٹ کر کے عربی و فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا۔ نیز ان شروحات کا تذکرہ بھی کیا جسے مقالہ نگار نے ذکر نہیں کیا، پھر اس پر مقدمہ لکھا اور "ادارہ ثقافت اسلامیہ" نے شائع کیا۔ صفحات 175، طباعت 1991ء۔

9- پیغمبر انسانیت: نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر مولانا سید جعفر شاہ پھلواروی کی تصنیف، جسے بھٹی صاحب نے ایڈٹ کر کے اور عربی عبارتوں کا ترجمہ کر کے ادارہ ثقافت اسلامیہ کو اشاعت کے لیے دیا۔ پھر اس پر مقدمہ لکھ کر شائع کیا۔ صفحات 550، طباعت 1975ء۔

10-- فقہ عمر: مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہرویؒ کا ترجمہ، نظر ثانی اور ایڈیٹنگ کے بعد "ادارہ ثقافت اسلامیہ" سے شائع کیا۔ صفحات 400، طباعت 1975ء۔

11-- ماہنامہ "المعارف" یہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے نشر ہونے والا ماہانہ رسالہ تھا، جس میں خالص تحقیقی مقالات شائع ہوتے تھے، بھٹی صاحب اس علمی مجلے کے بائیس سال ایڈیٹر رہے۔ اس دوران آپ نے سینکڑوں اداریے، مضامین، کتابوں پر نقد و تبصرے وغیرہ اس رسالے میں لکھے۔

اس طرح بتیس سال اس ادارے میں مختلف طرح کی علمی و تحقیقی خدمات انجام دینے کے بعد 16 مارچ 1996ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے سبک دوش ہو گئے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازمت کے بتیس سال کے عرصے میں، بھٹی صاحب نے ادارہ سے ہٹ کر اپنے طور پر جو کتابیں تصنیف فرمائیں، جو مقالے لکھے، اس کی تفصیل

تب ذکر بہ

1-- جمع وتدوین قرآن: مقالہ برائے اردو دائرہ معاف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، طباعت:1976ء

2-- فضائل قرآن: مقالہ برائے اردو دائرہ معاف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی طباعت:1976ء

3-- مضامین قرآن: مقالہ برائے اردو دائرہ معاف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی طباعت:1976ء

4--واقعات وقصص قرآن: مقالہ برائے اردو دائرہ معاف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی طباعت:1976ء

5-- اعجاز قرآن: مقالہ برائے اردو دائرہ معاف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی طباعت:1976ء

ان مقالات کے علاوہ متعدد موضوعات پر اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کی مختلف جلدوں میں تیس بتیس مقالات شائع ہوئے۔

6-- قصوری خاندان: اس کتاب کا تعلق مشہور وکیل اور مجاہد آزادی مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم اور ان کے فرزندان گرامی مجاہد آزادی مولانا محی الدین احمد قصوری (والد معین قریشی سابق نگران وزیر اعظم پاکستان) مولانا محمد علی ایم اے کینٹب قصوری، مولانا احمد علی قصوری اور میاں محمود علی قصوری (سابق وزیر قانون پاکستان)، کے تذکرے، ملک وملت اور وطن عزیز کے لیے ان کی ناقابل فراموش خدمات پر مشتمل ہے۔ صفحات 208 طباعت 1994ء

بھٹی صاحب کی دیگر کتابیں

''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد مندرجہ ذیل کتابیں تحریر فرمائیں:

1-- لسان القرآن جلد سوم: یہ کتاب قرآن مجید کی توضیحی لغت کے متعلق ہے۔

اس کی پہلی اور دوسری جلد مولانا محمد حنیف ندوی کی تحریر فرمودہ ہے۔ ان کی وفات کے بعد بھٹی صاحب نے اس کتاب کی تیسری جلد تحریر فرمائی۔ صفحات 342۔

2-- چہرہ نبوت قرآن کے آئینے میں: قرآن کریم کی روشنی میں رسول اکرم کی سیرت طیبہ، صفحات: 336، طبع 1999ء۔

3-- میاں فضل حق اور ان کی خدمات: یہ کتاب شخصیات کے ذیل میں آتی ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ صفحات: 243 طباعت 1997ء

4-- نقوش عظمت رفتہ: مختلف شخصیات کے تذکروں کا مجموعہ، صفحات 640 طباعت 1996ء

5-- بزم ارجمنداں: مجموعہ شخصیات صفحات: 630

6-- کاروان سلف: تذکرہ شخصیات صفحات 527 طباعت 1999ء

7-- قافلہ حدیث: منتخب شخصیات کا دلچسپ تذکرہ۔ صفحات 645 طباعت 2003ء

8-- اسلام کی بیٹیاں: بہت سی صاحب عزم تاریخی خواتین کا تذکرہ۔ صفحات 560 طباعت 2003ء

9-- برصغیر میں اہل حدیث کی آمد: صفحات: 348 طباعت 2004ء

10-- لشکر اسامہ کی روانگی: ڈاکٹر فضل الٰہی کی عربی کتاب کا ترجمہ: صفحات 126 طباعت 2000ء

11-- سیدنا ابوبکر صدیقؓ سیرت صدیق پر محمد حسین ہیکل مصری کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ۔ صفحات 620 طباعت 1998ء

12-- ریاض الصالحین: حدیث کی مشہور ضخیم کتاب کا اردو ترجمہ مع حواشی دو جلدوں میں۔

13-- ارمغان حدیث: معاملات سے متعلق سو منتخب احادیث کا مجموعہ مع ترجمہ وحواشی صفحات: 272

14-- سوانح قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ: سیرت نبوی کی مشہور کتاب

''رحمۃ للعالمین'' کے نامور مصنف، علاوہ ازیں کئی ایک کتابوں کے مصنف اور سابق ریاست پٹیالہ کے سیشن جج علامہ محمد سلیمان سلمان منصور پوری کے حالات زندگی کا حسین مرقع۔ صفحات 496۔

15-- سوانح صوفی عبداللہ: دارالعلوم تعلیم الاسلام اموں کانجن کے بانی مشہور مجاہد آزادی اور بزرگ حضرت صوفی عبداللہ کی سوانح حیات، صفحات 450، طباعت 2005ء

16-- میاں عبدالعزیز مالواڈہ بارایٹ لاء: برصغیر کی مشہور سیاسی اور سماجی شخصیت میاں عبدالعزیز مالواڈہ کا سوانحی خاکہ ہے۔ صفحات: 600

17-- برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن: اس کتاب میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے ان اہل حدیث علما کا تذکرہ ہے جنھوں نے قرآن مجید سے متعلق خدمات انجام دیں۔ صفحات 700 طباعت 2006ء

18-- محفل دانش منداں: مختلف علمی و ادبی شخصیات کے خاکوں کا مجموعہ صفحات 600 (زیر طبع)۔

19-- دبستان حدیث: برصغیر کے ان اہل حدیث علمائے کرام کا تذکرہ، جنھوں نے حدیث یا شروح حدیث یا فتاویٰ پر کام کیا، یا تدریسی خدمات انجام دیں۔ بڑا سائز صفحات 674

20-- گلستان حدیث: کمپوز ہو رہی ہے، صفحات تقریباً: 600

21-- ہفت اقلیم: برصغیر کی سات معروف شخصیتوں کے مفصل حالات۔ صفحات: 500

اپنی تحریروں کے خلاصے کے طور پر بھٹی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

میری اب تک کی تحریرات حسب ذیل نوعیت کی ہیں:

- تصانیف و تراجم
- اخباری مضامین و مقالات
- اخباری اداریے و شذرات

بہت سی کتابوں پر مقدمات

یہ تمام تحریریں اگر کتابی سائز میں منتقل کی جائیں تو چالیس ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہوں۔ ریڈیو کی 35,34 سال کی تقریروں کے بے شمار صفحات ان کے علاوہ ہیں۔ متعدد کتابوں کی ایڈیٹنگ (ادارت) بھی اس میں شامل نہیں۔

یہ تھی بھٹی صاحب کی کتابوں کی کچھ تفصیل جو آج الحمدللہ دنیا کے کونے کونے میں پہنچی ہوئی ہیں، جو کہ قارئین کو نہ صرف متاثر کرتی ہیں بلکہ اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہیں اور پھر میری طرح انہی کا ہو جاتا ہے۔ بقول متنبی

و ما الدهر الا من رواة قصائدی

اذا قلت شعراً اصبح الدهر منشدا

زمانہ بھی صرف میرے ہی قصائد کا راوی ہے، جب میں کوئی شعر کہتا ہوں تو سارا زمانہ اسی کو گنگنانے لگتا ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی کے پروگرام

25 دسمبر 1965ء (یکم رمضان المبارک 1385ھ) کو ریڈیو پاکستان لاہور سے بھٹی صاحب کی پہلی تقریر نشر ہوئی۔ اس کے بعد ریڈیو تقریروں کا ایک سلسلہ چلا۔ کبھی کبھی ایک دن کے مختلف پروگراموں میں تین تین تقریریں بھی ہوئیں۔ کبھی پنجابی پروگرام، کبھی صراط مستقیم، کبھی آیات بینات، کبھی فوجیوں کا پروگرام، کبھی کتابوں پر تبصرے، کبھی سوہنی دھرتی، کبھی کسی مذاکرے میں شمولیت اور کبھی اور کوئی پروگرام۔

ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان لاہور کی طرف سے "ہفتہ حدیث" منایا گیا، اس کے ارباب انتظام نے سات مقرروں کو چنا، جن میں سے ایک بھٹی صاحب بھی تھے۔ ہر تقریر کا دورانیہ 35 منٹ کا تھا۔ بھٹی صاحب نے "حدیث اور اسماء الرجال" کے موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ یہ تقریر متعدد مرتبہ ریڈیو پر نشر ہوئی۔

ایک مرتبہ مسلسل پندرہ روز کا سیرت پروگرام دیا گیا، جس میں بھٹی صاحب کو سیرت النبی کی مشہور کتاب "رحمۃ للعالمین" کی تلخیص پیش کرنی تھی۔ یہ روزانہ پندرہ منٹ

کا پروگرام تھا۔ پھر اسی پروگرام کو اسی انداز سے پنجابی میں پیش کرنے کو کہا گیا۔ اس پروگرام کو اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں بھٹی صاحب نے بہترین انداز میں پیش کیا۔

ریڈیو پاکستان لاہور نے ''زندہ تابندہ'' پروگرام شروع کیا تو اس کے منتظمین نے بھٹی صاحب سے اصرار کیا کہ وہ اس پروگرام میں اہم فوت شدہ شخصیات کا تذکرہ کریں۔ موصوف نے مسلسل 45 دن یہ پروگرام کیا، اور اس میں شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی، مولانا شرف الدین دہلوی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، حافظ عبدالمنان وزیرآبادی، مولانا عبدالجبار غزنوی n جیسی متعدد شخصیات کا تذکرہ کیا۔

بھٹی صاحب کو پہلی مرتبہ 27 جولائی 1972ء کو ٹی وی پر ''بصیرت'' پروگرام کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس کے بعد بارہا آپ نے ٹی وی پر متعدد پروگرام پیش کیے۔ شرعی عدالت کی طرف سے بھٹی صاحب کو اطلاع آئی کہ وہ آپ کو اہم شرعی مسائل میں مشیر مقرر کرنا چاہتی ہے۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس سے میرے تصنیفی کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔

ایک مرتبہ خود اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور بھٹو دور کے سابق وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی مرحوم نے بھٹی صاحب سے ان کے دفتر ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' میں آکر آپ سے کونسل کی رکنیت قبول کرنے کے لیے اصرار کیا۔ یہ وہ عہدہ ہے جس کے حصول کے لیے لوگ واسطے وسیلے لڑاتے ہیں، لیکن بھٹی صاحب کی درویشی کہ آپ نے اپنی علمی مشغولیتوں کے پیش نظر معذرت کر لی۔

یہ تھے بھٹی صاحب کے کچھ مختصر حالات، آپ نے اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ دین اسلام کی خدمت، جماعت اہل حدیث اور رجال اہل حدیث کی تاریخ نویسی میں لگا دیا۔ عموماً اہل قلم لکھنے میں کچھ اور، دیکھنے میں کچھ اور ہوتے ہیں۔ کئی ایسے علماء ہیں جن کی تحریروں سے ایک دنیا متاثر ہے، لیکن جب صاحب تحریر سے ملاقات کی تو وہ عبوسا قمطریرا اور انتہائی خشک مزاج ثابت ہوئے۔ لیکن ہمارے یہ ممدوح اپنی تحریر کے سچے سفیر ہیں۔ جس طرح ان کا قلم زعفران زار ہے، اسی طرح آپ بھی نہایت سادہ اور شگفتہ مزاج ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسے ''خوش طبع'' لوگ باربار پیدا نہیں ہوتے۔ شاید انہی کے لیے میر

نے کہا:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

شاید میر مرحوم کو حالات نے "پراگندہ طبع" کردیا ہو۔لیکن ہمارے اس ممدوح کو حالات کی سختی، بڑھتی عمر، اشغال کے ہجوم اور بے پناہ مصروفیتوں نے "خوش طبع" اور شاکر و صابر بنادیا۔سچ ہے:

رنج کا خوگر ہو انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر اتنی پڑیں کہ آساں ہو گئیں

موصوف اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسان، کرم نوازیوں اور نوازشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں ایک غریب اور غیر معروف خاندان کا غریب اور غیر معروف فرد ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے علمی حلقوں میں بے حد اعزاز بخشا۔میں پوری طرح اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔بعض دفعہ اس قسم کی باتیں ذہن میں آتی ہیں تو آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ کہاں یہ فقیر اور کہاں اللہ عزوجل کی رحمت بے پایاں۔

مرکز دعوۃ الجالیات (جمعیت اہل حدیث) کویت نے محترم مولانا بھٹی صاحب کو کویت بلا کر، جماعت اہل حدیث کے لیے ان کی بے مثال اور شان دار خدمات پر اعزاز عطا کرنے کا فیصلہ کیا۔رئیس مرکز محترم شیخ عارف جاوید محمدی نے مولانا موصوف کے کویت آمد کی راہ ہموار کی۔نیز مرکز کے تمام احباب اور شیوخ بالخصوص محترم شیخ عبدالخالق، محترم عبداللہ شاد، حاجی حبیب الرحمٰن، حاجی ارشد صاحب، شیخ بشیر الطیب، حاجی امین صاحب، حاجی مظہر ریاض، جناب ابوکلیم، جناب ملک جاوید، شیخ کفایت اللہ اور راقم الحروف نے اس کے لیے بھرپور تیاریاں کیں۔پھر مورخہ 3 جولائی 2008 کو بروز جمعرات بعد نماز عشاء جمعیت احیاء التراث الاسلامی قرطبہ کے پروگرام ہال میں ایک خصوصی اجلاس منعقد کیا۔ ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔لوگ بھٹی صاحب کو دیکھنے اور ان کی گفتگو سننے کے لیے امڈ پڑے تھے۔شوق کا عالم یہ تھا کہ گویا:

آہٹ پہ کان، در پہ نظر، دل میں اشتیاق
کچھ ایسی بے خودی ہے تیرے انتظار میں

اس مبارک اجتماع میں دینی، دعوتی اور رفاہی کاموں کی عالمی تنظیم جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کے رئیس، قافلہ خیر کے میر کاروان فضیلۃ الشیخ طارق سامی سلطان العیسی نے مرکز الدعوۃ الجالیات کی جانب سے ''مورخ اہل حدیث'' والی شیلڈ محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی خدمت میں پیش کی ۔ اس اجتماع کو فضیلۃ الشیخ دکتور وائل الحساوی، نائب رئیس جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، فضیلۃ الشیخ فلاح خالد فلاح المطیری، رئیس لجنۃ القارۃ الہندیہ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز المفرج، رکن لجنۃ القارۃ الہندیہ، مشہور کویتی محقق فضیلۃ الشیخ محمد ناصر العجمی اور برصغیر کے معروف عالم دین اور محقق محترم شیخ صلاح الدین مقبول احمد حفظہم اللہ نے اپنی آمد اور حاضری سے رونق بخشی۔

اخیر میں ہم بھٹی صاحب کی ساٹھ سالہ علمی، دینی، تاریخی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ موصوف کے علم، قلم اور صحت و زندگی میں برکت عطا کرے۔ آپ کو دین حنیف کی مزید خدمت کی توفیق دے اور آپ کی شخصیت کو ہمیشہ سدا بہار رکھے۔ بقول: فضا ابن فیضی:

خدا کرے فضا یونہی یہ خواب جاگتے رہیں
یہ خوشبوئیں جواں رہیں گلاب جاگتے رہیں
ہنروران سنت ، آفتاب جاگتے رہیں
اسی یقین و آگہی کا سوز جاوداں ہیں ہم

مجلّہ علم وآگہی (کراچی) کا ایک اقتباس

بھٹی صاحب اکتوبر 1965ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہوئے تھے۔ ادارے میں سب سے پہلے انھوں نے چوتھی صدی ہجری کے مصنف محمد بن اسحاق ابن الندیم کی کتاب ''الفہرست'' کا ترجمہ کیا اور اس پر حواشی لکھے۔ یہ کتاب ساڑھے نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر ''برصغیر میں علم فقہ'' لکھی۔ یہ کتاب کم وبیش چار سو صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ 1973ء میں مجلّہ ''علم وآگہی'' (گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی) کا ایک خصوصی نمبر شائع ہوا تھا جس میں پاکستان کے مختلف علمی وادبی اداروں کا تعارف کرایا گیا تھا۔ یہ رسالہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے مرتب کیا تھا۔ اس میں ایک مضمون کالج کے شعبہ معاشیات کے پروفیسر محمد فاروق سبحانی کا ''ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور'' کے عنوان سے چھپا تھا، جس میں ادارے کے سکالروں اور مصنفوں کی علمی کاوشوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہ بھٹی صاحب کی جوانی کا دور تھا۔ مضمون میں ان کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے: (مرتب)

''ادارے سے ایک فاضل نوجوان محمد اسحاق بھٹی وابستہ ہیں۔ ادارے کی جانب سے ابھی تک ان کی دو علمی کاوشیں منظر عام پر آئی ہیں۔ ایک محمد بن اسحاق ابن الندیم کی تالیف ''الفہرست'' کا اردو ترجمہ۔ یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم وفنون، سیر ورجال اور کتب ومصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس جامع اور عجیب وغریب کتاب سے علم کا کوئی جویا اور تحقیق کا ذوق رکھنے والا کوئی شخص یا علمی، تعلیمی ادارہ وکتب خانہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ بھٹی صاحب کی دوسری علمی کاوش ''برصغیر پاک وہند میں علم فقہ'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں فاضل مؤلف نے فقہ اور اصول فقہ کی پوری تاریخ، ارتقا، مسلمانوں کی خدمات اور پھر برصغیر پاک وہند میں علمائے اسلام کی فقہی خدمات کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ اس کے بعد گیارہ نادر فقہی مخطوطات ومطبوعات کی علمی، فقہی حیثیت کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ آخری کتاب جس پر فاضل مؤلف نے داد تحقیق دی ہے ''فتاویٰ عالم گیری'' ہے۔ موصوف نے جس عالمانہ اور محققانہ بصیرت کے ساتھ اس کی تاریخ، تالیف، ترتیب، مباحث، اہتمام تحقیق وتصحیح اور مرتبین فتاویٰ کی علمی حیثیت اور ان کی خدمات پر لکھا ہے، اردو میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ اس سے مؤلف کے تصنیف وتالیف کے اعلیٰ ذوق، مطالعہ ونظر کی وسعت اور کمال دیانت علمی کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی... ایک عہد ساز شخصیت

ملک عبدالرشید عراقی نامور اہل قلم ہیں۔ سیر وسوانح اور کئی دیگر موضوعات پر ان کی پچاس (50) سے اوپر کتب شائع ہو چکی ہیں۔ عراقی صاحب سوہدرہ کے مردم خیز قصبے سے تعلق رکھتے ہیں ان کا شمار معروف لکھاریوں میں ہوتا ہے۔

مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظہ اللہ کے بارے انھوں نے نہایت شگفتہ پیرائے میں اپنا تاثراتی مضمون قلم بند کرکے مرحمت فرمایا ہے۔ اس عنایت پر راقم ان کا تہ دل سے ممنون ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے عراقی صاحب کا مضمون: (مرتب)

پروقار شخصیت، سفید لباس، مناسب قد، پیکر اخلاق واخلاص: یہ ہے مولانا محمد اسحاق بھٹی کی شخصیت۔ میں نے پہلی بار بھٹی صاحب کو 1955ء میں دفتر الاعتصام شیش محل روڈ لاہور میں دیکھا۔ بعد میں ان سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوتی رہی۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی، بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے۔ چائے پلاتے، حال احوال دریافت کرتے۔

بھٹی صاحب اپنے دم سے ایک عہد ساز شخصیت ہیں۔ وہ خود اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ ہیں۔ ان کے دم قدم سے دنیائے علم وادب میں روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ برصغیر (پاک وہند) کی جماعت اہل حدیث کی ایک قیمتی متاع ہیں۔ بھٹی صاحب ایک نہایت اصول پسند، راست گو، حق پرست اور مرنجاں مرنج طبیعت کے نیک سیرت بزرگ ہیں۔ سلامت طبع کی نعمت انھیں وافر ملی ہے۔ اسی سبب سے وہ مخالفت کے طوفان اور حالات کے ہیجان میں بھی کبھی توازن سے محروم نہیں ہوتے۔ بھٹی صاحب اپنوں اور بیگانوں کو کھلے دل سے داد دینے میں بڑے فیاض واقع ہوئے ہیں۔ اور اس کی شہادت ان کی تصانیف بزم ارجمنداں، نقوش عظمت رفتہ، کاروان سلف، قافلہ حدیث، دبستان حدیث، قصوری خاندان، ارمغان حنیف، تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، تذکرہ صوفی محمد عبداللہ اور میاں عبدالعزیز مالواڈا میں مل سکتی ہے۔

بھٹی صاحب میں ایک صفت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، وہ کسی سے کینہ اور بغض نہیں

رکھتے۔ ان کی شخصیت ترغیبات دنیاوی سے بلند ہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں ہوئے۔ موصوف اپنے مسلک اہل حدیث میں متشدد ہیں اور حدیث کے سلسلے میں معمولی سی مداہنت بھی نہیں کرتے اور کبھی بھی حدیث کے سلسلے میں نرم گوشہ اختیار نہیں کرتے۔

بھٹی صاحب کی ایک خاص صفت ان کی سادہ مزاجی، تواضع اور بے تکلفی ہے۔ بھٹی صاحب کی وضعداری بھی قابل ذکر ہے، جس سے ایک دفعہ تعلقات ہو گئے وہ بدستور قائم ہیں اور ان میں آج تک ذرہ فرق نہیں آیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی قدرت کی طرف سے اچھا دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ روشن فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا ذہن پایا ہے۔ ذہانت و ذکاوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حافظے کی غیر معمولی نعمت سے انھیں نوازا ہے۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم ہے۔ تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ ملکی سیاست سے پوری طرح باخبر ہیں اور اس میں اپنی ناقدانہ رائے رکھتے ہیں۔ تحریر میں برجستگی، سلاست اور روانی ہوتی ہے۔ ان کی تحریر سادہ اور حشو و زوائد سے پاک ہوتی ہے۔ مشکل اور دقیق الفاظ استعمال نہیں کرتے ہیں۔

بھٹی صاحب علمائے اہل حدیث میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور مولانا محمد حنیف ندوی رحمہم اللہ اجمعین کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں اور ان چاروں علمائے کرام کے علم و فضل، فہم و بصیرت اور ان کی تحقیق و کاوش کے معترف بھی۔ ان چاروں علمائے کرام میں ان کی زیادہ رفاقت مولانا محمد حنیف ندوی سے رہی ہے جو تقریباً چالیس سال تک محیط ہے۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء حنیف کے حالات بھٹی صاحب نے اپنی کتاب ''نقوش عظمت رفتہ'' میں لکھے ہیں اور مولانا محمد حنیف ندوی کے حالات اپنی دوسری کتاب ''قافلہ حدیث'' میں تحریر کیے ہیں اور ان علمائے کرام کے علمی تبحر اور ان کی سیرت و کردار پر بڑے عمدہ انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ [1] بھٹی صاحب کو جن حضرات

---

[1] مولانا محمد حنیف ندوی کے حالات میں بھٹی صاحب نے ایک مستقل کتاب ''ارمغان حنیف'' کے نام سے ترتیب دی ہے جو کم و بیش چار سو صفحات پر مشتمل ہے (مرتب)۔

میں علم اور تقویٰ نظر آتا ہے، بڑی فیاضی کے ساتھ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ بزرگوں اور دوستوں کے متعلق ہی نہیں بلکہ اپنے عقیدت مندوں تک کے معاملے میں ان کا یہی رویہ ہے۔

بھٹی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ برصغیر (پاک و ہند) کا علمی طبقہ ان کی شخصیت سے بخوبی واقف ہے۔ بھٹی صاحب نے جو علمی خدمات انجام دی ہیں، اس کے فیوض و برکات سے ہزارہا افراد مستفید ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اور انھیں تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ بھٹی صاحب کی شخصیت کو اگر چند لفظوں میں نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے:

> موصوف ایک بیدار مغز مدبر، مفکر، دانشور، مصنف، صحافی، ادیب، مبصر، نقاد، مورخ، محقق، تذکرہ نگار، متبحر عالم ہونے کے ساتھ مخلص و فعال رہنما بھی ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب بحیثیت مصنف برصغیر (پاک و ہند) میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ آپ ہر موضوع پر لکھتے ہیں لیکن تذکرہ نویسی میں انھیں جو مقام حاصل ہے وہ شاید کسی دوسرے مصنف کو کم ہی حاصل ہوگا۔ بھٹی صاحب اپنے منفرد اسلوب اور شگفتہ بیانی کے لیے علمی حلقوں میں مقبول ہیں۔ ان کی تحریروں میں گہرائی بھی ہے اور فکری صلابت بھی۔ حافظہ اتنا قوی اور قلم اتنا سیال ہے کہ معلومات کا دریا موجیں مار رہا ہوتا ہے اور شخصیت اپنے پورے وجود کے ساتھ چلتی پھرتی محسوس ہوتی ہے۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے بھٹی صاحب ایک کریم النفس اور شریف الطبع انسان ہیں۔ اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے ہیں۔ دوستوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کی راحت و تکلیف کا خیال رکھتے ہیں۔ بہت زیادہ خوددار بھی ہیں۔ عفاف و استغنا کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ طبیعت میں قناعت ہے۔ جاہ و مرتبت کے طالب نہیں ہیں۔ کریمانہ اخلاق و ستودہ صفات کے حامل ہیں۔ امیر مینائی کے شعر کی صحیح معنوں میں عملی تفسیر ہیں۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہم ہیں امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

بھٹی صاحب اصلی معنوں میں انسانی اخوت کا مجسمہ اور نکھرا ہوا نمونہ ہیں۔ جتنا انھیں قریب سے دیکھا ہے خوبیاں ہی خوبیاں ملیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور انھیں کتاب و سنت اور مسلک اہل حدیث کی مزید خدمت کا موقع عطا فرمائے (آمین)

بھٹی صاحب کا تعارف جناب محمد عالم مختار حق کے قلم سے

لاہور سے تعلق رکھنے والے جناب محمد عالم مختار حق صاحب مشہور اہل قلم اور کتاب دوست بزرگ ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''گنجینہ مہر'' حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور مولانا غلام رسول مہر مرحوم ومغفور کے تین سو چودہ (314) تحقیقی، علمی اور ادبی خطوط کا دلآویز مجموعہ ہے۔ یہ وہ خطوط ہیں جو مولانا مہر نے مختلف اوقات میں محمد عالم مختار حق صاحب کے استفسارات کے جواب میں ان کے نام لکھے۔ متعدد خطوط پر فاضل مکتوب الیہ نے حواشی تحریر کیے ہیں۔ مولانا مہر صاحب نے ایک خط میں جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب ذکر کیا ہے۔ اس پر مکتوب الیہ نے حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے۔ اس حاشیے میں خوب صورت الفاظ میں بھٹی صاحب کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یاد رہے جناب محمد عالم مختار حق صاحب احناف کے بریلوی نقطہ نظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب ان کے قلم سے بھٹی صاحب کا تعارف پڑھیے۔ (مرتب)

مولانا محمد اسحاق بھٹی مشہور صحافی، علمی، ادبی اور دینی شخصیت ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور کے 1952ء سے 1965ء تک مدیر رہے۔ پھر ''ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور'' کے جریدہ ''المعارف'' کے مدیر مسئول رہے۔ یوں تو ان کے قلم سے ابن ندیم کی مشہور عربی تالیف ''الفہرست'' کا اردو ترجمہ اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے مگر میرے نزدیک ان کا مہتم بالشان کارنامہ برصغیر پاک و ہند کے فقہا کا تذکرہ ہے، جو تیرہویں صدی ہجری تک کے علما وفقہا کے سوانح حیات اور ان کی علمی وفقہی خدمات پر روشنی ڈالتا ہے۔ تذکرہ مذکورہ ابتدائی سات جلدیں ''فقہائے ہند'' کے نام سے موسوم ہیں جب کہ تین جلدیں ''فقہائے پاک و ہند'' کے نام سے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوئیں۔ بھٹی صاحب کی کتاب فقہائے ہند کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عربی میں ''نزہۃ الخواطر'' بے مثال کتاب ہے، اسی طرح یہ اردو میں

اپنے موضوع پر لاجواب ہے۔ بھٹی صاحب کی تحریر نہایت شگفتہ اور رواں دواں ہے۔ جس موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہیں قلم کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ یوں تو ان کے قلم سے سیکڑوں مضامین نکل چکے ہیں مگر ''مولانا مودودی اور ان کی جماعت اسلامی 1941ء سے 1979 تک'' کی چشم دید کہانی کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہ کہانی ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' لاہور کے اکتوبر 1991ء کے شمارے میں اشاعت پذیر ہوئی۔ بھٹی صاحب کو چونکہ جماعت کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کا اعزاز حاصل ہے، اس لیے ان کا تجزیہ ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کے زمرے میں شمار ہو سکتا ہے۔

بھٹی صاحب کی اس مشاہداتی روئداد کا جسے انھوں نے نہایت دیانت داری سے بلاکم وکاست اور بلا خوف لومۃ لائم سپرد قلم کر دیا ہے۔ انداز اتنا دل نشین ہے کہ ایک دفعہ مطالعہ شروع کر دو تو ختم کیے بغیر طبیعت راضی نہیں ہوتی بلکہ ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا تقاضا کرتی ہے۔ انھیں شخصیت نگاری پر خاص ملکہ حاصل ہے۔ اس سلسلے میں ان کی بعض تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

(1) نقوش عظمت رفتہ (2) کاروان سلف (3) برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن (4) قافلہ حدیث (5) قصوری خاندان (6) میاں فضل حق اور ان کی خدمات (7) ہفت اقلیم (8) صوفی محمد عبداللہ (9) بزم ارجمنداں (10) دبستان حدیث (11) تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مؤرخ بے مثال

جناب مولانا محمد خالد سیف صاحب حفظہ اللہ

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظہ اللہ کی محترم شخصیت وطن عزیز کے علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے بلکہ سچ پوچھیے تو ان کی شہرت اب حدِ وطن سے نکل کر بیرونی ممالک کے حدود تک پھیل گئی ہے۔ قیام پاکستان کے تھوڑا عرصہ بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تاسیس و تشکیل کے وقت انھوں نے مرکزی جمعیت کے ناظم دفتر کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا، پھر بہت جلد ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے مدیر و دبیر کی حیثیت سے بھی انھوں نے خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔ اپنی خداداد صلاحیت و قابلیت اور محنت و ریاضت سے ''الاعتصام'' کا مقام اس قدر اونچا کر دیا کہ ملک کے اہم جرائد و مجلات میں اس کا شمار ہونے لگا۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی ادارت سے سبک دوشی کے بعد انھوں نے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی اختیار کر لی۔ اس ادارے میں ان کے علمی و ادبی اور تصنیفی و تالیفی جوہر خوب نکھرے۔ یہاں انھوں نے ادارے کے مجلّہ ''المعارف'' کی ادارت کے فرائض انجام دیے اور ان کے بہت سے مضامین و مقالات بھی اس مجلّے کی زینت بنے۔ ادارہ ثقافت ہی میں انھوں نے چوتھی صدی ہجری کے محقق محمد بن اسحاق کی شہرہ آفاق کتاب ''الفہرست'' کا سلیس و شگفتہ ترجمہ کیا، جو ادارے کی طرف سے طبع ہوا، لیکن میری دانست میں ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' سے وابستگی کے زمانے میں ان کا اصل کارنامہ دس جلدوں پر مشتمل تصنیف لطیف ''فقہائے ہند'' ہے۔ جو برصغیر پاک و ہند کے پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے ہزاروں علماء و فقہاء کے حالات و واقعات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں اپنی خدمات سے سبک دوش ہونے کے بعد انھوں نے ان شخصیات و رجال کی تذکرہ نگاری و خاکہ کشی کو بطورِ خاص اپنا موضوع بنایا، جن سے انھوں نے کسب فیض کیا۔ جن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، جن سے ان کے مراسم وابستہ ہوئے، جن سے ملاقات کی کوئی سبیل پیدا ہوئی یا جنھیں بہت قریب سے دیکھنے کا انھیں موقع میسر آیا۔ اس سلسلے میں ان کے بہت سے مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں، ان کا قلم ماشاء اللہ رواں دواں ہے۔ لہٰذا امید کی جاسکتی ہے کہ ان کے بہت سے تذکرے عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہوں گے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کے پُر بہار قلم نے یوں تو تمام اصحاب کے تذکروں اور خاکوں میں بے حد خوب صورت اسلوب و انداز میں صفحات قرطاس پر نقش و نگار بنائے ہیں مگر ان کی تحریروں میں پانچ عظیم المرتبت شخصیات: (1) حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی (2) حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی (3) حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی (4) حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور (5) حضرت مولانا محمد حنیف ندوی کے حالات پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا قلم جھوم جھوم اٹھتا ہے اور کہہ رہا ہے:

أُولٰـئـک آبَـائِـی فَـجِـئْـنِـیْ بِـمِـثْـلِـهِـمْ
إِذَا جَـمَـعَـتْـنَـا یَـا جَـرِیْـرُ الْـمَـجَـامِـعُ

ان پانچ حضرات کو بلاشبہ اپنے دور کے اہل حدیث کے ارکانِ خمسہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ عمومی طور پر بھی مولانا بھٹی کا اسلوب نگارش ایسا جاذب نظر ہے کہ جس شخصیت پر بھی انھوں نے قلم اٹھایا، الفاظ میں نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے، جس کا بھی خاکہ بنایا (اڑایا نہیں) اس میں ماہر مصور کی طرح خوبصورتی و دلکشی کے ساتھ رنگ بھر دیا ہے۔

خوبصورتی، دلکشی کے ساتھ ساتھ یہ تذکرے اور یہ خاکے اس قدر جامع ہیں کہ آپ ان شخصیات کی علمی، ادبی، سیاسی، مجلسی اور معاشرتی زندگی کا مشاہدہ کریں گے، انھیں اپنے اساتذہ کرام سے کسب فیض کرتے، یا اپنے تلامذہ کی تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام

دیتے، ان کی صلاحیتوں کو نکھارتے، ان کے کانوں میں علم وادب کا رس گھولتے اور لطائف وظرائف کے شگوفے چھوڑتے دیکھیں گے۔ پھر فاضل مصنف زیر قلم شخصیات کے حالات وواقعات ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے اساتذہ، ان کے تلامذہ، ان کے اولاد واحفاد، ان کے اعزہ واقارب بلکہ ان کے شہروں اور دیہاتوں کا تذکرہ، ان کی تاریخ، ان کا جغرافیہ اور ان سے متعلق دیگر بہت سی جزئیات کو اس قدر دلچسپ انداز میں اور والہانہ ذوق وشوق کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ قاری پر ایک سحر کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ دیہات وقصبات اور بلاد وامصار کے مناظر کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور شخصیات کو اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ ان شخصیات کو اپنے سامنے بولتے ہوئے دیکھتا ہے، جن کے خاکے ان کے قلم معجز رقم نے ترتیب دیے ہیں۔ ان کے خاکے پڑھ کر متعلقہ شخصیات کی تاریخ، ان کی دینی سوچ، ان کی سیاسی فکر، ملکی وملی مسائل سے متعلق ان کے نقطہ نظر اور ان کے علم وعمل کے مختلف پہلو نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں بعض مقامات تو ایسے بھی آتے ہیں جنھیں حسن خیال اور دل آویزی بیان کے نادر نمونے قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہر آئینہ ان کا اسلوب نگارش منفرد، واقعہ کی تصویر کشی دلفریب، شخصیت کی خاکہ نگاری سحر انگیز، لفظ لفظ قابل داد، جملہ جملہ داد سے بالا، ان کے اسلوب وانداز نگارش کی رعنائی وزیبائی کو بیان کیا جائے تو کیسے کیا جائے۔

مولانا بھٹی اپنے ممدوح اصحاب ورجال اور شخصیات کے تراجم وسوانح بیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان سب کے ساتھ ساتھ بلا تکلف اپنے سوانح بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ بھلا کرے ہمارے عزیز دوست جناب محمد رمضان یوسف سلفی کا، جنھوں نے بھٹی صاحب کی کتابوں کے چمن چمن اور گلشن گلشن پھر کر ''تمتع ز ہر گوشہ یافتم'' کا شرف حاصل کیا اور --- ذہبیٔ دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹی -- حیات وخدمات -- کے نام سے کتاب ترتیب دے کر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور خود جناب مولانا بھٹی صاحب کی نظر ثانی نے اس کتاب کی صحت وثقاہت

پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ مولانا بھٹی صاحب ہمارے شکریہ کے بطورِ خاص مستحق ہیں کہ انھوں نے ہمارے بہت سے اکابر اور بہت سی محسن شخصیتوں کی درخشندہ زندگیوں اور کارہائے نمایاں کو اپنے بے حد خوبصورت اور سحر انگیز اسلوبِ تحریر کے ذریعے آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کردیا ہے۔ ضروری تھا کہ اس عظیم محسن شخصیت کو بھی مستقل کتاب کا موضوع بنایا جاتا۔ مقامِ مسرت ہے کہ جناب سلفی صاحب نے اس ضرورت کی اہمیت کا احساس کیا اور ان کا احساس اس کتاب کی صورت میں ڈھل گیا، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر سے سرفراز فرمائے۔

محمد خالد سیف

اسلام آباد

18 جنوری 2009ء

جناب محمد سعید (وساوے والا)

ہو مبارک یہ حج بیت اللہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی حج بیت اللہ سے واپسی کی خبر "الاعتصام" میں پڑھی تو مندرجہ ذیل اشعار ارتجالاً موزوں ہو گئے۔ (سعید)

در اقدس سے ہو کے آئے ہیں — کیا منظر تھا یہ بتائیں آپ
دیدنی ہوگا زائروں کا ہجوم — حال مستی کا کچھ سنائیں آپ
جس زمین پر فلک بھی رشک کرے — میرے پاس اس کی خاک لائیں آپ
اپنا ماضی تو ایک مشعل تھی — اسی مشعل کو پھر جلائیں آپ
باپ بیٹے کا درسِ مہر و وفا — یاد امت کو پھر دلائیں آپ
کئی نمرودوں سے نمٹنا ہے — ایک ابراہیم ڈھونڈ کے لائیں آپ
روم و ایران کو روندنے والے — سرفروشوں کا جوش لائیں آپ
دل کی دھڑکن کا ساتھ دیتا ہے — عقل کی بات بھول جائیں آپ
آج کا ساز جان لیوا ہے — قرن اول کا سوز لائیں آپ
اشک بے تاب ہیں ٹپکنے کو — حالت دل پہ مسکرائیں آپ

واپسی پر جو لے کے آئے ہیں
آبِ زم زم مجھے پلائیں آپ

نذرِ عقیدت

بحضور مؤرخ عصر علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ (اطہر نقوی: ماخوذ از ترجمان دہلی)

متاع بے بہا ہے ذات اس کی ۔۔۔ خوشا علامہ اسحاق بھٹی
شگفت گل کا انداز حسین ہے ۔۔۔ زہے اس کا قلم کی عطر بیزی
متانت لفظ و معنی سے عیاں ہے ۔۔۔ نہیں لیکن عبوست اور خشکی
سلاست اس کا اسلوب نگارش ۔۔۔ بلاغت بھی ہے امعان نظر اس کی
قلم ہے ہاتھ میں یا موقلم ہے ۔۔۔ مرقعے روکش ارژنگ مانی
دماغ اس کا ہے یادوں کا خزینہ ۔۔۔ ہیں سے پارے بھی اور لعل و گہر بھی
وقائع سارے ہیں نوک قلم پر ۔۔۔ نظر تفصیل پر جزئیات پر بھی
قلم مثل صبا نکہت بداماں ۔۔۔ عبارت میں ہے رعنائی سحر کی
"نقوش عظمت رفتہ" نظر میں ۔۔۔ مؤرخ عصر حاضر کا ہے بھٹی
وہ اک نقاش "بزم ارجمنداں" ۔۔۔ ثناخوان بنات دین حق بھی
امیر زمرہ اہل قلم ہے ۔۔۔ امام اپنا اسے کہتے ہیں سلفی
سجایا اس طرح یادوں کا گلشن ۔۔۔ شمیم جاں فزا ہر سمت مہکی
ادب تاریخ کردار وبصیرت ۔۔۔ یہاں آباد ہے دنیا کے معنی
حدیث دلبراں کہتے ہیں اس کو ۔۔۔ حکایت ہے، یہ ارباب وفا کی
یہ ہیں، لمعات اردوئے معلیٰ ۔۔۔ ہر قرطاس بکھرے ہیں، یہ موتی
وہ بزم عارفاں کا میر مجلس ۔۔۔ وہ صہبائے شریعت کا ہے ساقی
بیان و فکر میں ہے انکساری ۔۔۔ نہیں ہے خود ستائی اور تعلی
ادب ملحوظ خاطر ہے ہمیشہ ۔۔۔ کسی سے بھی نہیں کی اس نے شوخی
اصاغر پر ہے اک انداز شفقت ۔۔۔ اکابر سے عقیدت اس کو قلبی
ہے اس کی فکر عالی ناصحانہ ۔۔۔ ہے فطرت میں عجب ایک دردمندی

سلام اس عالم صاحب نظر کو
شہنشاہ قلم اسحاق بھٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ رحمانیہ المعروف جامعہ ابراہیمیہ
(تعارف)

جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ مسلک حقہ اہل حدیث کی قدیم علمی، دینی اور سلفی درسگاہ ہے، قرآن وحدیث کے فیوض وبرکات اور علم وعرفان کے اس سرچشمہ کی بنیاد استاذ العلماء مفتی ومحدث شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ نے 1964ء میں امام العصر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کے شہر میں رکھی اور بہت جلد فقہی مذاہب اربعہ کے علماء میں ایک خاص مقام پالیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے رفقاء شیخ الحدیث مولانا عطاء الرحمٰن اشرف حفظہ اللہ، پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد حفظہ اللہ اور مولانا محمد یونس مرجالوی حفظہ اللہ کے ہم رکاب مسند تدریس کو تادم زیست سجائے رکھا، جہاں سے لاتعداد قرآن وحدیث کے پروانوں نے فیض پایا۔

جامعہ رحمانیہ کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد استاذ المحدثین، حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے 1980ء میں رکھا اور خطبہ استقبالیہ شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے دیا تھا۔

تعلیمی شعبہ جات وخدمات:

گزشتہ پچاس سالوں سے جامعہ ہذا درج ذیل شعبہ جات میں برسرپیکار ہے:

شعبہ درس نظامی، شعبہ حفظ القرآن وتجوید وقراءت، شعبہ تعلیم وفہم قرآن، شعبہ علوم عصریہ (میٹرک، ایف اے، بی اے)، شعبہ تصنیف وتالیف، شعبہ دار الافتاء، شعبہ دعوت وتبلیغ۔

جامعہ رحمانیہ ایک اقامتی ادارہ ہے جس میں مقامی وبیرونی طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے، شعبہ درس نظامی میں مکمل کتب بمطابق نصاب وفاق المدارس سلفیہ پاکستان پڑھائی جاتی ہیں، جس کی تکمیل صحیح بخاری پر ہوتی ہے۔ اب تک تقریباً 125 علماء کرام سند فراغت حاصل کر چکے ہیں اور عملی زندگی میں مختلف سکولوں، کالجوں اور مدارس ومساجد میں بطور استاد پروفیسر، امام وخطیب خدمت دین میں مصروف عمل ہیں، اسی طرح شعبہ حفظ القرآن وتجوید وقراءت سے اب تک تقریباً 250 حفاظ کرام فارغ التحصیل ہو چکے ہیں اور اکثر عملی زندگی میں ماہر ومشاق اساتذہ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

شعبہ تعلیم وفہم القرآن کے تحت طلباء کو ترجمہ قرآن اور سوالاً جواباً فہم قرآن کی تعلیم دی جاتی

ہے، تا کہ چھوٹی عمر میں ہی عقیدہ توحید واضح اور پختہ ہو جائے۔

شعبہ علوم عصریہ میں طلباء کو میٹرک، ایف اے اور بی اے کی باقاعدہ تیاری کروائی جاتی ہے، اس کا بنیادی فائدہ یہ ہوا ہے کہ طلباء عصری تعلیم دینی ماحول میں صوم وصلاۃ کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔

کسی بھی ادارہ میں شعبہ تصنیف وتالیف اس کی محنت وکاوش کا نقیب وترجمان ہوتا ہے۔ الحمد للہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ نے اس شعبہ کے تحت مسلک اہل حدیث کی خوب ترجمانی فرمائی، مولانا کی تصنیفی وتالیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

1...... انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ عربی (12 جلدیں)

2...... اہمیت نماز

3...... صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ

4...... معراج مصطفیٰ ﷺ

5...... آل مصطفیٰ ﷺ

6...... تحفۃ العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر

7...... تحفۃ الوریٰ فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ

8...... احکام سفر

9...... احکام دعا وتوسل

10...... احکام نکاح

11...... احکام وقف وہبہ

12...... احکام قسم ونذر

13...... احکام عدت

14...... احکام طلاق

15...... احکام وتر

16...... احکام ومسائل رمضان

17...... ارکان اسلام

18...... اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت

19...... دوران خطبہ جمعہ دو رکعات پڑھنے کا حکم

20...... استخارہ ومشورہ

21...... حرمت متعہ

22...... رزق حلال اور رشوت

23...... حرمت متعہ بجواب جواز متعہ

24...... صفات المومنین

25...... تحریک پاکستان اور حکمرانوں کا کردار

26...... عمدۃ التصانیف شرح نخبۃ الاحادیث

27...... شرح اربعین ابراہیمی

28...... شرح اربعین ثنائی

29...... بیع اقساط کی شرعی حیثیت

30...... عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت

31...... ووٹ کی شرعی حیثیت

32...... مسائل عید الاضحیٰ اور قربانی

33...... بستیوں میں خطبہ جمعہ کا ثبوت

ان کتب کے علاوہ "تذکرہ علماء اہل حدیث پاکستان" از پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد حفظہ اللہ،

''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ایک مطالعہ'' از ملک عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ، ''عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں علمائے اہل حدیث کی مثالی خدمات'' از مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ، ''تذکرہ مساجد اہل حدیث شہر سیالکوٹ'' از مولانا عبدالحنان جانباز حفظہ اللہ، ''مؤرخ اہل حدیث، مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ حیات وخدمات'' از مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ شائع ہو چکی ہیں۔

شعبہ افتاء:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعبہ کے تحت عوام واحباب کے مختلف استفسارات کے قرآن وحدیث کی روشنی میں جوابات دیے تھے، ان فتاویٰ جات کی ایک معقول تعداد ہمارے پاس موجود ہے، ہماری کوشش ہے کہ انھیں مرتب ومدون صورت میں افادہ عام کے لیے شائع کر دیا جائے۔

شعبہ دعوت وتبلیغ:

اس شعبہ کے روح رواں جامعہ ہی کے زیر تعلیم طلباء اور ان کے ساتھ فارغ التحصیل مقامی علماء ہیں جو سیالکوٹ کے مضافات میں ہفتہ وار تبلیغی قافلہ کی صورت میں روانہ ہوتے ہیں اور عوام الناس کو خالص توحید وسنت سے روشناس کراتے ہیں۔

اساتذہ ومنتظمین:

قاری عبدالرحمن حفظہ اللہ	مہتمم وصدر مدرس
مولانا محمد الیاس میر حفظہ اللہ	مدرس شعبہ کتب
مولانا محمد یونس مرجالوی حفظہ اللہ	شعبہ دار الافتاء
مولانا محمد ادریس حفظہ اللہ	مدرس شعبہ کتب
قاری محمد لیاقت حفظہ اللہ	مدرس شعبہ حفظ القرآن
قاری محمد شفیق حفظہ اللہ	مدرس شعبہ حفظ القرآن
قاری محمد عثمان حفظہ اللہ	مدرس شعبہ حفظ القرآن
مولانا عبدالحنان جانباز حفظہ اللہ	ناظم تعلیم وانچارج شعبہ علوم عصریہ
پروفیسر عبدالعظیم جانباز حفظہ اللہ	معاون شعبہ علوم عصریہ

کتب خانہ:

جامعہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ ہے جو مولانا جانباز رحمہ اللہ کے علمی وتحقیقی ذوق کا غماز ہے۔ جس میں تفاسیر، علوم قرآن، اجزاء حدیثیہ، کتب التخریج، شروح الحدیث، فقہ مذاہب اربعہ، فقہ جعفریہ، فقہ عام وفتاویٰ جات، اخلاق والرقاق، اصول فقہ، مصطلح الحدیث، سیاسۃ الشرعیہ والقضاء، سیرت نبوی ﷺ، تراجم وطبقات، تاریخ، کتب البلدان، کتب الادب العربی، علم لغت ومعاجم، کتب انساب، کتب الالبانی، اسماء الرجال کی بنیادی ونایاب کتب، سیاست مدنیہ اور حکمرانان عالم سے متعلق دلچسپ اور معلوماتی کتب، اس کے علاوہ برصغیر کے چیدہ چیدہ علمی پرچوں کی پرانی فائلیں اور اندرون وبیرون ممالک سے آمدہ مختلف رسائل وجرائد بڑی احتیاط سے مجلد فائلوں میں ترتیب کے ساتھ محفوظ ہیں اور محفوظ کیے جاتے ہیں، اب تک لاتعداد تشنگان علم وادب اس سے استفادہ کر چکے ہیں۔

سہولیات برائے طلباء:

ادارہ ہذا میں طلباء کے لیے خورونوش، لباس ورہائش، علاج معالجہ وصابن، فراہمی کتب، مالی اعانت اور انعامات وظائف کے علاوہ ایک بڑا جنریٹر جیسی سہولیات میسر ہیں، اپنی ذاتی عمارت کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی موجود ہے۔

مالیاتی نظام:

جامعہ کے سالانہ حساب کو آڈٹ کروایا جاتا ہے اور ان کی باقاعدہ سالانہ رپورٹ محفوظ کی جاتی ہے۔

ذرائع آمدن:

طلباء کی ضروریات کے لیے آمدن کے دو بڑے ذرائع میں سے ایک مخیر حضرات سے سالانہ زکوٰۃ فنڈ اور دوسرا قربانی کے جانوروں کی کھالیں ہیں، دین کا یہ علمی وسلفی مرکز جس کی آبیاری شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ نے اپنے خون جگر سے کی وہ یقیناً مولانا سمیت ادارہ کے تمام معاونین کے لیے صدقہ جاری ہے، ان شاء اللہ، ادارہ کی انتظامیہ اور مولانا کے جانشین نہایت اخلاص اور جانفشانی سے خدمت دین میں مصروف عمل ہیں۔ (الحمد للہ، ثم الحمد للہ)

والسلام

ملک عبدالحلیم جرپالوی

(جنرل) انتظامیہ جامعہ رحمانیہ، ناصر روڈ، سیالکوٹ

جامعہ رحمانیہ

جامعہ (المعروف)
ابراھیمیہ (رجسٹرڈ)

قرآن و
حدیث کی تعلیم و
تدریس اور اشاعتِ دین کیلئے
شہر سیالکوٹ میں شیخ الحدیث حضرۃ مولانا
محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ عظیم وقدیم علمی درسگاہ
ہے جس سے لاتعداد سلفی علماء اور حفاظ کرام فیض یاب ہوکر خدمتِ دین میں مصرف عمل ہیں۔
یہ عظیم درسگاہ اب کسی تعارف کی محتاج نہیں اس کے کارہائے نمایاں کی فہرست بہت طویل ہے اور روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔
جامعہ میں شعبہ درس نظامی حفظ القرآن، تجوید وقرأت، فتاویٰ جات، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ اور طلباء کیلئے مفت کتب وعلاج اور قیام وطعام کا معقول انتظام ہے۔
بفضل اللہ تعالیٰ! حال ہی میں دینی وعصری علوم کو یکجا کیا گیا ہے ...... وفاق المدارس سلفیہ پاکستان کے امتحانات کے تحت اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں یقینی داخلہ اور حصول تعلیم کی راہ کو ہموار بنایا گیا ہے تاکہ دینی طلباء اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے دنیوی اعتبار سے اپنے مستقبل کو روشن کرسکیں۔

برائے معلومات

مہتمم: قاری عبدالرحمٰن 0300-6161913 ناظم تعلیم عبدالحنان جانباز ایم اے 0300-7123419
صاحبزادہ پروفیسر عبدالعظیم شعبہ انگریزی لیڈرشپ کالج سیالکوٹ 0300-6122644

انتظامیہ: **جامعہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) سیالکوٹ**